سلسلۂ مطبوعات ادارۂ معارف

الامام
شاہ ولی اللہ محدث
دہلوی

مصنفہ

مولانا عبدالقیوم مظاہری

بارِ اوّل ——— اگست ۱۹۶۷ء
تعداد ——— ایک ہزار
طباعت ——— انتظامی پریس

قیمت:۔ بیس ۲۰ روپے

ادارۂ معارف ملّی کرنیل گنج کانپور

فہرست عنوانات

الامام شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی

نام ونسب

نام	۱
نسب	۱
ولادت	۲
بشارت وکرامات	"

خاندان

رہتک میں سکونت	۵
شمس الدین مفتی	۶
مدرسہ کی بنیاد	۷
شاہ وجیہ الدین	۹
شاہ وجیہ الدین کی بہادری	"
شاہ وجیہ الدین کی خودداری	۱۰
" " " شہادت	۱۱
" " " اولاد	۱۳
شاہ ابو الرضا	"
شاہ عبدالرحیم	۱۶
تعلیم	"
شیخ رفیع الدین محمد اور خواجہ خرد کی کرامت	۱۷
مرزا محمد زاہد ہروی	۱۹
مرزا صاحب کا ایک دلچسپ واقعہ	۲۰
شاہ عبدالرحیم کا سلوک	۲۲
خواجہ ہاشم سے تعلق	"
نسبت اویسیہ	۲۴
خواجہ خرد سے درخواست بیعت	"

حافظ سید عبداللہ سے بیعت و ارادت ۲۵
شاہ عبدالرحیم اور فتاویٰ عالمگیری کی تدوین .
جاگیرداری سے اجتناب ۲۶
شاہ عظمت اللہ کی خدمت میں ۲۷
جمعیت ظاہر و باطن کی بشارت ۲۸

عہد طفولیت

تعلیم و تربیت ۳۰
نکاح ۳۸
دستار فضیلت و اجازت تدریس ۳۹
اجازت تجوید و قرات ۴۱
شاہ عبدالرحیم کی وفات .
اجازت بیعت ۴۲
درس و تدریس ۴۳
طریقہ تعلیم ۴۴
سفر حجاز ۴۶
ایک غلط فہمی ۴۷
خانہ کعبہ اور روضۂ نبوی پر حاضری ۵۰
...ی اساتذہ ۵۱
شیخ وفداللہ ۵۱
شاہ صاحب اور شیخ وفداللہ ۵۳
شیخ ابوطاہر مدنی .
احتیاط ۵۴
اخلاق "
شاہ صاحب اور شیخ ابوطاہر ۵۵
شیخ تاج الدین ۵۷
شاہ صاحب اور شیخ تاج الدین ۵۸
تاریخی خواب ۵۹
حجاز سے واپسی ۶۴
جدوجہد کا مرکز ۶۵
نظم و ضبط ۶۸
اوقات کی تقسیم ۷۰
علمی خدمات ۷۱

تصنیفات

فتح الرحمان ۸۲
الفوز الکبیر .
فتح الخبیر ۸۳

مصفیٰ	۸۴	انتباہ	۹۲
مسویٰ	〃	الخیر الکثیر	〃
عقد الجید	〃	البدور البازغہ	۹۳
تاویل الاحادیث	〃	تفہیمات الٰہیہ	〃
چہل حدیث	〃	مکاتیب	〃
حجۃ اللہ البالغہ	〃	المقالۃ الوضیہ	۹۴
الانصاف فی بیان سبب الاختلاف	۸۷	رسائل	〃
ارشاد الی مہمات علم الاسناد	〃	شاہ صاحب کی طرف منسوب چند تصانیف	۹۵
شرح تراجم ابواب بخاری	۸۸	آپ کا مقام عظمت	۱۰۰
ازالۃ الخفا	〃	وفات	۱۰۵
قرۃ العینین	۸۹	اولاد	۱۰۷
فیوض الحرمین	〃	الشیخ محمدؒ	۱۰۸
الطاف القدس	۹۰	الشاہ عبدالعزیزؒ	۱۰۹
الدر الثمین	〃	الشاہ رفیع الدینؒ	۱۱۲
شرح رباعیتین	〃	الشاہ عبدالقادرؒ	۱۱۵
ہوامع	۹۱	الشاہ عبدالغنیؒ	۱۱۷
انفاس العارفین	〃		
اطیب النغم	۹۲	**تلامذہ**	
سرور المحزون	〃	شیخ محمد عاشق پھلتیؒ	۱۱۸

مولانا نوراللہ بڈھانوی ۱۲۰
شاہ جمال الدین "
خواجہ محمد امین کشمیری ۱۲۱
شاہ ابوسعید بریلوی ۱۲۲
قاضی ثناء اللہ پانی پتی ۱۲۴
شاہ نعمان ۱۲۵
علامہ مرتضیٰ الحسینی ۱۲۶
علامہ رفیع الدین محدث مرادآبادی ۱۲۷
الشیخ محمد سعید ۱۲۸
علامہ محمد معین سندھی ۱۲۹
میر قمرالدین منت ۱۳۰

حدیث

شاہ صاحبؒ کا زمانہ ۱۳۳
درس حدیث کے مختلف طریقے ۱۳۶
آپ کا پسندیدہ طریقہ ۱۳۹

تقلید

تقلید عہد صحابہؓ و تابعینؒ میں ۱۴۱
تقلید شخصی کا انحصار ۱۴۴
شاہ صاحب کا مسلک ۱۴۸

تصوف

تجدیدی کارنامہ ۱۵۶
توحید باری میں دو مختلف نظریات ۱۵۸
وحدت وجود ۱۵۹
وحدت شہود "
ذکر جہری بدعت نہیں ۱۶۵
بیعت کی تشریعی حیثیت ۱۶۷
بیعت کی حکمت ۱۶۹

سلاسل طریقت

شعبۂ قادریہ جیلانیہ ۱۷۲
شعبۂ ثانیہ قادریہ جیلانیہ "
قادریہ اکبریہ ۱۷۳
قادریہ شرعیہ "
نقشبندیہ مجددیہ نوریہ ۱۷۴
مجددیہ خرویہ ۱۷۵

شعبۂ ابوالعلائیہ ملائیہ	۱۷۵	شعبۂ طریقہ شاذلیہ	۱۸۱
〃 〃 نوریہ	〃	〃 شاذلیہ مغلطائیہ	〃
〃 نقشبندیہ مجددیہ معصومیہ	۱۷۶	〃 شطاریہ	۱۸۲
〃 〃 جامیہ	〃	〃 شطاریہ لشکریہ	〃
〃 〃 مخدومیہ	〃	〃 〃 وجیہیہ	〃
〃 〃 سنبھلیہ	〃	〃 مداریہ	〃
〃 چشتیہ	۱۷۷		
〃 〃 سراجیہ نظامیہ	〃	**اوراد و اعمال**	
〃 〃 نصیریہ نظامیہ	〃	برائے کشائش ظاہر و باطن	۱۸۳
〃 〃 قدوسیہ صابریہ	۱۷۸	برائے درد	〃
〃 سہروردیہ	〃	برائے رفع حاجت ورد غائب	۱۸۶
〃 〃 زکریہ	〃	برائے شفاء مریض	〃
〃 〃 بزغشیہ	〃	برائے گزیدن سگ دیوانہ	〃
〃 طریقۂ کبرویہ	۱۷۹	برائے دفع فاقہ	〃
〃 کبرویہ نقشبندیہ	〃	برائے بیدار شدن	〃
〃 〃 ہمدانیہ	۱۸۰	برائے سقط اطفال	۱۸۷
〃 〃 مدینیہ	〃	برائے امان از ہر آفت	〃
〃 مدینیہ مغاربیہ	〃	برائے خوف حاکم	〃
〃 〃 عیدروسیہ	〃	برائے شفاء مریض	۱۸۸

گنڈہ برائے چیچک	۱۸۸
برائے حفاظت	•
برائے حاجت روائی	۱۸۹
برائے دفع جن	•
تعویذ برائے عقیمہ	۱۹۱
گنڈہ برائے حفاظت حمل	•
برائے دروزہ — برائے اولاد نرینہ	۱۹۲
برائے زنیکہ اولاد نزائید	۱۹۳
برائے نظر بد	•
برائے شفاء مریض — برائے رد غائب	۱۹۴
برائے حاجت	۱۹۵
برائے تپ	۱۹۶
برائے خنازیر	۱۹۷
برائے مادہ سرخ. برائے ضعف البصر. برائے صرع	۱۹۸
برائے خفقان	۱۹۹
رد بدعت	
بدعت کی حقیقت	۲۰۱
عظیم ترین بدعت	۲۰۲

عاشوراء کی بدعات	۲۰۵
شب برأت کی بدعات	۲۰۶
شرک فی العبادۃ	۲۰۹
شرک فی الاستعانۃ — شرک فی الدعا	۲۱۰
شرک فی الذبح	۲۱۱
رد شیعیت	
شیعیت دورِ مغلیہ میں	۲۱۳
اصلاح کی کوشش	۲۱۹
خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے معنی	۲۲۰
رفض و تشیع کے بارہ میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال روحانی اور آنحضرت کا جواب	۲۲۵
عہدِ ولی اللّٰہی کا سیاسی احوال	
سادات بارہہ	۲۲۶
سکھ تحریک	۲۳۰
مرہٹہ تحریک	۲۳۳
جاٹ	۲۴۹
نادر شاہ درانی کا حملہ	۲۵۲
روہیلے	۲۵۵
زوال کے اسباب شاہ صاحب کی نظر میں	۲۵۹

شاہ صاحب کی جدوجہد	۲۷۷
شاہ صاحب کا خط ابدالی کے نام	۲۸۱
اقتصادی حالت اور شاہ صاحب کی کوششیں	۲۹۹
شاعری	۳۰۳
کلام عربی	۳۱۳
کلام فارسی	۳۱۷
رباعیات	۳۲۰
وصایا	
وصیت (۱)	۳۲۲

وصیت (۲)	۳۲۲
وصیت (۳)	۳۲۴
وصیت (۴)	۳۲۹
وصیت (۵)	
وصیت (۶)	
وصیت (۷)	۳۳۱
وصیت (۸)	۳۳۲
وصیت (۹)	〃
وصیت (۱۰)	۳۳۳
وصیت (۱۱)	〃

ماخذ

(الف)

الارشاد فی مہمات علم الاسناد	شاہ ولی اللہؒ
الجزء اللطیف	"
انفاس العارفین	"
الانصاف	"
القول الجمیل	"
ارواح ثلاثہ	مرتبہ مولانا ظہور الحسن کسولوی
الیانع الجنی	علامہ محسن بہاریؒ
الطاف القدس	شاہ ولی اللہؒ

(ت)

تفہیمات الٰہیہ	شاہ ولی اللہؒ
تذکرۂ محدثین	مولانا سید احمد صاحبؒ
تاویل الاحادیث	شاہ ولی اللہؒ

ط

تذکرہ سلیمان	مولانا غلام محمد
تذکرۂ شاہ ولی اللہ	مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی
تذکرۃ الرشید	مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رح
تذکرہ گلشن ہند	مرزا علی لطف
تاریخ علم الکلام	مولانا شبلی نعمانی
تزک جہانگیری	مرتبہ سر سید احمد خان
تاریخ مشائخ چشت	پروفیسر خلیق احمد نظامی
تاریخ ہند	مولوی ذکاء اللہ

(ح)

حیات ولی	حافظ رحیم بخش
حدائق حنفیہ	مولانا فقیر محمد جہلمی
حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ رح
حیات طیبہ	مرزا حیرت دہلوی

(د)

دُر ثمین	شاہ ولی اللہ رح
دہلی کا گائیڈ	حافظ رحیم بخش دہلوی رح
دہلی اور اس کے اطراف	مولانا عبد الحئی حسنی ندوی رح
دار الحکومت دہلی۔	مولوی بشیر الدین

(ذ)

ی

زوال سلطنت مغلیہ — سرجادو ناتھ سرکار

(س)

سیرت سید احمد شہید رہ — مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
سیر المتاخرین — مولوی غلام حسین طباطبائی
سیرت فریدیہ — سر سید احمد خاں

(ش)

شوارق المعرفۃ — شاہ ولی اللہ رح
شاہ ولی اللہ اور اُنکی سیاسی تحریک — پروفیسر خلیق نظامی
شاہ ولی اللہ اور تشیع — مولانا محمد میاں

(ع)

عبقات — شاہ محمد اسمٰعیل شہید رہ
علم و عمل — محمد ایوب قادری
علماء ہند کا شاندار ماضی — مولانا محمد میاں
عقد الجید — شاہ ولی اللہ

(ف)

فیوض الحرمین — شاہ ولی اللہ رح

(ق)

قرۃ العینین — شاہ ولی اللہ رح

(ک)

کلمات طیبات — حافظ محمد علی مرادآبادی

کشف الحجاب	قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی
کلید مثنوی	مولانا اشرف علی تھانویؒ
کمالات عزیزی	نواب مبارک علی خان

(م)

مشکوٰۃ شریف	الشیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ خطیب تبریزیؒ
مقالات طریقت	عبدالرحیم ضیا حیدرآبادی
ملفوظات عزیزی	مرتبہ: قاضی بشیر الدین میرٹھی
مجربات خاندان عزیزیہ	مولانا ظہیر الدین سید احمد
مسوّٰی	شاہ ولی اللہ رح
مکتوبات شاہ ولی اللہ رح	مرتبہ: پروفیسر خلیق احمد
مآثر الکرام	مولانا غلام علی آزاد بلگرامی
مقدمہ گلشن ہند	بابائے اردو مولوی عبدالحق
مکتوبات (قلمی)	مفتی محمود حسن گنگوہی

(ن)

نزہۃ الخواطر	مولانا عبدالحیٔ حسنی ندوی
نقش حیات	شیخ الاسلام حضرت مدنی رح

(و)

وصیت نامہ	شاہ ولی اللہ

(ہ)

ہمعات	

رسائل

رسالہ اشاعۃ السنۃ ج ۱۱ مطبوعہ ۱۸۸۸ء — رسالہ الرحیم مئی ۱۹۶۵ء جولائی ۱۹۶۵ء

عرضِ مؤلف

حجۃ الاسلام الامام ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو اسلامی ہند کی علمی اور مذہبی تاریخ میں ایک غیر معمولی اہمیت اور عظمت حاصل ہے۔ تقریباً تینتالیس ۴۳ سال تک دہلی میں اُن کا مدرسہ علم و فضل کا گہوارہ اور ارشاد و تلقین کا مرکز بنا رہا۔ ہزاروں تشنگانِ علوم و معارف نے وہاں آکر اپنی پیاس بجھائی اور سیکڑوں گم گشتگانِ علم نے وہاں آکر روشنی حاصل کی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب دنیا پرستی کی لعنت نے عزم و راستی کی روح کو مردہ کر دیا تھا۔ مذہبی گمراہی کے سوت محلوں سے پھوٹ کر جھونپڑوں کو تہ و بالا کر رہے تھے۔ کتاب و سنت سے بے اعتنائی عام ہو رہی تھی۔ اگر ایک جانب علماء سوء مذہب و ملت کی کشتی کے ناخدا بنے ہوئے تھے جن کے دامن حرص و ہوا میں آلودہ تھے تو دوسری جانب صوفیائے خام نے شریعت و سنت کی ایک عجیب شکل بنا دی تھی۔ ملت کا سرمایہ منتشر ہو رہا تھا۔ قرآن و حدیث سے رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔ الحاد و بددینی عقل و حکمت کے دلفریب عنوان سے پھیلائی جا رہی تھی۔ کہ ایک عالم ربانی اور شیخ طریقت کا ساختہ پرداختہ اسکی مسند خانقاہ و مدرسہ پر رونق افروز ہوتا ہے جس نے اپنی بصیرت و بالغ نظری اور مسیحانفسی سے علمی دنیا میں انقلابِ عظیم برپا کر دیا۔ اور دینی علوم کو "جن پر عرصے سے مردنی کی کیفیت طاری تھی" جلا بخشی۔ اُسنے اپنی زندگی کا مقصد واحد احیاء علوم دین اور ترویج شریعت کو قرار دیا ——— اور

پھر یہ اعلان کیا:

"مجھے خدا نے یہ شرف بخشا ہے کہ میں اس زمانہ کا مجدد، وصی اور قطب ہوں،
اگر خدا نے چاہا تو میری کوششوں سے مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا ہو جائیگی"

مجدد کے منصب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ شریعت کے قوانین کی توجیہ وتفسیر کتاب وسنت کے مطابق کرے اور انہیں قیاس کو ہرگز دخل نہ دے۔ تعلیمات و نظریات کو پیش کرتے وقت صحابہؓ وتابعینؒ کے اعمال و افعال کو سامنے رکھے۔

وصی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دین کے اُن قوانین کو، جو بتاتے ہیں کہ حرام کیا ہے اور حلال کیا ہے، رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ اور اُن کے ارشادات کی روشنی میں ترتیب دے۔

قطب وہ ہے، جو خدا کی مرضی کو موجودہ حالات اور ضروریات میں بنی نوع انسان پر ظاہر کر دے۔

۵۹ سال کی عمر میں جب داعیٔ اجل کو لبیک کہنے کا وقت آیا تو اسکی بیش بہا تصانیف کے ہزاروں صفحات اس اعلان کی پابندی اور اسکی صداقت پر شہادت دے رہے تھے۔ ہزاروں افراد جن کے قلوب شریعت وسنت کے احترام اور اسکی روشنی سے معمور ہو چکے تھے اسکے احسان کی گرانباری محسوس کر رہے تھے۔ درس وتدریس کا ایک نیا سلسلہ ملک میں پھیل چکا تھا۔ اور اہل بصیرت فضاؤں میں یہ آواز سن رہے تھے ؎

"جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے"

اسلامی ہند میں حضرت شاہ صاحبؒ کا صحیح مقام متعین کرنے کے لئے ہزاروں صفحات درکار ہیں۔ جن میں آپ کے گرد وپیش کے حالات، آپ کے افکار و نظریات اور مذہبی وسیاسی رجحانات پر سیر حاصل بحث کی جائے۔

اہل نظر حضرات سے ، زیر نظر کتاب پر دعوت تنقید و تبصرہ دیتے ہوئے گزارش کروں گا کہ اسے معیار بالا پر جانچنے کی کوشش نہ فرمائیں ۔ کیونکہ میں نے اسمیں صرف اسبات کی کوشش کی ہے کہ عام نگاہوں میں حضرت شاہ صاحبؒ کی شخصیت کسی قدر اُجاگر ہو جائے ۔ اسی وجہ سے میں نے اس کتاب میں انھیں موضوعات کو چھیڑا ہے جو عام ذہنوں سے قریب تر تھے ۔ اگر اس اعتبار سے یہ کتاب کسی قدر مفید ثابت ہوئی ۔ تو میں سمجھوں گا کہ میری یہ سعی سعئ لاحاصل نہیں ہے ۔

اس سلسلہ میں زیادہ لائق تشکر و امتنان وہ حضرات ہیں جنہوں نے اس کام میں میری رہنمائی اور دستگیری فرمائی ۔ ورنہ یہ کام شاید معرض وجود میں نہ آسکتا ۔ ان میں سر فہرست حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی دامت برکاتہم کا نام ہے جنہوں نے بعض اہم اور غیر معمولی مسائل میں رہنمائی فرما کر میری مشکلات کو حل فرمایا ـــــ نیز حضرت مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہی دامت برکاتہم کہ موصوف نے کتاب کا مسودہ ملاحظہ فرمانے میں اپنے اوقات عزیز کا معتد بہ حصہ صرف فرما کر جگہ جگہ اپنے مفید مشوروں سے نوازا ۔ اور مصروفیت کے باوجود گرانقدر مقدمہ تحریر فرمایا ۔ جیسے شایان ہر دو حضرات کے کرم ہائے بے پایاں کی عہدہ برآ ہونا مشکل ہے ۔

مولانا امتیاز علی صاحب عرشی رضا لائبریری رام پور ۔ اور مولانا الحاج سید محمد مرتضیٰ صاحب مدظلہٗ (ندوۃ العلماء لکھنؤ) کا مرہون منت ہوں جنھوں نے میرے لئے ممکن آسانیاں بہم پہونچائیں اور اس سلسلہ میں بڑی فراخدلی کا ثبوت دیا ۔

عبدالقیوم مظاہری
جامعہ اسلامیہ کانپور
۵ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ
۱۴ جولائی ۱۹۶۷ء

پیش لفظ

(از حضرت مولینا نسیم احمد فریدی امروہی)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ـــــــ میں کیا بتاؤں کہ یہ شخصیت میرے لئے کتنی دل آویز، کس قدر روح پرور اور کس درجہ جاں نواز ہے! کن الفاظ سے بیان کروں کہ اس نام سے میرے قلب کو کیسی راحت، فرحت اور لذت محسوس ہوتی ہے ـــــــ ہر چند اپنی بے کمالی کی بنا پر اس ذات بابرکات کے کمالات کا پورا پورا علم نہیں، لیکن یہ بات یقینی ہے کہ میرے دل ودماغ کی کائنات میں یہ ذات اقدس اپنے معارف و نظریات کے پردے میں جلوہ فگن ہے ہر چند کہ بے بضاعت اور کم علم ہوں، لیکن اس پر نازاں ہوں کہ میرے جذبات عقیدت کو حضرت شاہ صاحبؒ اور ان کے علمی خاندان سے ایک ربط و تعلق ہے۔

میں نے عرصہ ہوا بعنوان "مزار شاہ ولی اللہ محدث دہلوی پر پہونچکر" چند اشعار بطور نذر عقیدت لکھے تھے۔ ان میں سے کچھ شعر یہاں بھی پیش کرتا ہوں

مزار حضرت شاہ ولی اللہؒ پر ہمدم   دل پر یاس وحسرت چشم گریاں لیکے آیا ہوں
نہیں آیا میں خالی ہاتھ اس درگاہ عالی پر   عقیدت کیشیاں، نقد دل وجاں لیکے آیا ہوں

ع

جو کھلا جائیں دو اک روز میں وہ پھول کیا لاتا	میں اپنے باغِ دل کی چند کلیاں لیکے آیا ہوں
مرے پیشِ نظر تصویر ہے بزمِ محدث کی	تصور میں گلستاں در گلستاں لے کے آیا ہوں
وہ دہلی اور اُسکی شوکتیں پھر یاد آئی ہیں	خزاں کے دور میں یادِ گلستاں لیکے آیا ہوں
بچایا راہزن سے رہنمائی نے تری اسکو	بحمد اللہ متاعِ دین و ایماں لیکے آیا ہوں
تری تعلیم کے صدقے سے ہے جسمیں تڑپ باقی	اُسی حساس دل کو زیرِ داماں لے کے آیا ہوں
فلک سے کہدو اب شبنم کے قطروں کو نہ برسائے	میں قبرِ شیخ پر اشکوں کی لڑیاں لے کے آیا ہوں
عقیدت، نقدِ اُلفت، یادِ ماضی، سوزِ پنہانی	مزارِ شیخ پر کیا کیا میں ساماں لیکے آیا ہوں

فریدی میں نہیں آیا ہوں تنہا مرقد شہ پر
دعا ہائے فراواں، ذوقِ پنہاں لیکے آیا ہوں

میرے دل کی گہرائیوں سے یہ آواز نکلتی ہے کہ بلاشک وشبہہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے وقت کے مجدد، حکیم الاُمت، امام علم وفن، مصلحِ اُمت، اور ہمدرد انسانیت ہیں۔ وہ مذہباً مسلم اور وطناً ہندوستانی ہیں، لیکن اُن کی افادیت کا دامن تمام آفاق اور تمام اقوام عالم پر محیط ہے۔ وہ بیک وقت ایک عظیم الشان عالم دین بھی ہیں، اور درویش باصفا بھی مفسر ومحدث بھی ہیں اور مفکر ومتکلم بھی۔ مدرس ومعلم بھی ہیں اور مؤلف ومصنف بھی ماہر سیاسیات بھی ہیں اور رموز آشنائے معاشیات بھی۔ دریائے حکمت ومعرفت کے غواص بھی ہیں۔ اور اسرار شریعت کے محرم خاص بھی —— وہ حنفی بھی ہیں اور محقق بھی، وہ تمام معروف سلاسل طریقت سے وابستہ بھی ہیں اور روحانیت کے ایک خاص مقام پر امتیازی شان سے فائز بھی۔ اُنھوں نے اپنی خداداد بصیرت، بے نظیر روحانیت، معرکۃ الآرا تصنیفات وتالیفات، مکتوبات وارشادات، حلقۂ ذکر وفکر اور خلفا، وتلامذہ کی جماعت سے خانقاہ

ومدرسہ کو رونق تازہ بخشی۔ اور پھر خانقاہ ومدرسہ کے امتزاج کے ذریعہ ایک ایسی دینی و روحانی فضا پیدا کی جس کے اثرات عالمگیر وآفاق گیر ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے قرآن مجید کی بابرکت آیات نیز رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات، اور آپ کے انسانیت نواز ارشادات و فرمودات کی روشنی میں وہ لائحہ عمل پیش فرمایا ہے، جس پر عمل پیرا ہوکر تمام دنیا کا بھلا ہوسکتا ہے۔ رفاہِ خلق اور رفاہِ عام کے سلسلہ میں اُن کے عنبریں قلم سے جو مضامین برآمد ہوئے ہیں اُن کی وضاحت کی جائے اور اُن پر عمل کا سایہ ڈالا جائے تو کسی غلط نظام اور باطل ازم کو پنپنے کا موقع نہ ملے۔

اُنہوں نے اپنے زمانہ کے اُٹھتے ہوئے فتنوں کی جو نشاندہی کی تھی اور اُن کا جو توڑ بتایا تھا۔ اگر اُن کے زمانہ کے مغل سلاطین اور اُمراء اُس کو ملحوظ رکھتے تو وہ زوال آفریں اور نکبت خیز حالات ہندوستان میں پیدا نہ ہوتے، جو مغلیہ سلطنت کے دم توڑنے تک اور اُس کے بعد انگریز کے قبضہ واقتدار کے استبدادی دور میں رونما ہوئے۔ اور جو آزادی ملنے کے بعد بھی آج جمہوری قبا میں آشکارا ہیں۔

مسلم ممالک ہوں، یا غیر مسلم، جمہوری حکومتیں ہوں یا شخصی۔ عرب ہو یا مصر، ہندوستان ہو یا پاکستان، سب ملکوں اور اُن کے سربراہوں کیلئے حضرت شاہ صاحبؒ کی تعلیمات و نظریات میں فلاح وبہبودی مضمر ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی محفل سے اُن کو فرمانروائی اور تدبیر ملک نیز سیاست مدن کے وہ نقشے آج بھی مل سکتے ہیں جن کے اُجاگر ہونے پر امن وراحت۔ عدل وانصاف۔ تواضع وایثار۔ خدمت خلق اور غربا پروری کا ہر چہار طرف رواج ہوجائے۔ اور جمہوریت میں ایک تازہ رونق آجائے۔ جارحیت کی بھوک کم ہو

ہوس اقتدار نیز حوصلہ ظلم مائل بہ پستی ہوجائے۔ خونریز لڑائیوں، بری و بحری اور فضائی حملوں، سفاکیوں اور ہلاکت خیزیوں سے دنیا کو امن حاصل ہو اور یہ انسانیت کو تباہ کرنے والے جنگی بادل چھٹ جائیں، جو ایٹمی طاقت اور جدید بربادکن اسلحہ کے جلو میں فضائے کائنات پر تھوڑے تھوڑے وقفے سے نمودار ہوتے رہتے ہیں!

حضرت شاہ صاحبؒ کے بعد اُن کے فکر کی بنیادوں پر جن تعلیم گاہوں، اور خانقاہوں کا قیام ہوا ہے، وہ تمام دنیا کے سامنے روشن مناروں کی حیثیت سے جلوہ گر ہیں۔

دارالعلوم دیوبند ہو یا مظاہر علوم سہارنپور۔ دلی و لکھنؤ۔ امروہہ و مرادآباد۔ دیوبند و میرٹھ کی اسلامی درسگاہیں ہوں، یا ہندوستان کے دیگر صحیح طرز فکر والے علمی ادارے نگینہ و رائے پور۔ تھانہ بھون اور الہ آباد کی خانقاہیں ہوں یا دیگر اصلاحی و تبلیغی مراکز اور زاویے ــــ سب کے سب اُن تعلیمی و روحانی مساعی جمیلہ کے ممنون ہیں، جو حضرت شاہ صاحبؒ اور اُن کے مکتب فکر کے متوسلین سے بروئے کار آئی ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے خاندان سے سرسیّد مرحوم کے عقیدتمندانہ تعلقات کے پیش نظر، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا بھی یک گونہ تعلق، ولی اللٰہی تعلیمی سرگرمیوں سے ہوتا ہے۔ بلکہ ٹھیک وہاں کے ماحول میں دینی پابندی اور حکمت ایمانی کے دوش بدوش دنیاوی علوم اور جدید مفید فنون میں کمالات پیدا کرنے کی فضا پیدا کی جائے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے فیوض و برکات جو آج بھی پوری تابانی کے ساتھ جلوہ افروز ہیں، کہاں تک شمار کروں۔ بس اس شعر پر اکتفا کرتا ہوں۔

یک چراغ ست دریں بزم کہ از پرتو آن
ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

حضرت شاہ صاحبؒ کی اکثر و بیشتر تصانیف بحمد اللہ دستیاب ہو سکتی ہیں۔ اور اُن تصنیفات کے اندر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور اُن کی فکر و نظر کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے ۔ لیکن اُن کی ایسی سوانح عمری اب تک مرتب نہیں ہوئی، جو اُن کے پورے حالات و کمالات کی آئینہ دار ہو۔

رحیم بخش صاحب دہلوی مرحوم نے حیاتِ ولی ضرور لکھی ہے ۔ لیکن وہ زیادہ تر انفاس العارفین کا ترجمہ اور آبائی و خاندانی حالات کا مجموعہ ہے ۔ شاہ صاحبؒ کی کتاب زندگی کے بہت سے گوشے اس میں درج ہونے سے رہ گئے ہیں۔

اب سے ساٹھ ستر سال پیشتر بھی خالص سوانح کا کام ہو جاتا تو بہت کچھ مواد مل سکتا تھا۔ مگر اب جتنا زمانہ گزر رہا ہے ، وہ دستاویزیں ، بیاضیں ، اور قلمی نوشتے ضائع ہوتے جا رہے ہیں ۔ جن سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مزید حالات اور خدمات کا پتہ چلتا ۔

القول الجلی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں اُن کے ماموں زاد بھائی اور خلیفہ مجاز شاہ محمد عاشق پھلتیؒ نے لکھی تھی ——— مدت سے اس کی تلاش ہے ، مگر آج تک وہ کہیں دیکھنے کو نہ مل سکی۔

پھلت ضلع مظفر نگر جو حضرت شاہ صاحبؒ کی ننہیال ، پیدائش گاہ ، اور شاہ محمد عاشق رحؒ کا وطن ہے ، وہاں بھی اس کتاب کا پتہ نہ چل سکا ۔ بعد کو ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہم العالی سے معلوم ہوا کہ خانقاہ کاکوری کے

کتب خانہ میں اسکا ایک نسخہ موجود ہے۔ ـــــــــ اگر یہ کتاب شائع ہو کر منظر عام پر آجائے، تو حضرت شاہ صاحبؒ کے سوانح پر مزید روشنی پڑ سکتی ہے۔
حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا اہم مجموعہ احقر کو دستیاب ہوا ہے جس کو ترجمہ کر کے مرتب کرنے کا ارادہ ہے۔ اس سے بھی انشاء اللہ تعالیٰ سوانح حضرت شاہ صاحبؒ کے بہت سے گوشے واضح ہوں گے۔

مجھے بڑی مسرت ہے کہ محترم المقام مولانا عبدالقیوم صاحب مظاہری زید مجدہم نے حضرت شاہ صاحبؒ پر یہ قابل قدر کتاب لکھی ہے۔ وہ جواں سال، محنتی اور صالح عالم ہیں، جامعۂ اسلامیہ کانپور میں مدرس ہیں۔ اُنہوں نے انتہائی محنت سے مختلف کتابوں سے ضروری مواد اخذ کر کے، ایک خاص ترتیب کے ساتھ، ایک اچھا خاصہ عطر مجموعہ تیار کر دیا ہے۔

یہ کتاب اُن کی سعیٔ قلم کا نقشِ اوّل ہے۔ مگر اس کے مطالعہ سے، ان کے مستقبل کے متعلق بہت کچھ اچھی توقعات قائم ہو گئی ہیں۔ ـــــ میں نے اس کتاب کا مسودہ دیکھا ہے، لیکن کم فرصتی کے عالم میں سرسری طریقے پر ـــــ میں نے اُن کو اپنی محدود معلومات کے تحت چند مشورے بھی دیے ہیں۔ اسی ایڈیشن میں یا اگلے ایڈیشن میں اُن مشوروں پر بھی عملدرآمد ہو جائے تو ناقدین کی تیز نگاہی اور آہنی گرفت سے بہت کچھ حفاظت ہو جائے گی۔

ہر تصنیف و تالیف میں، بمقتضائے بشریت، کچھ خامیاں اور اغلاط رہ جاتی ہیں۔ اگر انصاف و ہمدردی کے ساتھ اہل علم اور اہل قلم حضرات ان خامیوں کو نشاندہی کریں گے تو اُن کے قبول کرنے میں مولانا کو غالباً کوئی عذر نہ ہو گا۔ اگلے ایڈیشن میں

اُن کا ازالہ کر دیا جائے گا۔
مجھے اُمید ہے کہ مجموعی حیثیت سے اہلِ علم حضرات مؤلف کی اس مبارک کوشش کو قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔
مولانا کتاب لکھ چکے، تو مقدمہ کے لئے احقر کو تجویز کیا۔ اس تجویز میں، مولانا قمر الدین صاحب مظاہری مدیر ماہنامہ "نظام" کانپور کی شمولیت بھی تھی،
اس بات سے تو مجھے خوشی ہوئی کہ انہوں نے اس اہم کتاب کے مطالعہ اور اُس کی مقدمہ نگاری کی سعادت حاصل کرنے کا مجھے موقع دیا۔ گو یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ انتخاب کسی طرح صحیح نہیں تھا۔ اس کام کے لئے اور بہت سے قابل اور اہلِ نظر حضرات موجود تھے۔
اگر کسی ایسے اہلِ قلم سے مقدمہ لکھوایا جاتا، جو حضرت شاہ صاحبؒ کی تصنیفات اور حالات سے پوری آگاہی رکھتا ہو تو اچھا ہوتا۔ اور معلومات میں مزید اضافے کی راہ پیدا ہو جاتی۔ میں تو بزرگوں کا فقط نام لیوا ہوں۔ نہ معلوم کیوں احباب کو یہ گمان ہے کہ میں بزرگوں کی کتابوں اور اُن کی سوانح سے بھی پوری پوری واقفیت رکھتا ہوں۔ اتنا تجربہ تو ان حضرات کو ہو گیا ہوگا کہ میں کتنا سست قلم ہوں اور ذرا سے کام کے لئے میں نے اُن کو کس قدر انتظار کی زحمت میں مبتلا کیا۔
اگر مقدمہ ہوتا، تو کچھ ڈھنگ کا ہوتا۔ کچھ کام کی باتیں ہوتیں۔ کچھ علمی گفتگو ہوتی۔ مگر میں تو کم علمی کے ساتھ معدوم الفرصت بھی ہوں۔ بہت سے مشاغل کے ہمراہ ضعفِ بصر کا عارضہ بھی لاحق ہے۔ بنا بریں کچھ زیادہ لکھنے سے معذور ہوں۔
البتہ اتنی بات لکھنا اور کہنا ہے کہ صحیح فکر و نظر رکھنے والے ہمارے مدارسِ دینیہ

میں اگر متوسط و منتہی طلبا کو حضرت شاہ صاحبؒ کے نظریات سے اہتمام کے ساتھ واقف کرایا جائے گا تو یہ ایک اہم اور مفید کام ہوگا۔ اور اس سے اچھے نتائج برآمد ہوں گے ـــــ حضرت شاہ صاحبؒ کی چند جامع تصنیفات باقاعدہ پڑھائی جائیں اور ساتھ ہی ساتھ اُن کی کچھ کتابوں کا مطالعہ بھی لازم کیا جائے۔ نیز فراغت کے بعد بھی اساتذہ کی نگرانی میں، ذہین اور ذی استعداد طلبا سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف پر کام کرایا جائے۔ اگر یہ کوشش ہوئی تو ہمارے مدارس اور خانقاہوں میں ایک بہار تازہ آجائے گی۔

حضرت شاہ صاحبؒ سے ربط پیدا ہونے پر طلبا کا دینی شعور بیدار ہوگا، دینی بصیرت بڑھے گی اور عوام کے اندر دین کا کام، حکمت و بالغ نظری سے کرسکیں گے۔

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اس کام کا نقشہ، جمعیۃ الانصار قائم کر کے بنایا تھا۔ مگر اُس پر ابھی تک پورا پورا عمل نہیں ہوسکا۔ آج جبکہ ہمارے درمیان سے حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانویؒ، حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ، حضرت مولانا سندھیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ وغیرہم اکابر، جو سلسلۂ ولی اللہی کے باکمال اور ذمہ دار متوسل تھے، ربع صدی کے اندر اندر یکے بعد دیگرے رخصت ہو چکے ہیں، ہمیں اپنے موجودہ اہل علم اکابر کی رہنمائی میں اس کام کو پوری قوت اور مستعدی کے ساتھ انجام دینا چاہیے۔

میں جب دیکھتا اور سنتا ہوں کہ یورپ اور امریکہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی شخصیت اور انکی کتابوں پر غور و خوض کیا جارہا ہے اور مستقل طور پر تحقیقی کام ہو رہا ہے

تو سخت افسوس کے ساتھ احساس ہوتا ہے کہ ہمارے بہت سے دینی مدارس میں حضرت شاہ صاحبؒ کی کتابوں سے اور اُنکی خدمات سے غفلت برتی جارہی ہے۔

پروفیسر خلیق نظامی سلمۂ نے اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ یورپ اور امریکہ میں حضرت شاہ صاحبؒ پر حسب ذیل کام ہوا ہے۔

۱۔ شاہ ولی اللہ پر آکسفورڈ میں ڈاکٹر ہالی پوتہ نے چند سال ہوئے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لی ہے۔ اُنہوں نے مشہور مستشرق پروفیسر گب کی زیر نگرانی کام کیا تھا۔ ڈاکٹر ہالی پوتہ اب ادارۂ الرحیم سے کچھ تعلق رکھتے ہیں۔ اور سندھ یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر ہیں۔

۲۔ امریکہ میں دو مسلمان مسعود غزنوی اور عبدالحفیظ ملک شاہ صاحب پر کام کر رہے ہیں۔

۳۔ یورپ میں ایک انگریز ڈاکٹر بالجان شاہ صاحب پر کام کر رہا ہے وہ ہالینڈ کی یونیورسٹی میں پروفیسر ہے۔ تفسیر پر اسکی ایک کتاب انگریزی میں چھپ چکی ہے۔

آخر میں کارکنان ادارۂ معارف ملی کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اُنھوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک اہم کام انجام دیا۔ اور دعا بھی کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اس ادارے کو اور اسکی تالیفات کو کامیابی عطا فرمائے۔ اور اس کے معاونین اور کارکنوں کو صحت و عافیت سے رکھے۔ آمین

نسیم احمد فریدی امروہی غفرلہٗ
مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ واقع جامع مسجد امروہہ
۱۲ رجمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۹۶۶ء
یوم السبت

تعارف وتأثر

مولانا قمرالدین مظاہری

مولانا عبدالقیوم مظاہری سے میری پہلی ملاقات، اُس وقت ہوئی تھی، جب میں دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھا۔ اور وہاں سے اپنے اساتذہ واکابر کی زیارت کے لئے مظاہر علوم[1] سہارنپور آیا ہوا تھا

وہاں مجھے ایک ایسے طالبعلم سے ملاقات کرکے بہت مسرت ہوئی جو پرکشش شخصیت کا حامل تھا، جس کے چشم وابرو اور پیشانی پر ذہانت وفطانت اور وسیع النظری کا نور چمک رہا تھا۔

اس مختصر سی ملاقات میں کوئی خاص علمی گفتگو تو نہیں ہوئی البتہ اس ملاقات کا نقش ذہن وحافظہ پر بعد تک قائم رہا۔

---

[1] دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے سے قبل مظاہر علوم میں بھی تعلیم حاصل کی تھی اسلئے اس ادارہ سے بھی بے پناہ محبت تھی اور اب بھی ہے ۱۲۔ ق۔۔

اس کے بعد میں ایک مہلک بیماری میں گرفتار رہا اسلئے دارالعلوم سے تعلیم ترک کر کے واپس کانپور آگیا۔

اللہ تعالیٰ نے میرے لئے سیّدی و مولائی مرشدی حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی دامت فیوضہم کو روحانی اور جسمانی شفا کا پیغام لے کر کانپور بھیجا۔ میں اپنی تعلیم کی تکمیل سے تقریباً نا اُمید ہو چکا تھا۔ میرے مرض کے بارہ میں بھی لوگوں کے خیالات یاس انگیز تھے۔

حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم نے کانپور تشریف لا کر مجھے دوبارہ تعلیمی مشاغل میں لگایا۔ اور شفقت و محبت، اور ہمہ تن ایثار بن کر، مجھے حدیث پڑھا کر سند فراغت عطا فرمائی۔ اور اسکے بعد جسمانی اور روحانی شفا کے لئے پورے انہماک کیساتھ مصروف توجہ و دعا ہے۔

مجھے اس کی حسرت ہمیشہ رہے گی کہ میں اپنی بدقسمتی اور نالائقی سے روحانی فیوض و برکات سے پورے طور پر بہرہ اندوز نہ ہو سکا۔ مجھے یقین ہے کہ اسمیں نقصان حضرت اقدس کی توجہ اور کمال باطنی کا نہیں، اپنی نالائقی اور معصیت پسند طبیعت کا ہے ـــــ بنجر زمین میں باران رحمت کے رشحات اگر سبزۂ و سنبل نہ اُگائیں تو قصور بارش کا کیا ہے؟ قصور تو اُس زمین کا ہے جس نے باران رحمت کو اپنے سینہ میں جذب ہی نہیں کیا، ورنہ جو حصّہ ارض جو ہر قابل تھا وہ باران رحمت کے فیوض و برکات سے خوب خوب فیضیاب ہوا۔ اور اُسنے گل و گلزار بن کر پوری فضا کو معطر بنا دیا۔

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اس کے باوجود حضرت اقدس کی توجہ اور دعا کی برکت سے مجھے اللہ نے جسمانی شفا عنایت فرمادی۔ میں صحتیاب ہوگیا۔ حضرت مفتی صاحب نے میری صحت یابی کے بعد مجھے ازدواجی رشتہ میں بھی، پوری جدوجہد کرکے، منسلک کرادیا۔

اس کے بعد حضرت اقدس کانپور کے پورے ماحول اور فضا کو محزون ومغموم بنا کر دارالعلوم دیوبند کے اہم ترین شعبہ دارالافتا میں بحیثیت نگران اعلیٰ منتقل ہوگئے۔

اب میں اپنی زندگی اور حضرت اقدس کی کانپور تشریف آوری کے رمز پر غور کرتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے، گویا حضرت اقدس کانپور کی سرزمین میں، منجانب حکیم مطلق، بھیجے ہی گئے تھے میرے لئے ــــ!

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اگر حضرت اقدس کانپور نہ آتے تو نہ میں شفاء جسمانی کی نعمت سے بہرہ اندوز ہوتا، نہ "نظام" کا مدیر ہوتا۔ اور نہ علم ودین سے کوئی شغف ہوتا اور نہ آج رفیق محترم مولانا عبدالقیوم مظاہری کے اس تعارف کا شرف حاصل کرپاتا۔

حضرت اقدس مفتی صاحب دامت برکاتہم کی شخصیت کانپور میں مجمع البحرین نہیں، بلکہ "مجمع البحار" تھی۔ ہر چہار سو سے خورد وکلاں، رؤسا وغربا، علما، اور عوام حضرت اقدس کی خدمت میں روزانہ حاضر ہوتے تھے اور جسمیں جتنا ظرف ہوتا تھا، وہ اتنا فیضیاب ہوکر واپس لوٹتا تھا۔

ایک دن ــــ میں نے انھیں آنے جانے والوں میں، مولانا عبدالقیوم مظاہری کو بھی دیکھا۔ میری یادوں کے تار بجنے لگے۔ اور مظاہر علوم کے جو نقوش مدھم پڑچکے تھے وہ تازہ ہوگئے۔ مولانا سے مظاہر علوم کی ایک رسمی ملاقات کی یاد تازہ ہوگئی۔

مولانا عبدالقیوم حضرت اقدس کی خدمت میں برابر آتے رہے اور حضرت اقدس

کی وساطت سے میں مولانا کے قریب ہوتا چلا گیا۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ جس قدر زیادہ مولانا کے قریب ہوتا گیا، اُتنا ہی مولانا مظاہری کی ذہانت، علمی قابلیت اور اُن کی صلاحیتیں اُجاگر ہوتی چلی گئیں۔

مولانا عبدالقیوم مظاہری ضلع بارہ بنکی کے قصبہ رام پور میں ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی عربی تعلیم کانپور کے مدرسہ جامعہ اسلامیہ تلی بازار میں حضرت مولانا ظفرالدین احمد صاحب اور مولانا عبدالحی صاحب قاسمی سے حاصل کی۔ اس کے بعد آپ مظاہر علوم تشریف لے گئے۔ وہاں مولانا کو حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت فیوضہم حضرت مولانا اسعداللہ صاحب (حال ناظم مدرسہ مظاہر علوم) حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحبؒ مفتی اعظم مظاہر علوم حضرت مولانا منظور احمد صاحب مدظلہ، حضرت مولانا امیر احمد صاحبؒ اور مولانا ظہورالحق صاحبؒ سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔

مولانا ۱۹۵۵ء میں تعلیم سے فارغ ہو کر اپنی مادر علمی جامعہ اسلامیہ کانپور میں بحیثیت مدرس تشریف لائے چنانچہ اس وقت سے اب تک اسی خدمت درس و تدریس میں بڑی دلجمعی کے ساتھ منہمک ہیں۔

مولانا راہ سلوک و تصوف کے بھی رہرو ہیں۔ اور ان کے اس راہ کے رہبر و شیخ ملک کی مشہور ہستی شیخ المشائخ سیدنا حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی دامت فیوضہم ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ، ادب و زبان کا ذوق بھی، گویا مولانا کی فطرت میں داخل ہے۔ وہ بے پناہ ذہانت کے مالک ہیں تحقیق و علم سے کافی گھرا لگاؤ ہونے کے باوجود، مزاج

میں خشکی نے جگہ نہیں بنائی ہے۔ بہت ہی خوش مزاج، بلند اخلاق، اور نکتہ سنج ہیں۔

"الامام شاہ ولی اللہ" مولانا موصوف کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ اس لحاظ سے اہلِ تحقیق ممکن ہے اس میں کوئی کمی محسوس کریں۔ لیکن اس نقشِ اوّل سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نوجوان عالم میں اللہ نے کتنی صلاحیتیں ودیعت کی ہیں:

مجھے خوشی ہے کہ ادارۂ معارفِ ملی کے لئے مجھے ایک ایسا باصلاحیت رفیق مل گیا جس پر ادارہ بجا طور پر فخر کر سکتا ہے ـــــ انہوں نے ادارۂ معارفِ ملی کی ذمہ داری سنبھال لی۔ یہ نہ صرف مجھ پر بلکہ پوری ملت پر ان کا احسان ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ ان کی علمی و عملی صلاحیتوں کے سائے میں ادارۂ معارفِ ملی دن بدن بیش از بیش ترقی کی منزلیں طے کرتا رہے گا۔

قمرالدین مظاہری
دبیر نظامؔ کانپور
۱۵ اگست ۱۹۹۶ء

الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

شاہ ولی اللہؒ کے ہمعصر

سلاطین مغلیہ

حضرت شاہ ولی اللہ کی ولادت ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۳ء میں اور وفات ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء میں ہوئی۔ اس مدت میں مندرجۂ ذیل شاہان مغلیہ سریر آرائے حکومت ہوئے۔

۱. اورنگ زیب عالمگیر	۱۶۵۸ء	۱۷۰۷ء
۲. بہادر شاہ اول	۱۷۰۷ء	۱۷۱۲ء
۳. معز الدین جہاندار شاہ	۱۷۱۲ء	۱۷۱۳ء
۴. فرخ سیر	۱۷۱۳ء	۱۷۱۹ء
۵. نیکوسیر	۱۷۱۹ء	
۶. رفیع الدرجات	۱۷۱۹ء	
۷. رفیع الدولہ		
۸. محمد شاہ	۱۷۱۹ء	۱۷۴۸ء
۹. احمد شاہ	۱۷۴۸ء	۱۷۵۴ء
۱۰. عالمگیر ثانی	۱۷۵۴ء	۱۷۵۹ء
۱۱. شاہ عالم	۱۷۵۹ء	۱۸۰۶ء

نام ونسب

نام احمد نام، ابوالفیاض کنیت ولی اللہ عرف، بشارتی نام قطب الدین اور تاریخی نام عظیم الدین مشہور ہے آپ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب ایک بار حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر تشریف لے گئے تو حضرت خواجہؒ نے آپ کو بشارت دی کہ تمہاری پشت سے عنقریب ایک بچہ پیدا ہونیوالا ہے جس کا نام تم میرے نام پر قطب الدین رکھنا [1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک روز اپنے والد ماجد سے دریافت فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ عالم ارواح میں آپ کی کنیت ابوالفیض مشہور ہے انھوں نے ارشاد فرمایا کہ ٹھیک ہے اور وہاں تمہاری کنیت ابوالفیاض مشہور ہے۔

نسب آپ کا سلسلۂ نسب والد ماجد کی طرف سے امیر المومنین حضرت فاروق اعظم، عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے تینتیسویں [۳۳] پشت میں جا کر ملجاتا ہے اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ پر جا کر منتہی ہوتا ہے اس لحاظ سے آپ نسباً فاروقی اور نسلاً خالص عربی ہیں۔

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

---

[1] تفہیمات ج ۲ ص ۱۵۴

ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم بن وجیہ الدین شہید بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قازن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف بدھا بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر والحاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما[۱]

ولادت باسعادت

آپ کی ولادت باسعادت حضرت مجدد الف ثانیؒ کی وفات کے اسّی سال بعد اور حضرت ابو مظفر محی الدین، عالمگیرؒ کی وفات سے چار سال قبل ۴ر شوال المکرم ۱۱۱۴ھ ۱۷۰۳ء بروز چہار شنبہ (بدھ) بوقت طلوع آفتاب، آپ کے ننہال قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر میں ہوئی[۲]

بشارات وکرامات

آپ کی ولادت سے پہلے آپ کے والد ماجد کو ایک ہونہار اور بلند اقبال لڑکا پیدا ہونے کی متعدد بشارتیں ملی تھیں۔ خود آپ کا بیان ہے کہ میرے والدین (قدس اللہ اسرارہما) اور صالحین کی ایک بڑی جماعت نے اس فقیر کے متعلق، پیدائش سے پہلے اور اس کے بعد بعض بشارتیں پائیں[۳]۔ چنانچہ ایک عزیز ترین بھائی اور خاص دوست نے ان واقعات کی تفصیل دوسرے واقعات کے ساتھ ایک رسالہ میں قلم بند کی ہے اور اس رسالہ کا نام "القول الجلی[۴]" رکھا ہے۔

---

[۱] مجربات خاندان عزیزیہ مرتبہ مولانا ظہیر الدین سید احمد نبیرہ شاہ رفیع الدین دہلویؒ [۲] الارشاد مہمات علم الاسناد۔ پھلت میں آج بھی وہ کمرہ محفوظ و مقفل ہے جس میں شاہ صاحب کی ولادت ہوئی تھی۔

[۳] الجزء اللطیف فی ترجمۃ عبد الضعیف شاہ صاحب کی خود نوشت سوانح حیات [۴] حضرت شاہ صاحب کے متعلق یہ ایک اہم دستاویز تھی جسے آپ کے ماموں زاد بھائی اور خلیفۂ خاص شیخ محمد عاشق پھلتی نے مرتب کیا تھا۔ آج نایاب ہے

ایک روز آپ کے والد شاہ عبدالرحیم اور آپ کی والدہ دونوں تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے نماز کے بعد شاہ عبدالرحیم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور اہلیہ سے فرمایا کہ تم آمین کہتی جانا۔ اثنا دعا میں دو ہاتھ اور ظاہر ہوئے شاہ عبدالرحیم صاحب نے اپنی اہلیہ سے کہا یہ دونوں ہاتھ ہمارے اس لڑکے کے ہیں جو عنقریب عالم وجود میں آنے والا ہے[1]۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالرحیم نے محض شاہ ولی اللہؒ کی تمنا میں ساٹھ سال کی عمر میں کسی غیبی اشارہ کے تحت دوسری شادی کی تھی بعض لوگوں نے اس پر کہا بھی "دریں عمر کدخدائی مناسب نبود" اس عمر میں شادی کرنا مناسب نہ تھا۔ لیکن شاہ عبدالرحیم نے سنکر فرمایا "مدت دراز از عمر من باقی است و فرزندان بوجود خواہند آمد" کہ میری عمر کا کافی حصہ ابھی باقی ہے اور انشاءاللہ چند لڑکے ابھی اور پیدا ہوں گے[2]۔

چنانچہ شادی کے بعد شاہ عبدالرحیم سترہ سال زندہ رہے اور دو صاحبزادے شاہ ولی اللہ اور شاہ اہل اللہ پیدا ہوئے آپ کی شیر خوارگی کے بعد آپ کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک عجیب شکل و صورت کا پرندہ شیخ عبدالرحیم کے پاس آیا اسکی چونچ میں ایک کاغذ کا پرزہ تھا جس میں یہ لکھا ہوا تھا۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ پھر دوسرا پرندہ آیا۔ اس کی چونچ میں بھی ایک کاغذ کا پرزہ تھا جس میں سنہرے حرفوں سے لکھا ہوا تھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لو کان النبوۃ بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ممکنا لجعلناک نبیا ولکنہا انقطعت بہ ۔ یعنی محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اگر نبوت ممکن ہوتی

---

[1] انفاس العارفین۔ [2] شاہ عبدالرحیم کی پہلی شادی شروع میں ہوئی ان سے ایک صاحبزادے صلاح الدین ہوئے ان سے اولاد نہیں چلی دوسری شادی پھلت میں ہوئی

توہم آپ کو نبی بنا دیتے۔ مگر آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم پر یہ سلسلہ ختم ہو چکا ہے آپ کی والدہ صاحبہ کا خیال تھا کہ اس بشارت کے مصداق خود شاہ عبدالرحیم ہیں لیکن حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے "اس خواب کی یہ تعبیر دی کہ تمہارا لڑکا ولی ہوگا۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد شاہ عبدالرحیمؒ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب تم شکم مادر میں تھے، ایک سائلہ آئی اور اس نے اللہ کے نام پر کچھ طلب کیا گھر میں ایک روٹی تھی میں نے اس کے دو حصے کر کے ایک حصہ سائلہ کو دے دیا۔ وہ واپس ہونے لگی تو تم نے مجھ سے کہا حالانکہ اس وقت تم شکم مادر ہی میں تھے کہ اللہ پاک کے نام پر مانگنے والے کو نصف روٹی دینا اور نصف بچا لینا مناسب نہیں ہے۔ لہذا میں نے اس سائلہ کو واپس بلا کر باقی آدھی روٹی بھی دیدی۔[2]

---

[1] تفہیمات ج ۲ ص ۱۵۴   [2] تفہیمات ج ۲ ص ۱۷۹

خاندان

حضرت شاہ صاحبؒ کے شجرہ نسب کو دیکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ نسلاً خالص عرب تھے۔ لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کے آباؤ اجداد نے، ملک عرب، کب اور کن حالات کی بنا پر چھوڑا؟ تاریخ کی کتابیں اس سے خاموش ہیں البتہ نسب نامہ کے، ہمایوں ہرجیس شہریار، جیسے خالص عجمی ناموں سے یہ گمان ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پانچ چھ پشتوں کے بعد اس خاندان نے ملک عرب کی سکونت ترک کر دی تھی۔

اس خاندان کے جو بزرگ سب سے پہلے ہندوستان تشریف لائے ان کا نام شمس الدین مفتی تھا۔ ان کو افتاء کے کام کے واسطے یمن سے شاہی اعزاز و اکرام کے ساتھ بلوایا گیا تھا[1] صاحب حیات ولی کا خیال ہے کہ وہ[2] عرب سے ہندوستان آئے جس پر انھوں نے کوئی تاریخی ثبوت نہیں پیش کیا ہے ہمارے خیال میں یہ صاحب حیات ولی کا محض ظن و قیاس ہے کیونکہ سلسلۂ نسب کے جن ناموں کو ہم نے بنیا و بنا کر ان کے عجم میں سکونت پذیر ہونے پر استدلال کیا ہے وہ شمس الدین مفتی سے بہت پہلے گزر چکے تھے۔

رہتک میں سکونت! شمس الدین مفتی نے ہندوستان میں رہتک کو اپنا وطن بنایا رہتک دہلی سے پچھم کی سمت کوئی تیس[3] میل پر واقع ہے اس میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں

---

[1] مقالات طریقت ص ۲۸ [2] حیات ولی ص ۲

جو کسی معزز نووارد کو اپنا وطن بنا لینے کی دعوت دے سکتی ہیں۔

جس زمانہ میں شمس الدین مفتی نے رہتک کو وطن بنایا تھا اس زمانہ میں اس کو جو عروج اور ترقی حاصل تھی، ہندوستان کے کسی اور شہر کو بہت کم نصیب تھی صوبہ بھر میں کوئی شہر ایسا نہ تھا جو وسعتِ آبادی اور سرسبزی و شادابی میں اسکے ہمسر ہوتا اس کے میدان نہایت وسیع اور خوش منظر و پرفضا تھے اس کے چاروں سمت نہایت زرخیز مقامات تھے وہاں کے باشندے بڑے پروقار اور ممتاز تھے۔ ہر قسم کے باکمال اور اہل ہنر موجود تھے۔ اور لطف کی بات یہ تھی کہ سب لوگ خوش حال اور دولت مند تھے۔ دوکاندار پیشہ ورحتی کہ قلی اور مزدور خوش وضع اور پاکیزہ لباس تھے۔ آس پاس کی زمینیں نہایت سیر حاصل تھیں اور خود رہتک تجارت و فلاحت کا بڑا مرکز تھا۔ آب و ہوا کے اعتدال اور مذہبی مصلحتوں کے اعتبار سے یہ جگہ نہایت موزوں تھی[1] شمس الدین مفتی حدیث و تفسیر میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ فقہ میں ان کی بصیرت اور لیاقت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ شاہ ہند نے افتاء کے کام کے لئے غیر ملک سے ان کو بلوایا تھا اس کے علاوہ رموز تصوف و سلوک سے خوب واقف تھے۔ صاحب تصرف و کرامت بزرگ تھے۔ اور غالب گمان یہ ہے کہ خانوادۂ چشتیہ کے مشائخ میں سے تھے۔ بہت سے غیر مسلمین آپ کی تعلیم اور توجہ سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

شمس الدین مفتی کی کرامت

جب وفات کا وقت قریب ہوا تو اپنی اولاد کو جمع کر کے وصیت فرمائی کہ جب میری روح پرواز کر جائے تو تجہیز و تکفین اس طریقہ سے کی جائے جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

---

[1] حیات ولی ص۔۔

کی سنت مطہرہ سے ثابت ہے اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی جائے پھر میرا جنازہ مسجد کے فلاں حصہ میں جو میری خاص عبادت گاہ ہے رکھ دیا جائے اور سارے لوگ وہاں سے ہٹ جائیں۔ کچھ دیر کے لئے وہ مقام خالی کر دیں بعد ازاں اگر میری نعش پائی جائے تو دفن کر دی جائے ورنہ اپنے اپنے گھر واپس چلے جائیں اور کسی قسم کا تردد نہ کریں۔

انتقال کے بعد لوگوں نے حسب وصیت مسجد کے ایک گوشہ میں جنازہ رکھکر مسجد کو خالی کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد دیکھا تو وہاں جنازہ کا نام ونشان تک نہ پایا۔ لوگوں کو بڑا تعجب ہوا اور واپس ہو گئے[1]

مدرسہ کی بنیاد رہتک میں آپ نے ایک دینی مدرسہ کی بنیاد بھی رکھی تھی جس سے آپ کی غرض یہ تھی کہ ظلمت کدۂ ہند میں زیادہ سے زیادہ نور اسلام پھیلے۔ مدرسہ گو بڑے پیمانہ پر نہ چل سکا لیکن اس کے محدود وسائل کو دیکھتے ہوئے بجا طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مفتی صاحب بتدریج اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے خلق خدا نے اس سے کافی استفادہ کیا۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے شیخ کمال الدین نے اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ شمس الدین مفتی کا خاندان، جاہ ومرتبت اور عز وشرف کے لحاظ سے ممتاز حیثیت کا مالک تھا عہدۂ قضا جو اس زمانہ میں نہایت اعلیٰ عہدہ تھا اور کسی ایک خاندان کیلئے خاص نہ تھا بلکہ جس خاندان کا کوئی فرد اپنے ظاہری اور باطنی کمالات اور خداداد فہم وبصیرت میں اونچے مقام پر ہوتا وہی اس باعزت عہدے پر فائز کیا جاتا، لیکن اس فاروقی خاندان کو

---

[1] حیات ولی صلا

بجا طور پر یہ شرف حاصل ہوا کہ یہ عہدہ اس کے لئے خاص کر دیا گیا چنانچہ پشتہا پشت تک اس معزز عہدے پر اسی خاندان کے افراد فائز ہوتے رہے لیکن شیخ محمود نے منصب قضا کو ترک کر کے فوجی ملازمت اختیار کرلی۔ شیخ محمود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سے چھٹی پشت میں واقع ہیں انھوں نے اپنی خداداد شجاعت اور حیرت انگیز فطری بہادری میں بڑی شہرت حاصل کی ان کے بعد شیخ احمد[1] شیخ منصور، شیخ معظم نے بھی سپاہیانہ اور سرفروشانہ زندگی کو ترجیح دی۔

شیخ وجیہہ الدین نے عہد شاہجہانی میں فن سپہ گری میں مہارت اور اپنے بلند و پاکیزہ اخلاق کی وجہ سے دربار شاہی میں بڑا مقام حاصل کیا اس خاندان کے سب سے پہلے یہی وہ بزرگ ہیں جنھوں نے رہتک چھوڑ کر دہلی میں مستقل سکونت اختیار فرمائی شیخ وجیہہ الدین شیخ معظم شیخ منصور شیخ احمد کا ذریعہ معاش خود ان کی سرفروشانہ زندگیاں تھیں ان میں سے ہر شخص فن سپہ گری میں یکتائے روزگار رہا ہے اور شیخ محمود سے اوپر شمس الدین مفتی تک کوئی ایسی شخصیت ہم کو نظر نہیں آتی جس نے فن سپہ گری کو اختیار کیا ہو۔

لیکن یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ شمس الدین مفتی کے بعد شاہ عبدالرحیم تک تصوف و سلوک کا دامن اس برگزیدہ خاندان کے ہاتھوں سے نہیں چھوٹا۔ خواہ وہ منصب قضا پر ہوں یا فوج کے سپاہی اور سپہ سالار،

---

[1] ان کی تعلیم و تربیت شیخ عبدالغنی نے کی جب شیخ احمد جوان ہوئے تو انھوں نے ان کا نکاح اپنی لڑکی سے کر دیا۔ شیخ عبدالغنی دور اکبری کے بڑے ذی مرتبت بزرگوں میں سے تھے اکبر ان سے بہت متاثر تھا اور سر دربار بڑی عقیدت سے پیش آتا تھا مگر بعد میں جب اسکے مذہبی رجحانات میں تغیر ہوا تو شیخ سے رنجش ہو گئی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے والد بزرگوار نے انھیں شیخ عبدالغنی سے مسئلہ وحدت الوجود کی تعلیم حاصل کی تھی ۱۲ - (حیات ولی)

البتہ ہم اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتے کہ شاہ عبدالرحیم سے پہلے تصوف و سلوک کو ثانوی درجہ حاصل تھا اس خاندان میں حکمت و طبابت کا کام بھی ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں۔

حکمت ہم در خاندان ما معمول بود چنانچہ جد بزرگوار و عم فقیر دوا می کردند والد ماجد موقوف ساختہ	ہمارے خاندان میں حکمت بھی ہوتی تھی چنانچہ دادا صاحب اور چچا دوا کرتے تھے لیکن والد ماجد شاہ صاحبؒ نے اس کو موقوف کر دیا[1]

شاہ وجیہہ الدین

آپ حضرت شاہ صاحبؒ کے جد امجد تھے۔ آپ کے حالات زندگی حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی کتابوں میں جابجا تحریر کئے ہیں۔ آپ ایک پاکباز صوفی ہونے کے علاوہ بہت بڑے بہادر بھی تھے آپ کو فن سپہ گری میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

بہادری

جس زمانہ میں سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کی فوج شاہ شجاع سے برسرپیکار تھی کبرسنی کے باوجود عالمگیر کی جانب سے اس جنگ میں شریک تھے۔ جب شجاع کی فوج نے ہاتھیوں سے حملہ کیا بڑے بڑے بہادر آزمودہ کار فوجیوں کے پیر میدان کارزار سے اکھڑ گئے لیکن یہ شیخ وجیہہ الدین کی بہادری اور بے جگری تھی کہ انھوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر ان زرہ پوش ہاتھیوں پر متعدد حملے کئے اور کئی ہاتھیوں کی سونڈان کی مستک سے الگ کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہاتھی چنگھاڑتے ہوئے پلٹ پڑے اور انھوں نے اپنی ہی فوج کو کچل کر رکھ دیا۔ اسطرح آپ کی جوانمردی اور ہمت نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا

---

[1] ملفوظات ص۲۸

خودداری | بہادری اور خودداری دونوں لازم و ملزوم ہیں جس طرح آپ بڑے بہادر تھے اسی طرح آپ بڑے خوددار بھی تھے۔

ایک بار مشہور و معروف بہادر سید شہاب الدین سے کسی معاملہ میں بات بڑھ گئی آپ نے اپنے ذاتی حسن اخلاق کی بنا پر معاملہ کو رفع دفع کرنا چاہا۔ مگر اس نے شائد اسکو کمزوری پر محمول کیا اور سخت کلامی پر اتر آیا اسکے اس نازیبا اور غیر شریفانہ برتاؤ پر آپ کو طیش آگیا اور اس زور سے ایک طمانچہ رسید کیا کہ وہ بیہوش ہو کر زمین پر دراز ہو گیا۔

اسی طرح ایک موقع پر پے درپے تین راجپوت بہادروں (جو آپس میں سگے بھائی تھے) کو ختم کیا جب اس کی خبران کی ماں کو ہوئی وہ آپ کے پاس آئی اور آپ کو منھ بولا بیٹا بنا لیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ تمام عمر دونوں میں ماں، بیٹے کے تعلقات برقرار رہے اس کی طرف سے وہی شفقت، جو ایک ماں کو اپنے بیٹے سے ہوتی ہے۔ اور آپ کی طرف سے وہی ادب، وہی احترام اور جذبۂ خبرگیری جو ایک سعادت مند بیٹے کو اپنی بوڑھی ماں سے ہوتا ہے حتیٰ کہ شاہ عبدالرحیمؒ بچپن میں اس کے گھر آیا جایا کرتے تھے اور اسے دادی کہتے تھے اور چونکہ ان کی دادی کا انتقال ہو چکا تھا اس لئے اسے اپنی حقیقی دادی سمجھتے تھے۔

شیخ وجیہ الدین نہ صرف ایک کامیاب فوجی بہادر تھے بلکہ علوم دینیہ بالخصوص فقہ میں کمال رکھتے تھے[۱] نیز تقویٰ و پرہیزگاری کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

"شاہ وجیہ الدین بکمال تقویٰ و شجاعت موصوف بود ند" | یعنی شاہ وجیہ الدین شجاعت و پرہیزگاری میں درجۂ کمال تک پہونچے ہوئے تھے۔

---

[۱] حیات ولی ص۲۵

رات کو دو پارے تلاوت کرنیکا معمول تھا سفر و حضر میں کبھی ناغہ نہ ہوتا۔ آخری عمر میں جب نگاہ کمزور ہو گئی تو جلی قلم سے لکھا ہوا کلام پاک حاصل کیا جسے سفر میں بھی ساتھ رکھتے تھے آپ کے متعلق مشہور ہے کہ سفر میں اپنے گھوڑے کو ہمیشہ کھیتوں سے الگ لیکر چلتے تاکہ گھوڑا کسی کی کھیتی میں منھ نہ ڈالے یا اسے پامال نہ کرے۔

اپنے خادموں اور ملازموں حتیٰ کہ گھاس بیچنے والوں سے ایسا نرمی اور انصاف کا معاملہ کرتے جو متقیان زمانہ میں کم پایا جاتا تھا حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ وہ راہِ سلوک میں بھی گامزن ہو گئے تھے اور ان کے حالات میں بہت بلندی آ گئی تھی۔

شہادت

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے والد ماجد کی زبانی، شیخ وجیہ الدین کی شہادت کا واقعہ بڑی تفصیل سے تحریر فرمایا ہے جس کا خلاصہ ہم درج کر رہے ہیں "شہادت سے کچھ روز پہلے حضرت شیخ وجیہ الدینؒ ایک رات تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے خلاف عادت نماز میں اتنا طویل سجدہ کیا کہ ان کے بارے میں شاہ عبدالرحیمؒ کو گمان ہوا کہ شاید ان کی روح پرواز کر گئی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو پوچھنے پر بتایا کہ سجدہ میں مجھ پر بیہوشی کی ایک کیفیت طاری ہوئی جس میں شہیدوں کے حالات پر مجھے مطلع کیا گیا ان کے درجات عالیہ اور بے نہایت اجر و ثواب سے مجھے اس قدر مرعوب ہوئے کہ میں نے اللہ پاک سے الحاح وزاری کے ساتھ اپنی شہادت کی درخواست کی اور اس وقت تک میں نے سجدے سے اپنا سر نہیں اٹھایا جب تک کہ دعا کی اجابت اور قبولیت میرے اوپر منکشف نہ ہو گئی مجھے دکن کی جانب اشارہ ہوا ہے کہ جائے شہادت وہاں ہے۔

شیخ وجیہ الدین اپنی آخری عمر میں فوجی ملازمت کو خیرباد کہہ کر گوشۂ عافیت میں بیٹھ گئے تھے لیکن شہادت کی تمنا میں انھوں نے از سرِ نو سامان سفر فراہم کیا۔ گھوڑا خریدا

اور دکن کی جانب شہادت کی تلاش میں چل پڑے انکا گمان یہ تھا کہ عہدِ عالمگیری کے ایک مشہور غیر مسلم باغی سردار سے مقابلہ ہوگا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ برہان پور پہونچکر آپ پر منکشف ہوا کہ موقعۂ شہادت پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ برہانپور سے واپس ہوئے اثنائے راہ میں تاجروں کا ایک مختصر سا قافلہ ملا۔ وہ سب نیک اور دیندار معلوم ہوتے تھے۔ آپ اُن کے قافلہ میں شریک ہوگئے۔ قصہ ہندیا پہونچکر دہلی جانے کا ارادہ تھا کہ ایک غیر مسلم بوڑھا نظر آیا جو افتاں وخیزاں چلا آرہا تھا۔ آپ کو اس کے حالِ زار پر ترس آگیا دریافت کیا "کہاں کا قصد ہے" اسنے کہا کہ میں دہلی جارہا ہوں۔ از راہِ کرم آپ نے اس سے کہا کہ "اچھا تم روزانہ کچھ دام خرچ کے لئے ہمارے آدمیوں سے لے لیا کرنا۔ اور راستہ میں کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھانا"

حقیقت میں وہ بوڑھا ڈاکوؤں کا جاسوس تھا۔ جسنے اپنی صورت غریبوں جیسی بنا کر رکھی تھی جب آپ کا قافلہ سرائے نوئزیا پہونچا تو اس جاسوس نے اپنے ساتھیوں کو خبر کردی۔ ڈاکوؤں کا ایک بڑا گروہ سرائے میں داخل ہوا۔ آپ اپنے معمول کے مطابق کلام پاک کی تلاوت میں مشغول تھے۔ ایک ڈاکو نے آگے بڑھکر دریافت کیا "وجیہہ الدین کون ہے؟ جب معلوم ہوا کہ یہ ہیں تو اسنے کہا ہمیں تم سے کچھ نہیں کہنا ہے کیونکہ ہمیں معلوم ہوچکا ہے کہ تمہارے پاس کچھ مال نہیں ہے دوسرے تمنے ہمارے ساتھی کے ساتھ حسن سلوک کیا ہے لیکن یہ تاجر لوگ فلاں، فلاں، قیمتی سامان رکھتے ہیں ہم صرف انہیں کو لوٹیں گے۔

آپ نے اس بات کو گوارہ نہ کیا کہ اپنی آنکھوں کے سامنے ساتھیوں کو لٹتا ہوا دیکھیں۔ آپ پوری ہمت وجوانمردی کے ساتھ ان سے لڑنے کے لئے تیار ہوگئے۔ شجاعت

کے جوہر دکھائے مگر اتنی بڑی جماعت کے مقابلہ میں کیا کر سکتے تھے بالآخر شہید ہوئے۔

آپ کے جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ سر تن سے جدا ہونے کے بعد بھی آپ نے چند کافروں کو قتل کیا۔ آپ کا مزار پھوپال کے متصل موضع دوراہہ کے قبرستان میں ہے اور سر، سرائے کے دروازے پر مدفون ہے۔[۱]

شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کا بیان ہے کہ انکے والد شہادت کے بعد اسی دن شام کو دہلی میں ان کے سامنے متمثل ہوئے تھے یہ بھی انہیں کا بیان ہے کہ میرا ارادہ یہ تھا کہ ان کے جسد کو دہلی منتقل کر دوں لیکن انھوں نے متمثل ہو کر منع فرما دیا

اولاد

آپ کے تین صاحبزادے تھے شاہ ابوالرضاؒ۔ عبدالحکیمؒ۔ شاہ عبدالرحیمؒ شاہ ابوالرضا تین چار پشتوں کے بعد منقطع النسل ہوگئے۔ اور عبدالحکیمؒ سے کوئی اولاد ہی نہ ہوئی۔ اور شاہ عبدالرحیم سے اولاد چلی۔ جسنے تاریخ ہند میں نہایت بلند اور قابل فخر مقام حاصل کیا۔

شاہ ابوالرضا

آپ شیخ وجیہ الدینؒ کے صاحب زادے اور شاہ عبدالرحیم کے بڑے بھائی تھے آپ ۱۰۲۵ھ یا ۱۰۲۲ھ میں پیدا ہوئے آپ کے حالات انفاس العارفین، نزہتہ الخواطر، حیات ولی وغیرہ کتب کے سیکڑوں صفحات میں پھیلے ہوئے ہیں علاوہ ازیں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے آپ کے حالات میں مستقل ایک رسالہ[۲] قلم بند فرمایا ہے۔

آپ نے عہد شاہجہانی کے جید اور ممتاز عالم حافظ بصیر دہلوی سے تعلیم حاصل

---

[۱] مقالات طریقت ص ۵ ع ۵ اس رسالہ کا نام "شوارق المعرفۃ" ہے۔

کی نیز خواجہ خرد مین خواجہ باقی باللہؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ "فی الحقیقۃ علوم ایشان ہمہ وہبیہ بودند" یعنی ان کے تمام علوم درحقیقت وہبی تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے والد شیخ وجیہ الدین کے حکم سے ایک امیر دولتمند کے یہاں ملازمت کرلی۔ لیکن آپ کا دل ان علائق دینوی سے یکسو ہو کر زاہدانہ زندگی گذارنے کی طرف مائل تھا۔ ملازمت ترک کی اور پوری جمعیت اور فراغ دلی سے مسجد فیروز شاہی کے ایک تنگ تاریک حجرہ میں گوشہ نشین ہوگئے اور پھر یہیں ساری زندگی گذار دی "جب آپ کا خیال متوکلانہ زندگی گذارنے کا ہوا اپنی اہلیہؒ[عـه] سے فرمایا" شریک حیات! ہم نے جس راستہ کو اختیار کیا ہے وہ ایک دشوار گذار راستہ ہے جو تکالیف اس راہ میں جھیلنی پڑیں گی۔ وہ یقیناً نہایت سخت اور دلخراش ہوں گی مگر ہم نے تو اب فیصلہ کرلیا ہے کہ اس راہ کو مصائب اور تکالیف کی وجہ سے ہرگز نہ چھوڑیں گے اب رہا تمھارا معاملہ تو اس کے متعلق یہ ہے کہ ہماری حالت یعنی فقر و درویشی کا خیال کرکے ہر قسم کے دنیاوی عیش و آرام سے نظر پھیر کر اگر ہماری رفاقت منظور ہو تو فبہا ورنہ تمہیں پورا پورا اختیار ہے۔

اس نیکدل اور وفا شعار بیوی نے یہ سنکر فوراً تمام زیور اتار دیئے اور معمولی قسم کا کپڑا پہن کر آپ کی رفاقت کا عہد کیا اور پھر آخر عمر تک اس کو نبھایا۔

شاہ ابوالرضا پر دو دو، تین تین فاقوں کی نوبت بھی آئی مگر ان کی پرواہ کئے بغیر

عـه یہ محترم خاتون شیخ عبدالاحد نبیرہ حضرت مجدد الف ثانی کی قریبی رشتہ دار تھیں بشوراق ۱۲

اپنے کام میں لگے رہتے امراء و رؤسا سے ہمیشہ کنارہ کش رہتے۔ حتیٰ کہ سلطان عالمگیرؒ نے ملاقات کی خواہش ظاہر کی مگر شرف قبولیت نہ حاصل کر سکا امراء کے ہدایا شاذ و نادر قبول کرتے تھے اس کے برعکس غرباء کے ہدایا جو کہ معمولی ہوا کرتے تھے بڑی خوشی سے قبول کرلیا کرتے کفش دوزی کرنیوالے چکی پیسنے والے۔ محنت مزدوری کرنے والے اگر دو چار پیسے پیش کرتے تو بڑی خوشی اور شرح صدر کے ساتھ قبول فرمالیتے۔

اتباع سنت کا بڑا خیال رکھتے تھے مسجد میں جب بھی داخل ہونے کا ارادہ کرتے ٹھہر جاتے اور پہلے بایاں پیر نکالکر جوتے پر رکھ لیتے پھر دایاں پیر جوتے سے نکالکر مسجد میں داخل کرتے اس سے ان کا مقصد صرف یہ ہوتا کہ دونوں قسم کی حدیثوں پر عمل ہوجائے جن سے یہ طریقہ ماخوذ ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ

حضرت ایشاں چنداں مقید بودند کہ ہیچ ادب و سنت از ایشاں ترک نمی شد الی آخر العمر	یعنی آپ شریعت کے اتنے پابند تھے کہ آخر عمر تک کوئی مستحب عمل اور سنت طریقہ آپ سے ترک نہیں ہوا۔

آپ کے پیر و مرشد کے بارے میں یقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے ویسے آپ کی آمد و رفت حضرت خواجہ خرد بن باقی باللہؒ کی مجلس میں بہت زیادہ رہتی تھی۔ اور آپ پر ان کی خاص توجہ بھی تھی ایک بار خواجہ خردؒ کی مجلس میں ایک بزرگ آئے جو شیخ تاج الدین سنبھلی کے خلیفہ تھے اور سلوک میں مقامات عالیہ پر فائز تھے خواجہ خردؒ نے فرمایا "معرفت کے طالب اور اس کے متلاشی کو چاہئے کہ اس درویش سے تعلق پیدا کرے" آپ بھی مجلس میں موجود تھے۔ آپ کے دل میں تقاضہ ہوا کہ بیعت ہو جائیں، مگر کس وجہ سے بیعت نہ ہو سکے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ فرماتے ہیں "کہ آپ اویسی المشرب تھے یعنی براہ راست

حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم، حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے روحانی فیوض حاصل کئے تھے؛ آپ کے مکتوبات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ذات علمی اعتبار سے جامع معقول ومنقول تھی وحدت الوجود کے قائل تھے اور اس خاص مسئلہ میں آپ کو بڑی بصیرت حاصل تھی۔

آپ کی وفات ۱۷ محرم الحرام سنہ ۱۱۰۱ھ یا ۱۱۰۳ھ بعد نماز عصر ہوئی اور وہلی ہی میں مدفون ہوئے آپ نے اپنے بعد مکتوبات اور ملفوظات کے علاوہ ایک رسالہ اصول لولایۃ لاہل الغایۃ چھوڑا جو آپ کی علمی اور روحانی بلندیوں پر شاہد ہے آپ کے کئی صاحبزادے تھے۔ لیکن ان میں سے صرف ایک صاحبزادے شیخ فخرالعالم کا نام ملتا ہے جو عمر میں سب سے بڑے اور مکتوبات کے جامع تھے۔

شاہ عبدالرحیمؒ

آپ سنہ ۱۰۵٦ھ مطابق سنہ ۱٦۴۴ء میں پیدا ہوئے آپ نے جب ہوش سنبھالا تو سارے گھر کا ماحول دینی اور مذہبی پایا۔ شیخ وجیہ الدین کی پاکبازی اور تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی آپ کے لئے نمونۂ عمل ثابت ہوئی اور شیخ ابوالرضا کی زاہدانہ اور متوکلانہ حیات آپ کے واسطے راہنما اور نشان منزل بنی۔

بچپن ہی سے آپ نیک سیرت اور پاک طینت پائے گئے۔ جب ہوش سنبھالا تو حصول تعلیم میں منہمک ہو گئے۔ چونکہ فطری طور پر ذہین تھے اس لئے مروجہ کتابیں بہت جلد ختم کر لیں۔ انفاس العارفین میں حضرت شاہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ نے فرمایا "میں نے عربی کے ابتدائی رسائل سے لیکر شرح عقائد اور حاشیہ خیالی تک کی جملہ کتب اپنے بھائی شیخ ابوالرضا محمد دہلوی سے پڑھی ہیں اور چند دیگر کتب میرزا زاہد ہروی سے تعلیم کے سلسلہ میں آپ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ جو پڑھتے اسکو خوب سمجھکر

پڑھتے اگرکسی وجہ سے طبیعت کو اطمینان نہوتا تو آگے ہرگز نہ بڑھتے۔ اس پر بڑی سختی سے عمل پیرا تھے۔ خود شاہ عبدالرحیمؒ کا بیان ہے کہ جب میں شرح عقائد اور حاشیہ خیالی پڑھ رہا تھا میں نے ایک مقام پر اعتراض کیا بھائی صاحب (شیخ ابوالرضا) نے اس کا جواب دیا لیکن مجھے اطمینان نہوا۔ اور پھر اعتراض پیش کر دیا۔ بھائی صاحب نے اس کا بھی جواب دیا لیکن اس بار بھی مجھے تشفی نہ ہوئی۔ سوال و جواب کا سلسلہ ایسا طویل ہوا کہ اس سے مناظر جیسی صورت پیدا ہوگئی۔ بھائی صاحب چیں بجبیں ہوئے چہرے پر رنجش کے آثار ظاہر ہوئے میں نے کتاب کا پڑھنا موقوف کر دیا۔

ایک روز حسن اتفاق سے حضرت خواجہ خردؒ کی مجلس میں ہم دونوں بھائی حاضر ہوئے مجھ سے حضرت خواجہؒ نے دریافت فرمایا خیالی کہاں تک ہو گئی ہے میں نے عرض کیا کہ عرصہ ہوا میں نے اس کا پڑھنا بند کر دیا ہے۔ فرمایا کیوں؟ میں نے بات کو ٹالتے ہوئے کہا کہ نماز اور روزہ کے احکام سے واقفیت ہو ہی گئی ہے اب اس سے زیادہ تعلیم جاری رکھنے کا ارادہ نہیں ہے جب میں نے یہ عرض کیا، تو حضرت خواجہؒ نے زور دیکر وجہ دریافت فرمائی آخر کار انہیں جب اصل وجہ معلوم ہوگئی تو فرمایا اور بہت ہی تاکید سے فرمایا کہ اچھا اب ہمارے پاس پڑھو۔ دوسرے دن میں صبح کے وقت کتاب لیکر ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت خواجہؒ نے درس شروع کیا جب وہی مقام آیا تو میں نے وہی اعتراض پھر کیا جو بھائی صاحب کے سامنے کیا تھا۔ حضرت خواجہؒ نے میرے اعتراض کو بڑے غور سے سنا اور بہت خوش ہوئے نیز قوت اعتراض کا اعتراف کیا دوسرے روز اور تیسرے روز بھی درس دیا لیکن جب میں چوتھے دن کتاب لے کر حاضر خدمت ہوا تو فرمایا تمھارے نانا شیخ رفیع الدین محمدؒ نے مجھکو بس تین ہی دن سبق پڑھایا تھا میں تم کو تین دن سے زیادہ نہ پڑھاؤں گا۔

اس کے بعد حضرت خواجہ خوردؒ نے اپنے تین دن کے اسباق کا پورا واقعہ سنایا اور ساتھ ہی شیخ رفیع الدین کی یہ کرامت بھی بیان فرمائی کہ تین دن درس دینے کے بعد حضرت شیخ نے فرمایا اگر تمہیں فنِ تصوف کی تحقیق مقصود ہو تو مجھ سے کہو میں تمہیں روزانہ تمہارے مکان پر آکر پڑھا جایا کروں گا۔ مجھے گوارہ نہیں کہ تم میرے پاس آنے کی زحمت اٹھاؤ۔

میں نے کہا کہ میرا یہاں آنا حضرت تجویز نہیں کرتے اور مجھے حضرت کی تکلیف منظور نہیں اس کا صاف مطلب تو یہ ہوا کہ اب حضرت سے تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ ختم ہوا اس پر نہایت خوش ہو کر فرمایا ایک صورت اور بھی تو ہے پھر میرا ہاتھ پکڑا اور مسجد فیروز شاہی میں تشریف لائے اور ایک جگہ متعین کر کے فرمایا۔ تصوف کی کوئی بھی مشکل کتاب ہو تم یہاں بیٹھ کر اس کا مطالعہ کرنا۔ اگر کتاب حل نہ ہو جائے تو میرا ذمہ ہے۔

اس روز سے میرا یہ دستور ہو گیا کہ جہاں کہیں کسی پیچیدہ مسئلہ میں اٹکتا کتاب اٹھائی اور مسجد میں جا کر اس جگہ مطالعہ کرنا شروع کر دیتا۔ مسئلہ حل ہو جاتا اور مشکل رفع ہو جاتی یہ حضرت کی کرامت تھی کیونکہ اس جگہ سے اگر ایک بالشت بھی اِدھر اُدھر ہو جاتا تو کتاب بالکل حل نہ ہوتی تھی شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت خواجہؒ نے یہ سارا واقعہ بیان کیا تو میں نے عرض کیا کہ حضرت وہ تین دن کا درس تو اس کرامت کے ساتھ مقید تھے تین سبق تو آپ نے پڑھا دئے لیکن اس کرامت سے مستفید نہ فرمایا۔ اگر آنجناب بھی میرے واسطے کوئی جگہ متعین کر دیں تو بہت ہی خوب ہو فرمایا کہ اب تمہارے متعلق یہ کہتا ہوں کہ اگر آئندہ کسی کتاب کے مطالعہ میں مشکل درپیش ہو تو تم میرے بارے میں کہنا کہ کس نابکار نے میری راہ لوٹی ہے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کہتے ہیں کہ اسکے بعد بحمداللہ مجھے مطالعہ میں کوئی

وقت پیش نہیں آئی۔ اگرچہ بعد میں کتابوں کی تکمیل میرزا زاہد سے کی نگرانی کے پاس معلوم ہوتا تھا گویا پڑھی ہوئی کتاب پھر سے پڑھ رہا ہوں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ کتاب کا ابتدائی حصہ ابھی پڑھ رہا ہوں اور اس کا آخری حصہ کسی دوسرے کو پڑھا دیتا تھا۔

حضرت شاہ عبد الرحیم صاحبؒ کے دوسرے استاذ مرزا محمد زاہد (المتوفی ۱۱۱۱ھ) ہروی تھے ان کا سلسلۂ تلمذ شیخ جلال الدین دوانی (المتوفی ۹۲۸ھ) پر جا کر منتہی ہوتا ہے میرزاہد معقولات اور علم کلام میں مبصرانہ نظر رکھتے تھے ملک گیر شہرت کے مالک تھے عہد شاہجہانی ۱۰۶۰ھ میں کابل کے واقعہ نویس مقرر ہوئے اور پھر عالمگیرؒ کی تخت نشینی کے آٹھویں سال شاہی لشکر کے محتسب مقرر ہوئے معقولات میں امام فن ہونے کے باوجود منقولات سے بے بہرہ نہ تھے۔ معقولی ہونے کے باوجود زہد و اتقاء کے خوگر تھے۔ مشتبہ شئے کے کھانے سے حتی الامکان اجتناب کرتے تھے آپ کے بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھا ہے کہ تصوف میں بھی ایک مقام خاص پر جلوہ افروز تھے۔

جس زمانہ میں حضرت عالمگیرؒ آگرے میں تھے مرزا صاحب لشکر شاہی کے محتسب ہونے کی حیثیت سے وہیں رہتے تھے۔ شاہ عبد الرحیم صاحبؒ بھی اپنے والد شیخ وجیہ الدینؒ کے ساتھ آگرہ چلے گئے تھے وہیں مرزا زاہد سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔

اس زمانۂ تعلیم کے بہت سے واقعات حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے انفاس العارفین میں تحریر فرمائے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ استاد اور شاگرد میں کتنے گہرے تعلقات تھے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنے والد صاحب سے نقل کرتے

---

[1] میرزاہد کے مفصل حالات کیلئے ملاحظہ ہو انفاس العارفین ص۳۳ اور مآثر الکرام ص۲۰۱

ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے۔

ایشاں بامن التفات بسیار کردند	وہ میری طرف بےحد توجہ کرتے تھے اگر میں یہ کہتا
اگر گفتم کہ امروز مطالعہ نکردہ ام	کہ آج میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے اسلئے سبق نہ
می گفتند یک یا دو سطر بخوانند کہ ناغہ نشود[1]	پڑھونگا کہتے کہ ایک یا دو سطر سبق پڑھ لو تاکہ ناغہ نہ ہو

استاد شاگردیں کتنے گہرے تعلقات تھے اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ مرزا صاحب اپنے لائق اور ہونہار شاگرد کی کبھی کبھی دعوت طعام سے بھی عزت افزائی کرتے رہتے تھے انفاس العارفین میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ مرزا صاحب نے ایک بار رمضان المبارک میں شاہ عبدالرحیم کی دعوت کی اور یہ دلچسپ واقعہ پیش آیا کہ ایک کباب فروش کبابوں سے بھرا ہوا ایک خوانچہ لاکر مرزا صاحب کی خدمت میں پیش کیا اور کہنے لگا کہ حضرت یہ کباب آپ کی نذر کر رہا ہوں، شرف پذیرائی بخشا جائے مرزا صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہ عزیز من! میں تیرا پیر ہوں نہ استاد، پھر یہ نذر کس بات کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ تیری کوئی غرض وابستہ ہے اسنے کہا کہ کوئی غرض نہیں ہے۔ آخر بڑی رد و کد کے بعد معلوم ہوا کہ اسکی دوکان کو غلط جگہ ہونے کی وجہ سے مرزا صاحب کے سپاہی ہٹانا چاہتے ہیں اور یہ کباب گویا اسی کی رشوت میں پیش کر رہا ہے۔

جب مرزا صاحب کو یہ معلوم ہوا تو فرمایا اچھی بات ہے کل ہم ایک آدمی بھیجیں گے جو تمہارے معاملہ کا تصفیہ کرادے گا۔ کہا کہ جاؤ اور یہ کباب بھی لیتے جاؤ۔ کباب فروش نے کہا کہ یہ کباب تو میں نے صرف آپکے لئے بنائے تھے۔ اب میں ان کو بیچ بھی نہیں سکتا کیونکہ افطار کا وقت قریب ہو چکا ہے اتنے سارے کباب کون خریدے گا۔

---

[1] انفاس ص۲۰۲

مرزا صاحب نے اپنے بچوں کے معلم کو آواز دی اور کہا کہ ان کبابوں کی قیمت کا اندازہ کر کے قیمت ہمارے گھر سے ادا کرا دو معلم صاحب نے کل آٹھ آنہ قیمت تجویز کی شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے مرزا صاحب سے آہستہ سے کہا کہ آپ کی غرض تو یہ ہے کہ رشوت سے اجتناب کریں مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کا مقصد کسی طرح پورا نہیں ہو رہا ہے کیونکہ ان کبابوں کی قیمت جو نہ قیمت سے کہیں زیادہ ہے اور یہ شخص صرف آٹھ آنے لینے پر اس لئے آمادہ ہو گیا ہے کہ اس کی ایک غرض آپ سے وابستہ ہے مرزا صاحب کو تنبیہہ ہوا اور کباب فروش کو اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ سچ سچ بتا ناگوشت کتنے کا ہے ایندھن اور مصالحہ کس قیمت کے تھے اور تیری اجرت کتنی ہوتی ہے؟ غرضکہ پورا پورا حساب کر کے قیمت ادا کی پھر کباب فروش کو واپس کر دیا۔ اس کے بعد معلم صاحب کو بلا کر ڈانٹا اور کہا کہ "تم یہ چاہتے تھے کہ میں حرام طور پر حاصل کئے ہوئے مال سے روزہ افطار کرتا! یہ کون سی عقلمندی اور کہاں کی ہمدردی تھی؟ معلم صاحب نے فوراً غلطی کے اعتراف کر لینے ہی میں عافیت سمجھی اور آئندہ احتیاط رکھنے کا وعدہ کیا۔[1]

معقولات میں میرزاہد کا جو مقام ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے لیکن یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ تفسیر و فقہ سے بھی واقفیت رکھتے تھے اور کبھی کبھی ان علوم کا درس بھی دیا کرتے تھے البتہ ان علوم میں ماہرانہ نظر نہ رکھتے تھے۔

شاہ عبدالرحیمؒ کے مناقب میں یہ بات بھی شمار کی جا سکتی ہے کہ مرزا صاحب سے ایک امیر شرح وقایہ پڑھا کرتا تھا لیکن فقہ میں چونکہ مرزا صاحب کو اپنے اوپر کلی

---

[1] انفاس ص ۳۳

اعتماد نہ تھا اس لئے جب تک وہ شاہ عبدالرحیم کو پاس نہ بٹھا لیتے تھے اس وقت تک سبق نہ پڑھاتے تھے [۱]

سلوک

شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے بارے میں اگر یہ کہا جائے کہ وہ مادرزاد ولی تھے تو بالکل صحیح ہوگا کیونکہ پیدا ہونے سے قبل ہی ان کے نانا شیخ رفیع الدین محمدؒ نے انھیں اجازت عطا کردی تھی، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں [۲]

نادب سیدنا عبدالرحیم علی روح جدہ لابیہ الشیخ رفیع الدین محمد و اجازۃ قبل ان یولد بسنتین لطریق خرق العادۃ	ہمارے شیخ عبدالرحیم نے اپنے نانا شیخ رفیع الدین محمد سے روحانی تربیت حاصل کی اور انھوں نے بطور کرامت آپ کی پیدائش سے دو سال قبل اجازت مرحمت فرمائی۔

نیز حضرت شیخ رفیع الدین محمدؒ نے اپنی وفات سے قبل ایک کلاہ جو کہ بزرگوں سے ان تک پہونچی تھی اپنی کم سن بچی کو عنایت فرمائی اور اپنی اہلیہ کو وصیت کی کہ اس بچی کے نکاح کے بعد یہ کلاہ ان کو دیدینا اور کہنا کہ یہ کلاہ وہ اپنے لڑکے کو دیدے چنانچہ وصیت کے بموجب وہ کلاہ حضرت شاہ عبدالرحیم تک پہونچی [۳]

خواجہ ہاشم سے تعلق

یہی وجہ ہے کہ ابتدا ہی سے آپ کے اندر آثار ولایت ظاہر ہونے لگے تھے۔ خود شاہ عبدالرحیم

---

[۱] ملفوظات عزیزی صد [۲] القول الجمیل صد۱۲۵
[۳] مقالات طریقت صد

فرماتے ہیں کہ جب میں نو دس برس کا تھا تو ایک بزرگ خواجہ ہاشم بخاری ہمارے محلہ میں آکر رہے انہوں نے مجھے تختی یا کاغذ پر لفظ، اللہ اللہ لکھنے کی تلقین کی کچھ دنوں کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اب خیال میں اپنے دل کے اردگرد اسم ذات لکھا کرو۔ چنانچہ مجھے اس عمل میں اتنی مشق ہو گئی تھی کہ جب میں شرح عقائد اور حاشیہ خیالی پڑھتا تھا تو ایک روز میں حاشیہ عبدالحکیم نقل کرنے کی نیت سے بیٹھا کم و بیش ایک جز پر اسم ذات ہی لکھتا چلا گیا اور مجھے یہ خیال ہی نہ رہا کہ میں حاشیہ عبدالحکیم لکھنے کی غرض سے بیٹھا ہوں۔

ایک روز خواجہ ہاشم نے فرمایا کہ "مجھے ایک درود پاک یاد ہے جس کا عامل ہمیشہ متمول اور مالدار رہتا ہے چونکہ میرا دل ماسوا اللہ سے مستغنی ہو چکا تھا۔ اس لئے میں نے عرض کیا ہزار ہزار شکر و احسان ہے کہ وہ روزی رساں بلا واسطہ روزی بہم پہونچاتا ہے جس سے میری ضرورتوں کی کفالت ہو جاتی ہے اب مجھے اس کی بالکل ضرورت نہیں ہے" یہ سنکر خواجہ ہاشم خاموش ہو گئے۔

پھر چند روز کے بعد خواجہ ہاشم نے فرمایا، "مجھے ایک موثر دعا سینہ بسینہ پہونچی ہے جس کی تاثیر یہ ہے کہ اگر جذامی پر پڑھکر دم کر دی جائے تو اس کا جذام فوراً جاتا رہے گا میں نے عرض کیا خدا کا شکر ہے کہ میں اس مہلک مرض سے محفوظ ہوں۔ ہاں اگر کوئی جذامی نظر پڑے گا تو اسے حضرت والا کی خدمت میں لاکر حاضر کر دوں گا۔

چند دنوں کے بعد جو خواجہ ہاشم نے فرمایا کہ برخوردار! مجھے اس درود اور دعا کے ذکر سے تمہارا امتحان مقصود تھا کیونکہ تم عالی استعداد رکھتے تھے اب معلوم ہوا کہ تم میرے خیال سے بھی بڑھکر عالی ہمت اور بلند حوصلہ ہو۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ تم اشغال صوفیہ میں سے کوئی شغل اختیار کرکے راہِ سلوک طے کر لو۔ پھر اس کے بعد اسم ذات

کی تلقین فرمائی۔

نسبتِ اویسیہ

رویائے صالحہ نبوت کا چھیالیسواں حصہ[1] ہے شاہ عبدالرحیمؒ کو اس راہ میں رویائے صالحہ سے بڑی مدد ملی۔

حضرت ذکریا علیہ السلام[2] حضرت خواجہ رفیع الدین محمد سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بالخصوص حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم سے اسی طور پر فیض حاصل ہوتا رہا مقالات طریقت میں ہے کہ آپ ائمہ طریقت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ بہاءالدین نقشبندؒ اور خواجہ معین الدین چشتیؒ کی ارواح سے مستفید ہوئے۔ اور ان سے اجازت روحانی حاصل ہوئی[3]

خواجہ خرد سے درخواستِ بیعت

حضرت خواجہ خرد کے آپ کے خاندانی تعلقات تھے کیونکہ حضرت خواجہ خرد شیخ رفیع الدین محمدؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اسی وجہ سے وہ آپ پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ لیکن جب آپ نے ان سے بیعت کی درخواست کی تو انھوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ بھائی مجھ سے کبھی کبھی بعض ایسے امور کا ارتکاب ہو جاتا ہے جو بظاہر حکم شرع کے موافق نہیں ہوتے اور اتباع سنت میں بھی قدرے تساہل ہو جاتا ہے ایسا نہ ہو کہ تم پر اس کا برا اثر ہو۔ اور تمہارا قدم جادۂ شریعت سے ہٹ جائے پھر یہ مشورہ دیا کہ حضرت آدم بنوریؒ کے خلفا میں سے کسی سے تعلق پیدا کرو کیونکہ اتباع شرع ترک دنیا اور تزکیہ نفس میں وہ امتیازی شان

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۳۹۴ [2] حضرت ذکریا علیہ السلام نے اسم ذات کی تعلیم فرمائی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیعت کرنے کے بعد، نفی و اثبات کی تعلیم فرمائی [3] یہ سب خواب ہی میں ہوا (مقالات صفحہ ۵)

رکھتے ہیں۔

حافظ سید عبداللہ سے بیعت و ارادت

اس مشورہ کے بعد آپ نے حافظ سید عبداللہ (خلیفہ حضرت آدم بنوری) سے رابطہ پیدا کیا۔ اوران سے مستفید ہوکر ان کے خلیفہ مجاز ہوئے۔
درحقیقت حافظ سید عبداللہ آپ ہی کی اصلاح و تربیت کے لئے کسی غیبی اشارہ کے ماتحت ہندوستان میں ٹھہرائے گئے تھے چنانچہ حافظ سید عبداللہ صاحبؒ نے خود ہی فرمایا کہ مرشد نے جس وقت سفر حج کا ارادہ فرمایا تو میں نے رفاقت کی درخواست کی۔ لیکن انھوں نے فرمایا کہ تم ابھی حجاز نہ جاؤ، ابھی تم سے ہندوستان میں کچھ کام لیا جائے گا۔ شاہ عبدالرحیمؒ کے بیعت ہوجانے کے بعد فرمایا کہ اب مجھ کو معلوم ہوا کہ تمہاری اصلاح و تربیت کے لئے مجھے ہندوستان میں روکا گیا تھا۔

ایک بار سید صاحبؒ نے شاہ عبدالرحیمؒ سے فرمایا کہ جب تم بچے تھے اسی وقت سے میری روحانیت تمہاری طرف متوجہ تھی۔ میں اللہ پاک سے دعا کیا کرتا تھا کہ تو اس بچہ کو اپنے اولیاء کے زمرے میں داخل فرما۔ نیز اس بچہ کے کمالات میرے ذریعہ سے ظاہر فرما، الحمد للہ اس دعا کی قبولیت کا ثمرہ ظاہر ہوگیا۔

شاہ عبدالرحیم اور فتاوی عالمگیری کی تدوین

شاہ عبدالرحیم فقہ حنفی کے جید علماء میں شمار کئے جاتے تھے فقہی جزئیات پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔
آپ کے ایک دوست شیخ حامد جن کو اورنگ زیب نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین

کانگراں مقرر کیا تھا وہ آپ کی تنگدستی سے واقف تھے ازراہ دوستی فتاوی کی تدوین میں اپنا شریک کار بنانا چاہا اور تنخواہ کی امید دلائی۔ آپ نے قبول نہ کیا اور صاف انکار کر دیا لیکن جب اس کی خبر آپ کی بیوہ ماں کو ہوئی تو وہ برہم ہوئیں اور نوکری کر لینے کا حکم دیا آپ نے محض بیوہ ماں کی دلجوئی اور خاطرداری کے لئے شیخ حامد کا شریک بننا منظور فرمالیا۔

جب اس ملازمت کی خبر آپ کے مرشد کو ہوئی تو انھوں نے نہ صرف اظہار ناراضی کیا بلکہ اس کے ترک کر دینے پر اصرار کیا۔ آپ نے والدہ کا عذر کیا۔ مگر انھوں نے اس کا بالکل خیال نہ کیا اور برابر اصرار کرتے رہے۔ حتی کہ ملازمت چھوڑ دینے کا حکم دیدیا آپ نے اس موقع پر بڑی ہوشمندی کا ثبوت دیا۔

آپ نے مرشد کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت آپ ہی دعا فرمادیں کہ نوکری خود چھوٹ جائے کیونکہ میرے چھوڑنے سے والدہ کی آزردگی کا اندیشہ ہے چنانچہ انھوں نے دعا فرمائی اور وہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ ایک روز عالمگیر نے خلاف معمول اچانک تدوین فتاوی کے ملازمین کی فہرست طلب کی اور بلا وجہ شاہ عبدالرحیم کا نام قلم زد کر دیا۔ اور پھر حکم دیا کہ "اگر خواستہ باشد ایں قدر زمین بدہید" یعنی اگر شاہ عبدالرحیم چاہیں تو ان کو اتنی زمین دیدی جائے۔

جاگیرداری سے اجتناب

گویا نوکری چھوٹی کہ اب جاگیردار بنائے جانے کی تجویز ہوئی۔ مگر آپ اس امتحان میں بھی کامیاب ہوئے۔ فرمان شاہی کے بموجب جب آپ سے رائے پوچھی گئی تو باوجود تنگی معاش کے جو جواب دیا وہ آپ کی شان توکل کا آئینہ دار ہے۔ فرماتے ہیں۔

قبول نکردم و شکرانہ بجا آمدم و حمد خدائے تعالے گفتم [1] | میں نے اسے قبول نہ کیا اور اللہ پاک کی حمد اور اس کا شکر ادا کیا۔

نوکری چھوڑ ی۔ جاگیر کو نظر انداز کیا اور صبر و شکر کر کے گوشۂ عافیت اختیار فرمایا اگر اب بھی مسبب الاسباب کیجانب سے فتوحات کے دروازے نہ کھولے جاتے تو اور کب کھولے جاتے!

چنانچہ اس کے بعد مرشد نے حکم دیا کہ شاہ عظمت اللہ صاحبؒ کے پاس جا کر حاضری دو یہ بزرگ سلسلۂ چشتیہ کے معمر ترین بزرگ تھے اور آگرہ میں مقیم تھے۔

شاہ عظمت اللہؒ کی خدمت میں باریابی

شاہ عبدالرحیم عظمت اللہ شاہ کے پاس حاضر ہوئے وہ بیمار تھے اور چارپائی پر لیٹے ہی لیٹے باتیں کیا کرتے تھے کمزوری کی وجہ سے اٹھکر بیٹھنا مشکل تھا۔ سلسلۂ گفتگو میں شاہ عبدالرحیم نے اپنا تعلق شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ کے خاندان سے ظاہر کیا۔ تو عظمت اللہ شاہ احتراماً چارپائی سے اتر کر زمین پر شاہ عبدالرحیم کے برابر آ بیٹھے اور انکو اپنے گلے سے لگا لیا۔ عظمت اللہ شاہ نے اسی مجلس میں ایک سوال کیا۔ شاہ عبدالرحیمؒ نے اس کا تشفی بخش جواب دیا پھر عظمت اللہ شاہ نے کہا میرے دادا صاحب کو شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ نے کچھ تبرکات [2] دیکر وصیت کی تھی کہ اگر میری اولاد میں سے کوئی شخص تمہارے پاس آئے اور

---

[1] تذکرہ شاہ ولی اللہ
[2] یہ تبرکات سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ سے حضرت اخی عثمان آئینہ ہندوستان کو ملے تھے (مقالات طریقت ص۔)

فلاں سوال کا صحیح جواب دیدے تو میرے یہ تبرکات اس تک پہونچا دینا۔
یہ تبرکات داداصاحب کے زمانہ سے اب تک اسی وصیت کے ساتھ منتقل ہوتے چلے آئے ہیں یہ بھی فرمایا کہ چونکہ تمنے میرے سوال کا صحیح جواب دیدیا ہے لہذا وصیت پوری کرنی چاہیئے اس کے بعد انھوں نے شاہ عبدالرحیم کے سر پر عمامہ باندھا اور اپنے طریقہ کی اجازت بھی عطا فرمائی۔ جب شاہ عبدالرحیم چلنے لگے تو کچھ مٹھائی اور نقد روپے بھی مرحمت فرمائے۔

جمعیت ظاہر و باطن کی بشارت

شاہ عبدالرحیمؒ وہاں سے رخصت ہو کر اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مٹھائی اور روپئے ان کے سامنے رکھدیئے اور سارا قصہ بیان کیا جس کو انھوں نے بڑی مسرت اور بشاشت سے سنا، پھر شاہ عبدالرحیمؒ کو یہ خوش خبری سنائی کہ۔

نقد اشارت بجمعیت ظاہر و عمامہ اشارت است باجازت و جمعیت باطنی:	روپیہ سے تو ظاہر کے اطمینان اور فراغ کی طرف اشارہ ہے اور عمامہ سے اطمینان قلب اور اجازت کی طرف اشارہ ہے ؛

اس واقعہ کے بعد شاہ عبدالرحیمؒ کے واسطے فتوحات کے دروازے کھل گئے خود شاہ عبدالرحیمؒ کہتے ہیں کہ" اس کے بعد کبھی بھی معاشی پراگندگی کا سوال زندگی میں سرے سے پیدا ہی نہوا اور نہ باطنی امور میں کچھ دشواری پیش آئی۔
شاہ عبدالرحیمؒ کو خواب میں دربار رسالت سے محاسن مبارک کے دو بال عطا ہوئے تھے حضرت شاہ ولی اللہ کا بیان ہے کہ حالت بیداری میں یہ دونوں موئے مبارک

ان کے والد کو ملے جو ایک مدت تک ان کے پاس رہے۔ اور جب تبرکات تقسیم ہونے لگے تو ایک بال شاہ ولی اللہ کو بھی ملا تھا۔ فرماتے ہیں۔

"یکے ازاں دو موئے بکاتب حروف عنایت فرمودند" یعنی ان دونوں موئے مبارک میں سے ایک موئے مبارک کاتب حروف کو عنایت ہوا[1]

غرضکہ شاہ عبدالرحیمؒ ایک زبردست عالم دین، بلند پایہ فقیہ، اعلیٰ درجہ کے صوفی و صافی بزرگ تھے جن کی دوررس اور عقابی نگاہوں نے امت کے مستقبل کو بھانپ کر ملت کا ایک ایسا خاکہ تیار کیا تھا جس کی خانہ پری کرنے کے بعد ان کے اپنے خیال میں امت مرحومہ کے مسائل بڑی حد تک حل ہوسکتے تھے۔ یہی چیز انھوں نے اپنے خلف الرشید حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اندر پیدا کرنے کی کوشش فرمائی۔ جن حضرات کو مدرسۂ رحیمیہ کے قیام اور اس کے نظام تعلیم سے واقفیت حاصل ہے وہ ہماری اس بات کی تائید کریں گے۔

شاہ ولی اللہؒ کا عہد طفولیت

بچپن ہی سے آپ شرافت اور متانت کے پیکر تھے۔ ہمیشہ سنجیدہ اور پروقار رہتے تھے سادگی میں اپنی مثال آپ تھے۔ عام بچوں کی طرح آپ نے کبھی ضد سے

---

[1] انفاس صہ ۱۳۱

کام نہیں لیا۔ جو مل گیا کھا لیا اور جو میسر ہوا پہن لیا آپ جب اپنے ہم عمر بچوں میں اٹھتے بیٹھتے اپنی جملہ صفات سے ہمیشہ ممتاز نظر آتے جب اپنے بڑوں سے بات کرتے تو ان کے ادب و احترام کا پورا خیال رکھتے لڑائی جھگڑوں سے بالکلیہ پرہیز کرتے تھے آپ کے بارے میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آپ بچپن میں کبھی کسی سے سخت کلامی سے نہیں پیش آئے آپ کی کشادہ پیشانی اور پر وقار چہرہ آپ کے مستقبل کی پوری غمازی کرتا تھا۔

فطرتاً آپ کھیل کود سے دور رہتے تھے۔ بیکار اور لایعنی کاموں سے اجتناب کرتے بچپن کی عمر میں غالباً ایک ہی دفعہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا تھا ظاہری طور پر جس کا سبب بیفکری قرار دیا جا سکتا ہے لیکن شاہ عبدالرحیم کی دور اندیشی نے اس کو بھی برداشت نہ کیا۔ فوراً اس پر متنبہ فرمایا جس کے بعد تاحیات آپ سے ایسے بیکار کام کا اعادہ نہوا واقعہ یہ ہوا کہ ایک بار چند ہمعمر بچوں کے ساتھ کہیں باغ میں سیر و تفریح کے لئے چلے گئے۔ جب وہاں سے واپس ہوئے تو والد بزرگوار نے سر پر دست شفقت پھیر کر فرمایا "جان پدر آج تم نے کیا چیز ایسی حاصل کی جو تمہارے ساتھ باقی رہے گی؟" بیٹے تو اتنا ذکر کیا اتنی بار درود شریف پڑھی اور یہ عبادت کی جو آخرت تک باقی رہنے والی چیزیں ہیں۔"

والد بزرگوار سے یہ الفاظ سننے تھے کہ آپ فرط ندامت سے پسینہ پسینہ ہوگئے ان کے یہ جملے گویا دل میں ترازو ہو گئے۔ اس کے بعد پھر کبھی آپ نے سیر سپاٹے کی طرف رخ نہ کیا۔

تعلیم و تربیت جب آپ نے اپنی عمر کے پانچویں سال میں قدم رکھا تو آپ کے

والد شاہ عبدالرحیم نے تعلیم کا سلسلہ شروع کرا دیا۔ آپ کی قوت حفظ، تندہی، اور ذوق و شوق کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سات سال کی عمر میں آپ نے کلام پاک حفظ کر لیا اور نہ صرف کلام پاک ہی حفظ کیا۔ بلکہ ارکان و فرائض بقدر ضرورت معلوم کر لئے عام طور پر یہ عمر بچوں کے کھیل کود کی سمجھی جاتی ہے۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ بچپن میں ان کی نگہداشت کی جتنی زیادہ ضرورت ہوتی ہے بڑی عمر میں اتنی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ عمر بچے کے مستقبل کے لئے بنیاد کا حکم رکھتی ہے اس عمر میں بچے کے ذہن میں جو چیز رچ بس جاتی ہے وہ کبھی محو نہیں ہوتی اور ساری زندگی اس سے متاثر نظر آتی ہے۔

برخلاف اس کے، بڑی عمر میں تعلیم و تربیت گو یا کلیۃً غیر مفید نہیں کہی جا سکتی مگر اثرات کے اعتبار سے عہد طفولیت سے کہیں کم تر ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کمسنی میں بچوں کی نگہداشت اور ان کے دینی شعور کو بیدار کرنے پر بڑا زور دیا ہے چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	اپنے بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز
مروا اولادکم بالصلوٰۃ وھم ابناء سبع	کا حکم کرو اور دس سال کی عمر میں ترک
سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء	نماز پر ان کو مارو۔
عشر سنین الحدیث[1]	

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب جہاں آپ کے ایک مہربان باپ اور شفیق معلم تھے

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ ص۵۸

وہیں آپ کے بہترین مربی بھی تھے۔ چنانچہ سات سال کی عمر میں آپ نے مسجد لیجانا شروع کر دیا تاکہ فرائض کی پابندی کی عادت پڑے۔

رمضان المبارک کے روزے بھی اسی سال رکھنے کا حکم فرمایا اسی موقعہ حضرت شاہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ "رسم سنت کی ادائیگی بھی اسی ساتویں سال ہوئی"[1]

ساتویں سال کے آخر میں آپ نے فارسی اور عربی کے ابتدائی رسائل پڑھنا شروع کر دیئے۔ اور پھر ایک سال کے اندر اندر ان کو مکمل کر لیا۔

اس کے بعد آپ نے صرف و نحو کی طرف توجہ فرمائی۔ اور جب آپ کی عمر پورے دس سال کی ہوئی ہے تو آپ علم نحو کی معرکۃ الآرا کتاب شرح ملا جامی پڑھ رہے تھے[2] اس صغر سنی میں آپ نے نہ صرف فارسی کی نوشت و خواند میں مہارت پیدا کر لی تھی۔ بلکہ عربی کی صرف و نحو میں کافی عبور حاصل کر لیا تھا۔ آپ نے خود ہی ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ دس سال کی عمر میں ایک حد تک مطالعہ کی راہ کھل گئی تھی[3]

اور صاحب حیات ولی نے تو آپ کے متعلق یہاں تک لکھا ہے کہ[4] دس سال کی عمر میں صرف و نحو میں آپ کو اس درجہ قوت حاصل ہو گئی تھی کہ بڑے بڑے صرفی و نحوی جو کتاب کے کیڑے کہلائے جاتے تھے اور جنھوں نے ان علوم میں نہایت شہرت و ناموری کے ساتھ عزت و رفعت کے تمغے حاصل کئے تھے آپ سے مسائل صرفیہ و نحویہ میں گفتگو کرتے ہوئے ججھکتے تھے اور جس وقت آپ ان کی باریکیاں بیان

---

[1] تاخیر کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔ [2] الجزء اللطیف ۱۲ [3] ایضاً ۱۲
[4] ماخذ حیات ولی۔

کرتے اور مطالب کے حل کرنے کی طرف متوجہ ہوتے تو وہ وگ آپ کی صداقت اور ذہانت پر عش عش کرنے لگتے اور آپ کے زورِ سمند کی باگیں ہزاروں کوششوں کے بعد بھی نہ روک سکتے۔"

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے آپ کی تعلیم میں تدریج کا بہت ہی خیال رکھا کیونکہ انھیں جو قوت اور استعدادِ علمی اپنے لڑکے میں درکار تھی اس کا حصول اسی طور سے ہوسکتا تھا۔ چنانچہ جب صرف و نحو میں آپ کو کمال حاصل ہوگیا تو شاہ عبدالرحیم نے آپ کو معقولات کی طرف متوجہ فرمایا۔

موجودہ زمانہ کی ایک بڑی غلطی یہ ہے کہ یہ خیال عام ہوگیا ہے کہ صرف و نحو کی معمولی کتابیں پڑھ لینے یا چند قواعد کے مشق کر لینے کے بعد قرآن و حدیث کا سمجھ لینا آسان ہو جاتا ہے اس لئے معقولات تو کجا، صرف و نحو کی اہم کتابوں میں وقت صرف کرنا غیر ضروری بلکہ اضاعتِ وقت اور درد سر کے مرادف سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے مدارس میں پڑھنے والے طلبا ناقص استعداد کے رہ جاتے ہیں۔ اور پھر ان کا مستقبل علمی دنیا میں ناپائدار ہوتا ہے۔ وہ کوئی غیر معمولی اور ٹھوس کام نہیں کر پاتے اور نہ ہی ان سے اس کی امید کی جاسکتی ہے۔

آج ہر صاحبِ بصیرت، اور بیدار قلب فکرمند ہے لیکن ہماری تعلیمی گراوٹ استعداد کی کمزوری، یہ سب ہماری سہل انگاری اور دونِ ہمتی کے منطقی نتائج ہیں جن کا اعتراف ہمکو بہرحال کرنا چاہیئے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے صرف و نحو سے فراغت کے بعد معقولات کی طرف توجہ فرمائی اور تھوڑے ہی عرصہ میں معقولات میں اتنا درک حاصل کرلیا کہ ارباب

فضل وکمال کے زمرہ میں ایک مقام خاص کے مالک ہو گئے۔

زیادہ تر کتابیں آپ نے اپنے والد شیخ عبدالرحیمؒ سے پڑھیں یہی وجہ ہے کہ آپ کی ساری زندگی میں انھیں کی تعلیم و تربیت کا رنگ غالب تھا۔ جو کتابیں آپ نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں وہ یہ ہیں۔

حدیث علم حدیث میں مشکوٰۃ شریف تمام وکمال پڑھی لیکن چند روزہ علالت کی وجہ سے کتاب البیع سے کتاب الادب تک کا حصہ چھوٹ گیا[1]

صحیح بخاری شروع سے کتاب الطہارۃ تک پڑھی اور شمائل ترمذی اول سے آخر تک پڑھی[2]

تفسیر علم التفسیر میں بیضاوی اور تفسیر مدارک کے کچھ حصے باقاعدہ پڑھے اور باقی حصوں کا خود مطالعہ کیا۔

ترجمہ کلام پاک کے متعلق حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ پاک کا اس بندے پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ میں نے چند مرتبہ مدرسہ میں والد صاحب کی خدمت میں قرآن عظیم کے معانی اور شان نزول کو سمجھتے ہوئے اور تفاسیر کی طرف رجوع کرتے ہوئے پڑھا اور یہ طریقہ میرے لئے فتح عظیم کا سبب[3] ہوا فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک

فقہ علم فقہ میں شرح وقایہ، ہدایہ کی دو جلدیں، دونوں کتابیں صرف تھوڑے حصے کے علاوہ پوری پڑھیں۔

---

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالرحیمؒ کا درس مشکوٰۃ آپ کے لئے مخصوص نہ تھا ساتھ میں کچھ لوگ اور تھے۔ ورنہ چھوٹنے کا کیا سوال۔ [2] شمائل کا درس سماعاً و قراءۃً دونوں طرح سے ہوا

[3] انفاس وغیرہ۔

اصول فقہ:۔ اصول فقہ میں توضیح، اور حسامی پڑھی۔
منطق:۔ علم منطق میں مکمل شرح شمسیہ، شرح مطالع کا کچھ حصہ۔
علم کلام:۔ علم کلام میں شرح عقائد اور خیالی کا کچھ حصہ نیز شرح مواقف کا کچھ حصہ۔
طب:۔ علم طب میں موجز۔
فلسفہ:۔ علم فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ۔
نحو:۔ علم نحو میں کافیۃ شرح ملا جامی۔
معانی:۔ علم معانی میں مطول کا اکثر حصہ، مختصر المعانی کا وہ حصہ جس پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے۔
ہیئت وحساب | علم الہیئت والحساب میں بعض مختصر رسائل پڑھے۔
تصوف وسلوک:۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ شاہ عبدالرحیمؒ کو عالم روحانیت میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے صاحبزادے کے لئے تعلیمی نصاب کو ترتیب دینے میں نہ صرف ان کی ذہنی ترقی اور دینی شعور کا خیال رکھا بلکہ ان کی روحانی ترقی کی جانب خاص توجہ فرمائی اور ان کو باضابطہ روحانی تعلیم وتربیت سے مالامال فرمایا اس طرح حضرت شاہ صاحبؒ علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی سے بھی آراستہ ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تصوف وسلوک میں آپ نے عوارف العوارف اور رسائل نقشبندیہ[۵]

[۵] رسائل نقشبندیہ کے ناموں کی تصریح نہیں فرمائی۔ شائد نام کی تصریح اس وجہ سے نہیں کی گئی کہ اس زمانہ میں ان رسائل کا عام چرچا ہو۔ ہمارے خیال میں اس سے نقشبندیہ اکابر کے رسائل کا وہ مجموعہ مراد ہے جس میں چھ رسائل ہیں۔ (۱) انفاس نفیسہ از خواجہ عبید اللہ احرار (۲) رسالہ خواجہ عزیزاں۔ (۳) رسالہ انسیہ از مولانا محمد یعقوب چرخی۔ (۴) رسالہ قدسیہ از حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند نوشتہ خواجہ محمد پارسا (۵) رسالہ نور وحدت از خواجہ عبید اللہ معروف بخواجہ خرد (یعنی فرزند خواجہ باقی اللہ) (۶) رسالہ پرتو عشق از خواجہ خرد۔

وغیرہ پڑھے۔

علم حقائق: علم حقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی، لوائح، مقدمہ شرح لمعات مقدمہ نقد النصوص۔

خواص اسماء و آیات:۔ اسماء و آیات کے خواص میں والد صاحب کا ایک خاص مجموعہ جس کی انھوں نے چند مرتبہ اجازت بھی دی۔

الجزء اللطیف میں یہاں شاہ صاحب نے اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کی فہرست تحریر کی ہے وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ اس عرصہ میں ہر فن کے متعلق خاص خاص نکتے ذہن میں آتے تھے اور جتنی کوشش کی جاتی تھی اس سے زیادہ مقصد حاصل ہوتا تھا۔

کتابی علم کے علاوہ وقتاً فوقتاً ایسی نصیحتیں فرمایا کرتے تھے جن پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے مستقبل کی عمارت قائم کی جاسکے۔

ایک روز ظہر کے وقت شاہ ولی اللہؒ کی طرف متوجہ ہوئے اور فی البدیہہ یہ دو اشعار پڑھے۔

گر تو راہ حق بخواہی اسے پسر — خاطر کس رامرنجان الحذر
در طریقت رکن اعظم رحمت است — ایں چنیں فرمود آں خیر البشر

اور فرمایا کہ دوات و قلم لاؤ اور اس کو لکھ لو۔ کیونکہ حضرت حق سبحانہ کی طرف سے اسکا القا رکیا گیا ہے تاکہ میں تجھ کو وصیت کروں۔

ایک موقع پر حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس فقیر کو مجلس صحبت میں حکمت عملی اور آداب معاملہ بہت سکھایا کرتے تھے ان میں سے جو کچھ حافظہ میں ہے یہ ہے کہ فرماتے تھے۔

مجلس میں برائی مت کرکہ اہل پورب ایسے ہیں اوراہل پنجاب ایسے ہیں اور افغان ایسے ہیں اور مغل ایسے ہیں۔شائد مجلس میں کوئی باحمیت فرد اس قوم کا ہو تو اسے برا لگے اور صحبت منغص ہوجائے۔

فرمایا کرتے تھے کہ، کوئی بات جمہور کے مخالف عام مجلس میں ہرگز زبان پرمت لاؤ گو وہ بات نفس الامر میں صحیح ہی کیوں نہ ہو کہ وہ اسپر انکار کریں اور صحبت منغص ہوجائے فرماتے تھے،"آدمی کا لباس ایسا ہونا چاہیئے کہ اسکی صنعت و کمال پر مشعر ہو مثلاً جو آدمی دانشمند ہے اسے چاہیئے کہ دانشمندوں کا لباس پہنے۔اور انھیں کے آئین کے ساتھ زندگی گذارے اور جو فقیر ہے اس کو چاہیئے کہ فقیروں کا لباس پہنے اور انہیں کے طریقہ پر زندگی بسر کرے۔

ایک بار فرمایا،"جن لوگوں کا مرتبہ تیرے مرتبہ سے فروتر ہے اگر وہ ابتدا بالسلام کریں تو اس کو ایک نعمت جان اور اللہ کا شکر بجالا۔اور روبرو منبسط ہو اور ان کے حال کا تفقد کر بہت ہوتا ہے کہ ادنیٰ التفات جو تیرے نزدیک کچھ قدر نہیں رکھتا ہے وہ ان کی آنکھ میں عظیم دکھائی دیتا ہے اور وہ اس کے ساتھ پورا اعتبار کرتے ہیں اور اگر اسکو نہیں پاتے ہیں تو غمگین ہوتے ہیں۔

صد ملکِ دل بہ نیم نگہ می تواں خرید
خوباں دریں معاملہ تقصیر کردہ اند

ایک بار فرمانے لگے،"بعض آشنا ذاتی محبت رکھتے ہیں کہ اگر محبت بتدریج ان کے دل میں جگہ پکڑتی ہے بعد اس کے کسی حالت میں ان کے دل میں سے باہر نہیں جاتی ہے۔نہ سرّاً (آسائش) میں اور نہ ضراً (تکلیف) میں۔اس یار کو غنیمت

شمار کرنا چاہیئے اور فرزند سے بہتر رکھنا چاہیئے۔

ایک روز شاہ صاحب کو مخاطب کیا اور فرمانے لگے۔

بات کہنے، راستہ چلنے، بیٹھنے، اٹھنے میں اتقیا کی رسم و عادت پر کام کر۔ اگرچہ تو ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر کوئی عیب یا جبن، یا بخل ناگاہ تجھ سے صادر ہو جائے تو اس کے کتمان اور اخفا میں کوشش کرنا چاہیئے اور خود کو بتکلف صفت مقابل ظاہر کرنا چاہیئے تاکہ نفس اس ادب کے ساتھ خوگر ہو جائے۔

فرمانے لگے، "اگر تجھ سے شجاعت یا سخاوت، یا فتوت ظہور میں آئے تو چاہیئے کہ ابنائے روزگار اسکو تجھ سے دیکھیں۔

نکاح چودہ سال کی عمر میں آپ کی شادی آپ کے ماموں شیخ عبیداللہ پھلتی کی صاحبزادی سے سنہ ۱۱۲۸ھ میں ہوئی ان سے ایک صاحبزادے [1] شیخ محمد صاحب اور ایک صاحبزادی [2] امۃ العزیز پیدا ہوئیں۔ شادی کے سلسلہ میں شاہ عبدالرحیم صاحب نے بڑی عجلت سے کام لیا حالانکہ لڑکی والوں نے سامان جہیز کے فراہم نہ ہو سکنے کا عذر بھی کیا لیکن شاہ عبدالرحیم نے کسی کی ایک نہ سنی اور صاف صاف ان لوگوں کو عجلت

---

[1] شیخ محمد بڑے محدث تھے عمر میں شاہ عبدالعزیز سے بڑے تھے۔ شاہ عبدالعزیز نے شمائل ترمذی اپنے والد ماجد سے شیخ محمد کی قرات سے پڑھی تھی۔ غالباً شاہ ولی اللہ کی دوسری شادی کے بعد پھلت منتقل ہو گئے اور وہیں ہمیشہ رہے۔ لیکن صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں کہ اپنے والد کی وفات کے بعد بڈھانہ منتقل ہو گئے اور وہیں رہے سنہ ۱۲۰۸ھ میں وصال ہوا بڈھانہ کی جامع مسجد میں دفن کئے گئے (نزہۃ الخواطر صفحہ ۴۲۲ ج ۶)

[2] ان کا عقد شاہ محمد عاشق کے صاحبزادے محمد خان سے ہوا (تذکرۃ الرشید صفحہ ۳۰)

لکھدیا کہ میں جو عجلت اور جلد بازی سے کام لے رہا ہوں اس میں ایک راز ہے جو شادی ہو جانے کے بعد ظاہر ہوگا۔ شادی تو مسرت، بدعات چاہئے سامان جہیز کا خیال نہ کیا جائے۔ چنانچہ ان کے اصرار پر وہ لوگ راضی ہوگئے۔

شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس راز کی وجہ سے عجلت کر رہے تھے وہ شادی ہو جانے کے بعد یوں ظاہر ہوا کہ چند ہی روز بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خوشدامن یعنی شیخ عبیداللہ پھلتی کی زوجہ محترمہ کا انتقال ہو گیا پھر تھوڑے ہی دن بیتے تھے کہ خوشدامن کے والد یعنی شاہ صاحبؒ کی زوجہ کے نانا صاحب کا انتقال ہوا۔ ابھی ان کے غم سے فارغ بھی نہ ہونے پائے تھے کہ شاہ صاحب کے بڑے چچا شاہ ابوالرضاء کے صاحبزادے شیخ فخر العالم اس دنیا سے رحلت کر گئے پھر اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کی سوتیلی ماں کا انتقال ہو گیا۔

ان متواتر صدمات کے بعد سبھی کو معلوم ہو گیا کہ اگر اس وقت شادی نہ ہو جاتی تو کئی سال بعد تک ایسا ہونا ممکن نہ ہوتا۔

دستار فضیلت اجازت تدریس

عقد نکاح کے تقریباً ایک سال بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کے دست حق پرست پر بیعت کی اور اشغال واذکار صوفیہ میں مشغول ہوئے آپ نے نقشبندیہ سلسلہ کے اذکار کو اول تا آخر پورا فرمایا۔

شاہ عبدالرحیمؒ چونکہ خود مجتہد فن اور باطنی فیض سے مالا مال تھے اسلئے وہ اپنے رشید صاحبزادے کی قدر و منزلت سے بخوبی واقف تھے۔ انھیں یہ اچھی طرح سے معلوم تھا کہ ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں ان کے لاڈلے بیٹے کے اقبال کا سورج

ساری دنیا کو روشن کرے گا اور اس کی علمی و روحانی فیاضیوں سے عالم کا گوشہ گوشہ معمور ہوگا۔ اس لئے ان کی خصوصی توجہ حضرت شاہ صاحب کی جانب تھی اذکار و اشغال کی تلقین میں کوئی کسر نہ چھوڑی آداب طریقت کی تعلیم اس نہج پر فرمائی کہ وہ بہت جلد اپنی باطنی نسبت درست کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ حضرت شاہ صاحب نے فن تصوف میں وہ درک حاصل کرلیا کہ اسکے فنی غوامض اور اسکے باریک ترین مسائل آپکے لئے پانی ہوگئے۔ جن باریک مسائل کے حل کرنے میں معاصرین کو دشواری پیش آتی لیکن آپ کو ان کے حل کرنے میں کسی قسم کی دقت نہ محسوس ہوتی۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فن تصوف میں ایسا کمال حاصل کرلیا تھا کہ اس خاص فن میں ایسے ایسے نکات بیان فرماتے جن کے سیکھنے کی ماہرین فن آرزوئیں کرتے تھے یہی وہ زمانہ تھا جس میں تفسیر بیضاوی کا درس شیخ عبدالرحیم سے لیتے تھے اور غالباً اسی زمانہ میں عوارف المعارف اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ آپ کے زیر درس تھے۔

اپنی عمر کے پندرھویں سال آپ نے مروجہ علوم و فنون اور تصوف و سلوک کی تکمیل فرمائی تھی۔

اس موقع پر آپ کے والد ماجد نے دعوت طعام کا مخصوص طور پر اہتمام فرمایا اور شہر کے علماء، مشائخ، قضاۃ و فقہاء کو مدعو کیا۔ ان کی موجودگی میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور درس کی عام اجازت عطا فرمائی اور آپ کی عمر اور ترقی علم کی دعا کی مصنف حیات ولی نے لکھا ہے کہ حاضرین مجلس نے اس زور سے حضرت شیخ کو مبارک باد دی کہ ساری مجلس گونج اٹھی۔

اجازت تجوید و قرأت

حضرت شاہ صاحبؒ نے فن قرأت و تجوید کی تکمیل مشہور قاری مولانا محمد فاضل صاحبؒ سندھی سے کی۔ جو کہ دہلی کے شیخ القراء کہے جاتے تھے۔ اور اپنے زمانہ کے ماہر فن شمار کئے جاتے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

قال العبد الضعیف ولی اللہ بن عبد الرحیم عفی عنہ قرأت القرآن کلہ من اولہ الی آخرہ بروایۃ حفص عن عاصم علی الصالح الثقۃ حاجی محمد فاضل السندھی سنۃ ۱۱۵۴ھ قال تلوتہ الی آخرہ بروایۃ حفص علی الشیخ عبد الخالق شیخ القراء بالمحروسۃ دھلی۔ ا؎

(اللہ پاک کا) کمزور بندہ ولی اللہ بن عبد الرحیم عفی عنہ کہتا ہے کہ میں قرآن کو اول سے آخر تک، بروایت حفص عن عاصم، (صالح ثقہ) حاجی محمد فاضل سندھی سے ۱۱۵۴ھ میں پڑھا انھوں نے کہا میں نے اس کو اول سے آخر تک بروایت حفص دارالسلطنت دہلی کے شیخ القراء شیخ عبد الخالق سے پڑھا۔

شاہ عبدالرحیمؒ کی وفات

دنیا میں وہ انسان بڑے خوش قسمت شمار کئے جاتے ہیں جو اپنے سوچے سمجھے منصوبہ کو اپنے جیتے جی پایہ تکمیل تک پہونچا دیں انھیں خوش نصیبوں میں ہم شاہ عبدالرحیم کا شمار کرتے ہیں ان کے تدبر، اور ان کی فہم و فراست نے اس وقت کے انحطاط پذیر ہندوستان میں جن مجاہدانہ اور مجتہدانہ کارناموں کی ضرورت محسوس کی تھی ان کو بروئے کار لانے

ا؎ مقدمہ فتح الرحمٰن فارسی۔ الرحیم ج ۱ ش ۷، ص ۲۰

کے لئے انھوں نے اپنے صاحبزادے شاہ ولی اللہ صاحب کو پورے طور پر طیار کردیا تھا یہی وجہ ہے کہ شمشیر و سناں سے کھیلنے والے خاندان کے اس چشم و چراغ نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں مدرسہ و خانقاہ کی بساط جما کر اپنی بیدار مغزی اور بالغ نظری کا وہ اعلیٰ ثبوت پیش کیا ہے جس کی مثالیں تاریخ ملت میں شاذونادر ہی ملتی ہیں۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو شاہ عبدالرحیم کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ انھوں نے شاہ ولی اللہؒ جیسی شخصیت کو اپنی خداداد محنت و کاوش سے تیار کیا جنھیں بجا طور پر ملت کی ڈگمگاتی ہوئی کشتی کا ناخدا اور بھٹکتی ہوئی امت کا خضر راہ کہا جا سکتا ہے۔

اجازت بیعت

اللہ پاک کو شاہ عبدالرحیمؒ سے جو کام لینا تھا وہ تکمیل تک پہونچ چکا تھا...... پیا پے صدمات و آلام نے قویٰ میں ضعف پیدا کردیا تھا جس کی وجہ سے طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہوگئے اور ان سب کے علاوہ بڑھاپا مستقل ایک مرض تھا جس کی وجہ سے اٹھنا بیٹھنا چلنا، پھرنا، دشوار ہوگیا تھا آپ نے بھی محسوس کرلیا تھا کہ میرا آخری وقت ہے۔ لہذا ایک روز شاہ ولی اللہ صاحب کو اپنے پاس بلایا۔ اور اجازت بیعت و ارشاد عطا فرمائی اور ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا "یدہ کیدی" اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کیطرح ہے اور یہ کلمات بار بار فرماتے رہے فلما بلغ اشدہ اٰتیناہ حکماء علماء وکذالک نجزی المحسنین۔

شاہ عبدالرحیمؒ نے مدرسہ رحیمیہ، اور خانقاہ رحیمیہ کی جو بساط بچھائی تھی اس کا انتظام حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے سپرد فرمادیا۔

امراض میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا گیا حتیٰ کہ ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ بروز بدھ اس

مرتاض صوفی اور فقیہ المثال عالم، اور بے بدل مدبر تے اپنی جان، جان آفریں کو سپرد کردی..........

درس و تدریس

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے انتقال کے بعد آپ نے مستقل طور پر مسند درس وارشاد کو رونق بخشی ہم پہلے بھی عرض کرچکے ہیں کہ آپ کے فضل و کمال کا شہرہ والد ماجد کی حیات ہی میں ملک کے گوشہ گوشہ میں ہوچکا تھا۔ اب دور دراز سے تشنگان علم و معرفت جوق در جوق آآکر زانوئے تلمذ تہ کرنے لگے۔ اور آپ کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے لگے۔

آپ نے تقریبًا بارہ سال تک کتب دینیہ اور کتب عقلیہ کا درس دیا۔ آپ کی حیات طیبہ میں یہ زمانہ نہایت اہمیت کا حامل ہے دراصل اسی زمانہ میں آپ کو مختلف علوم و فنون میں نہایت غور و خوض کا موقع ملا مذاہب اربعہ کی فقہ اور ان کے اصول کا غائر نظر سے مطالعہ فرمایا نیز آپ کا یہ زمانہ نہایت انہماک اور استغراق میں گزرا بڑی تحقیق اور بڑی کاوش سے آپ نے کتابوں کا مطالعہ کیا۔ دن رات کا اکثر حصہ کتب بینی میں صرف فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ اس زمانہ میں کھانے پینے کا چنداں خیال نہ فرماتے تھے اسی وجہ سے غذا کی مقدار نہایت کم ہوگئی تھی۔ جو وقت بھی میسر آتا تحقیق و مطالعہ میں صرف فرما دیتے آرام برائے نام فرماتے۔ ایک جگہ آپ نے تحریر فرمایا ہے:

بعد از وفات حضرت ایشاں فقیر دوازدہ سال کم وبیش در کتب دینیہ و عقلیہ مواظبت نمود و در ہر علمے غوض	والد صاحب کے وفات کے بعد فقیر نے کم وبیش بارہ سال تک دینی و عقلی کتابوں کی تدریس میں مواظبت کی اور

ہر علم میں تعمق پیدا ہوا۔

اس بارہ سالہ دور تدبر و تفکر میں آپ نے دہلی اور سارے ملک کا غائر نظر سے مطالعہ کیا ملت اسلامیہ ہندوستان میں جس طرح موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ آپ کے باشعور قلب نے اسے پورے طور پر محسوس کیا۔

طریقہ تعلیم حضرت شاہ صاحبؒ کے زمانہ میں جو طریقۂ تعلیم رائج تھا شاہ صاحبؒ نے اس کے برخلاف دوسرا طریقہ اختیار فرمایا کیونکہ جو ذہنی اور فکری انقلاب آپ لانا چاہتے تھے وہ اسی طریقۂ تعلیم سے آسکتا تھا۔

پہلے آپ تین، تین یا چار چار نحو، صرف کے ابتدائی رسائل طالب علم کو حفظ کرا دیتے اس کے بعد تاریخ یا حکمت کی کوئی عربی کتاب پڑھاتے اس سے یہ فائدہ ہوتا کہ طالب علم کی لغات عربی میں کسی قدر اور اضافہ ہو جاتا۔ اور اس طرح عربی زبان کے سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جاتی۔

اس کے بعد امام مالکؒ کا درس دیتے اور قرآن مجید کا ترجمہ بلا کسی تفسیر کے پڑھاتے البتہ جہاں کہیں کسی قاعدۂ نحوی کی مشکل یا شانِ نزول کی ضرورت پیش آتی اسے بخوبی حل فرما دیتے جس سے طالب علم کو اطمینان ہو جاتا۔

اس کے بعد تفسیر جلالین پڑھاتے اور کوشش اس بات کی فرماتے کہ طالب علم کو فن تفسیر سے مناسبت پیدا ہو جائے۔ مقصود تعلیم محض ترجمہ ہرگز نہ سمجھتے پھر اس کے بعد ایک وقت حدیث اور کتب فقہ، عقائد و سلوک کا درس دیتے اور دوسرے وقت کتب حکمت کا۔

لہ الجزء اللطیف۔

حضرت شاہ صاحبؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

طریق تعلیم علم چنانکہ بتجربہ محقق شدآن
است کہ نخست رسائل مختصرہ صرف ونحو
درس گویند، سہ سہ نسخہ از ہر یکے یا چہار
چہار بقدر ذہن طالب۔ بعد ازاں کتابے
از تاریخ یا حکمت کہ بزبان عربی باشد آموزند
دراں میان بر طریق تتبع کتب لغت و برآوردن
مشکل از جائے آن مطلع سازند چوں قدرت
بزبان عربی یافت موطا بروائت یحییٰ بن یحییٰ
مصمودی بخوانند و ہرگز آں را معطل نہ
گذارند کہ اصل علم حدیث است وخواندن
آن فیضہا دارد ما را سماع جمیع آن مسلسل
ست۔ بعد ازاں قرآن عظیم درس گویند
باں صفت کہ صرف قرآن خوانند بغیر تفسیر
و ترجمہ گویند و آنچہ مشکل باشد در نحو یا در شان
نزول متوقف شود و بحث نماید بعد فراغ
از درس تفسیر جلالین را بقدر درس بخوانند
دریں طریق فیضہا ست بعد ازاں در یک
وقت کتب حدیث بخوانند مانند صحیحین وغیر آں

علم کی تعلیم کا طریقہ جیسا کہ تجربہ سے ثابت
ہوا ہے یہ ہے کہ پہلے صرف ونحو کے تین تین یا
چار چار مختصر رسالے جب جیسا ذہن طالب علم
کا ہو پڑھاویں۔ اسکے بعد کوئی تاریخ کی کتاب
یا حکمت عملی کی کتاب جو زبان عربی میں ہو پڑھائیں
اس دوران تتبع کتب اور اس کے مشکلات
کی تعلیم دیتا رہے ....
جب عربی زبان پر مبتدی کو قدرت ہو جائے
تو موطا امام مالک بروائت یحییٰ بن یحییٰ المصمودی
پڑھائیں اسے ہرگز نہ چھوڑیں کیونکہ اصل علم
علم حدیث ہے اور اس کے پڑھنے میں بہت
فیض ہے اور ہمیں اس کا سماع مسلسل ہے
پھر قرآن عظیم اس طرح پڑھائیں کہ صرف
ترجمہ بغیر تفسیر کے ہو مگر جہاں شان نزول
یا قاعدہ نحویہ میں مشکل ہو وہاں ٹھہر جائیں
اور اسکو حل کریں اسکے بعد تفسیر جلالین
بقدر درس پڑھائیں اس طریقہ میں بہت
فیض ہے اسکے بعد ایک وقت کتب حدیث

وکتب فقہیہ وعقائد وسلوک، ودیگر
وقت کتب دانشمندی مثل شرح ملاجامی
وقطبی وغیرآں الاماشاءاللہ، واگر میسر آید
کہ مشکوٰۃ رایک روز بخواند وروز دیگر
شرح طیبی بقدر آنچہ روز اول خواندہ
است بخواند خیلے نافع است [1]

صحیح بخاری ومسلم وغیرہ اور کتب فقہ، عقائد و
سلوک کا درس ہو۔ اور دوسرے وقت کتب
دانشمندی مثل شرح ملاجامی اور قطبی پڑھائیں
الاماشاءاللہ اور اگر ہوسکے تو ایک روز
مشکوٰۃ اور دوسرے روز شرح طیبی اسی
قدر پڑھیں تو بہت نفع ہوگا۔

اس طریقہ سے بڑا فائدہ پہونچتا تھا۔ اس سے طلباء کے اندر غور و فکر کا مادہ پیدا ہوجاتا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں علم فقہ، علم حدیث اور علم تفسیر کے عالم بنکر نکلتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ علوم عقلیہ سے بہرہ مند ہوتے تھے کہ شکوک اور اوہام باطلہ کا رد اچھی طرح حدیث و قرآن کی روشنی میں کرسکتے تھے اور آخری درجہ میں اتنا تو ضرور ہوتا تھا کہ آیات واحادیث میں غور و فکر کرکے ان کے صحیح مطالب سمجھ سکتے اور دوسروں کو اس کی تبلیغ کرسکتے۔

سفرِ حجاز بارہ سالہ دورِ تدریس میں آپ کی فضیلت و عظمت کی صداؤں سے ملک کا گوشہ گوشہ گونج اٹھا حدیث و قرآن کا بازار گرم ہوا فقہ و اصول فقہ کی بحثیں چھڑ گئیں۔ علوم عقلیہ کا چڑھا ہوا سیلاب اتر گیا، لاحاصل قیل و قال، فلسفیانہ موشگافیوں سے طبیعتیں اکتا گئیں۔

یہ سارا فیض اس نصابِ تعلیم اور طریقۂ تعلیم کا تھا جسے آپ نے مرتب اور رائج فرمایا تھا آپ نے محسوس کیا کہ اسلام کے ہندوستان آئے ہوئے صدیاں

[1] وصیت نامہ۔

بیت چکی ہیں مگر علم حدیث آج بھی ضرورت سے بہت کم ہے۔ آپ سے پہلے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس کمی کو محسوس کرکے مسلسل تین سال حجاز مقدس میں رہکر علم حدیث حاصل کیا تھا اور پھر ہندوستان واپس آکر انھوں نے اور ان کے بعد ان کی اولاد نے اس کی اشاعت میں بڑی کوشش فرمائی تھی مگر نامساعد حالات کیوجہ سے اپنے مقصد میں ناکام ہوئے۔

حضرت شاہ صاحب نے دیکھا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی استوار کردہ بنیادوں کے کچھ مٹے ہوئے نشانات ابھی باقی ہیں اگر جد و جہد کرکے ان بنیادوں پر مضبوط عمارت نہ تعمیر کی گئی تو نہیں کہا جا سکتا ہے کہ وہ قائم بھی رہ سکیں گی۔

غور و فکر کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہونچے کہ علم حدیث اس کے معدن یعنی حجاز مقدس سے حاصل کرنا چاہئے چنانچہ زیارت حرمین (زادہما اللہ شرفا) کا شوق دامنگیر ہوا۔

ایک غلط فہمی مرزا حیرت دہلوی جو غالباً مصنف حیات ولی کے ہمعصر ہیں انھوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے سفر حجاز کا یہ سبب تحریر کیا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے فارسی میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا جب اس کی اشاعت ہوئی تو ایک عظیم تہلکہ کٹھ ملاؤں میں برپا ہوگیا اور یہ سمجھے کہ ہماری روزی کی عمارت ڈھادی گئی اب جہلا کبھی ہمارے قبضہ میں نہ آئیں گے۔ اس خیال نے انکے دل میں ایک آگ بھڑکادی اور کفر کا فتویٰ دینے کے علاوہ شاہ صاحب کے جانی دشمن ہوگئے اور قتل کی سازشیں ہونے لگیں۔

ان ملانوں نے (جن کا اثر شہر کے بدوضع لوگوں، اکھاڑے بازوں، اور پٹے بازوں پر تھا) چند بدمعاشوں کو جمع کیا اور انکو شاہ صاحبؒ کے قتل پر ابھارا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ حضرت شاہ صاحب عصر کی نماز فتحپوری میں پڑھ رہے تھے جب سلام پھیرا تو دروازے پر شور و غل کی آوازیں سنائی دیں۔

شاہ صاحبؒ شہر کے دنیا دار ملانوں نے پہلے ہی سے غیر مطمئن تھے چنانچہ آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ بلوائی میری جان کے طلب گار ہیں۔ آپ نے نہایت اطمینان اور سنجیدگی سے جواب دیا مگر جب وہ کسی طرح نہ مانے تو آپ نے اللہ اکبر کا پر جوش نعرہ بلند کیا اور بلوائیوں کے بیچ سے نکل گئے اور وہ آپ کا ایک بال بیکا نہ کر سکے۔

"آگے تحریر کرتے ہیں"

"دہلی میں شاہ صاحب کی قدر نہ تھی ایک ڈوم اور کسبی کی سفارش تو سنی جا سکتی تھی لیکن حضرت شاہ صاحبؒ کی کوئی سننے والا نہ تھا جس روز یہ واقعہ فتحپوری میں پیش آیا اسی روز شاہ صاحب کے سارے کنبے کے افراد جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ان کو یقین تھا کہ یہ ملانے وقت بے وقت جان لیکر ہی رہیں گے۔ لہٰذا ان کے مشورہ سے شاہ صاحب نے سفر حجاز کیا۔"

ہم نہیں کہہ سکتے کہ اتنی فاش غلطی کس تاریخی بنیاد پر کیگئی ہے ایسے بزدلانہ اقدام کا شاہ صاحب جیسے مجدد کے بارے میں تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ شمشیر و سناں کی ضرورت پڑنے پر رستم و اسفندیار جسکے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کریں کم از کم اسکی شان سے یہ فرو تر بات ہے خود شاہ صاحب کی تحریر بھی اس خیال کی تردید کرتی ہے۔[۱]

---

[۱] بعد ازاں دوازدہ سال، شوق زیارت حرمین در سرافتاد (جزء اللطیف) اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سفر حجاز کسی انتشار یا خوف کی وجہ سے نہیں کیا تھا۔

نیز تاریخ بھی اس کی تائید نہیں کرتی چنانچہ خود حضرت شاہ صاحب نے فتح الرحمان کے شروع میں لکھدیا ہے کہ سفر حج سے واپس آیا پانچ سال بعد ترجمہ کا آغاز ہوا۔ اور گیارہ سال بعد پہلی بار اس کی تعلیم شروع ہوئی حضرت شاہ صاحبؒ کی سفر حجاز سے واپسی ۱۱۴۵ھ میں ہوئی تھی اس حساب سے گویا ترجمہ کا کام ۱۱۵۰ھ میں شروع ہوا اور اس کی تعلیم ۱۱۵۶ھ میں شروع ہوئی تو یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ترجمہ سفر حجاز سے پہلے ہی شائع ہو چکا تھا۔ البتہ ہم یہ مانتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے ترجمہ فرمایا تو دہلی کے دنیا پرست مولویوں میں کھلبلی مچ گئی اور انھوں نے شورش پیدا کر دی اور اسی ضمن میں فتحپوری کا وہ واقعہ پیش آیا لیکن شاہ صاحبؒ کے سفر حجاز کا سبب ترجمہ سے پیدا شدہ شورش کو ٹھہرایا ایک ایسی غلطی ہے جس کو عقل و نقل کسی طرح باور کرنے کو تیار نہیں ہے۔

خانہ کعبہ اور روضۂ نبوی پر حاضری

خانہ کعبہ اور روضۂ اطہر صلے اللہ علیہ وسلم پر روحانی مشاہدات و مکاشفات کی صورت میں حضرت شاہ صاحب پر جو فیضان ہوا اس کو آپ نے فیوض الحرمین میں قلمبند فرمادیا ہے فرماتے ہیں۔

اللہ پاک کی سب سے بڑی نعمت جس سے اس نے مجھے سرفراز فرمایا یہ ہے کہ ۱۱۴۳ھ اور اس کے بعد کے سال میں مجھے اپنے مقدس گھر کے حج کی اور اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی توفیق عطا فرمائی لیکن اس سلسلہ میں اس نعمت سے بھی کہیں زیادہ بڑی سعادت جو مجھے میسر آئی وہ یہ تھی کہ اللہ پاک نے اس حج کو میرے لئے مشاہدات باطنی اور معرفت حق کا ذریعہ بنایا۔ اور اسی طرح اس نے نبی علیہ السلام کی اس زیارت کو میرے لئے بصیرت افروز بنایا الغرض اس حج و زیارت کے ضمن میں مجھے جو نعمت عطا کی گئی وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ بلند مرتبہ ہے اور اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اللہ پاک نے حج کے ان مشاہدات باطنی میں جو اسرار و رموز مجھے تلقین فرمائے ہیں ان کو ضبط تحریر میں لے آؤں نیز نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے اپنی زیارت کے دوران جو کچھ میں نے استفادہ کیا ہے اسے لکھ دوں تاکہ خود میرے لئے یادداشت کا کام دے اور میرے دوسرے بھائیوں کو اس سے بصیرت حاصل ہوسکے" [1]

---

[1] دیباچہ فیوض الحرمین۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے حرمین شریفین (زادہما اللہ شرفا) میں کل چودہ مہینہ قیام فرمایا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

والد ماجد چہاردہ ماہ در حرمین بودہ۔ [1] والد ماجد چودہ مہینہ حرمین میں رہے۔

اس چودہ ماہ کے زمانۂ قیام میں آپ نے اپنی اشراقی قوت سے روضۂ انور صلے اللہ علیہ وسلم سے کسب فیض کیا اور بڑے بڑے علماء و مشائخ سے استفادہ بھی

شاہ صاحب کے حجازی اساتذہ

یوں تو حضرت شاہ صاحبؒ نے حجاز مقدس میں متعدد مشائخ سے علم حدیث اور باطنی فیض حاصل کیا۔ لیکن اس سلسلہ میں جن مشائخ سے آپ بہت زیادہ قریب ہوئے وہ یہ ہیں۔

(۱) شیخ وفد اللہ ابن سلیمان مغربی۔
(۲) شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی۔
(۳) شیخ تاج الدین حنفی۔

یہ وہ بابرکت و باعظمت ہستیاں ہیں جو حرمین شریفین میں مسندارشاد و تعلیم پر جلوہ افروز تھیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان مبارک ہستیوں کا مختصر تذکرہ کر دیں، تاکہ صحیح طور پر ان کی عظمت کا اندازہ کیا جا سکے۔

شیخ وفد اللہ

یہ اہل حرمین کے استاذ اور شیخ الحدیث، شیخ سلیمان مغربی کے صاحبزادے تھے حجاز میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے حرمین شریفین کے بڑے بڑے علماء و مشائخ ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے تعلیم

---

[1] ملفوظات ص۹۳

وتربیت اپنے والد صاحب سے حاصل کی تھی۔ اس لئے ظاہر و باطن میں صاحب کمال تھے آپ کو زیادہ تر شہرت علم حدیث میں حاصل تھی لیکن یہ حقیقت ہے کہ آپ تفسیر وفقہ اور ادب جیسے علوم عالیہ میں درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ اہل حجاز آپ کو بھی آپ کے والد کی طرح شیخ الحدیث اور حافظ الحدیث جیسے باتوقیر خطاب سے یاد کرتے تھے۔

کتب علمیہ کے بڑے قدرداں تھے ایک بار کسی شخص کو ایک کتاب فروخت کرتے دیکھا تین ہزار سکہ رائج الوقت دیکر اسے خرید لیا اور پھر بھی اس کو مفت ہی خیال فرماتے تھے۔ آخر عمر تک اسے حرز جان بنائے رہے۔

ایک دفعہ حرم کعبہ میں ایسا سیلاب آیا کہ باشندگان حرم کے غرق ہوجانے کا خطرہ لاحق ہوگیا۔ ہر شخص اپنی جان و مال کی فکر میں تھا۔ لیکن آپ کو دیکھا گیا کہ جان و مال کا خیال کئے بغیر اس کتاب کو سر پر رکھے ہوئے، خانہ کعبہ کے طواف میں مصروف ہیں۔

شیخ وفداللہؒ جس طرح علوم شریعت میں کامل تھے اسی طرح تصوف و طریقت کے رموز و اسرار سے خوب واقف تھے آپ کا شمار شیخ ابو مدین کے اجل خلفاء میں ہوتا تھا۔ آپ کے ہمعصر شیخ تاج الدین فرمایا کرتے تھے کہ شیخ وفداللہ جس طرح علوم روایت میں کمال رکھتے تھے اسی طرح انھوں نے صناعات عجیبہ اور علوم عربیہ کو بام عروج پر پہونچا دیا تھا۔ تفسیر وحدیث کے علاوہ انشاء پردازی اور فصاحت وبلاغت میں مقام خاص کے مالک تھے۔ بالخصوص علم ادب میں تو ضرب المثل تھے۔

شاہ صاحب اور شیخ وفداللہ

حج مبرور کی ادائیگی کے بعد جب حضرت شاہ صاحب شیخ وفداللہ کی خدمت میں پہونچے تو وہ جوش مسرت سے کھڑے ہوگئے اور آگے بڑھ کر شاہ صاحب کا استقبال کیا۔ اور بڑی عزت و توقیر فرمائی۔

شیخ وفداللہ نے جب حضرت شاہ صاحب سے تشریف آوری کی وجہ دریافت فرمائی تو شاہ صاحب نے کہا حضرت میں آپ سے حدیث پاک کی سند لینا چاہتا ہوں۔ اور اسی غرض سے میں ہندوستان سے یہاں حاضر ہوا ہوں" شیخ نے اس کو بخوشی منظور فرما کر ایک وقت مقرر کردیا۔

حضرت شاہ صاحب نے آپ کی مجلس درس میں آمد و رفت شروع کردی اور موطا امام مالکؒ بروایت یحییٰ بن یحییٰ اول سے آخر تک پڑھکر تمام مرویات کی سند نہایت قلیل عرصہ میں حاصل فرمائی۔

شیخ ابوطاہر مدنیؒ

شیخ ابوطاہر بچپن ہی سے بڑے ذہین اور عالی دماغ تھے فطری طور پر آپ کو تحصیل علوم کا ذوق و شوق تھا۔ آپ بڑے بڑے علماء اور کبار مشائخ کی مجالس میں شرکت فرماتے اور ان کے فیوض و برکات سے اپنے دامن طلب کو پُر کرتے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد جب آپ کے اندر علمی قابلیت پیدا ہوگئی تو آپ کے والد شیخ ابراہیمؒ نے ـــــ تصوف کا چسکا ڈال دیا۔ اسی وجہ سے ایام شباب ہی میں آپ سلوک میں مقامات عالیہ کے مالک ہوگئے اور اپنے والدؒ سے خرقۂ اجازت حاصل فرمایا ان کے علاوہ اور دوسرے مشائخ سے بھی خرقۂ اجازت حاصل کیا ان میں سے

ایک بزرگ شیخ محمد و فد اللہ بھی ہیں۔

آپ نے کتب عربیہ سید احمد مغربی سے پڑھیں جو اپنے زمانہ میں سیبویہ کہے جاتے تھے۔ اور علوم عربیہ میں مقام انتہا پر فائز تھے آپ حدیث و فقہ اور تفسیر میں بے نظیر تھے اتقا و پرہیز گاری میں عدیم المثال تھے۔

مسلکاً آپ شافعی تھے۔ فقہ شافعی شیخ علی مصری سے پڑھی اور معقولات کا درس روم کے مشہور ترین عالم نجم باشی سے لیا۔

علم حدیث کی جملہ کتب اپنے والد شیخ ابراہیم کروی سے پڑھیں پھر تکمیل علوم اور حصول سند و اجازت کے لئے پہلے شیخ حسن عجمی کی خدمت میں اور پھر شیخ احمد نخلی اور شیخ عبداللہ مصری کے پاس حاضر ہوئے۔

علم کے حاصل کرنے میں آپ بڑے وسیع الخیال تھے علماء حرمین میں آپکو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ آپ نے عجمی علماء و مشائخ سے فیوض حاصل کرنے میں کبھی کسر شان نہ سمجھی چنانچہ آپ کے اساتذہ میں شیخ عبداللہ لاہوری اور شیخ سعید کوکنی کے نام نظر آتے ہیں۔

احتیاط

آپ کے علم پر علماء و فقہا کو بڑا اعتماد تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ اتنے محتاط تھے کہ کسی بات کا جواب اس وقت تک ہرگز نہ دیتے جب تک کہ کتابوں کا اچھی طرح تتبع نہ کر لیتے ایسی چیز نے آپ کے علم میں جلا پیدا کر کے آپ کو کندن بنا دیا تھا۔

اخلاق و عادات

اخلاق و عادات میں آپ اپنی مثال آپ تھے باینہمہ علم و فضل اپنے خادموں اور کم عمروں سے بھی عاجزی اور

انکساری سے پیش آتے۔ خادم سے اگر کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تو نہایت نرمی اور آہستگی سے فہمائش کر دیتے لیکن غصہ ہرگز نہ ہوتے۔

رقیق القلب اتنے کہ احادیث رقاق پڑھتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے

حضرت شاہ صاحبؒ آپ کے متعلق فرماتے ہیں کہ

"میں نے علمائے حرمین میں اکثر سے ملاقات کی لیکن میں نے بجز شیخ ابوطاہر کے اور کسی کو مکارم اخلاق اور علم کا جامع نہیں پایا۔

شیخ کا سارا وقت تدریس حدیث، مطالعہ کتب، عبادات و ریاضات مراقبہ و محاسبہ میں بسر ہوتا تھا۔ ان کی اپنی زندگی میں کوئی ایسا وقت نہ تھا جس کو فاضل یا بیکار کہا جا سکتا۔

شاہ صاحب اور شیخ ابوطاہر

حضرت شاہ صاحبؒ مکہ مکرمہ سے فراغت کے بعد جب مدینہ منورہ پہونچے تو روضۂ مبارک پر حاضری دیکر مراقب ہوئے اس کے بعد شیخ ابوطاہرؒ کی مجلس درس میں حاضر ہوئے اور حدیث صحاح سنانا شروع کیں۔

شیخ ابوطاہرؒ کا دستور تھا کہ درس میں جہاں کہیں ضرورت محسوس کرتے نہایت مختصر مگر جامع تقریر فرماتے حضرت شاہ صاحب اکثر اشکالات وارد کرتے اور شیخ نہایت خندہ پیشانی سے سنکر ان کا تشفی بخش جواب دیتے۔

درس حدیث میں ایک روز حضرت شاہ صاحب کے اشکال کا سلسلہ اتنا دراز ہو گیا کہ درس کا سارا وقت ہی ختم ہو گیا مگر شیخ کے ماتھے پر شکن آئی نہ

کبیدگی کے آثار ظاہر ہوئے۔

شیخ ابوطاہر مدنی ابن العربی کے فلسفہ کے علمبردار تھے۔ حضرت شاہ صاحب کی زندگی میں جہاں کہیں ابن العربی کے نقوش ملتے ہیں وہ آپ ہی کی تعلیمات کے لطیف اثرات ہیں۔

شیخ ابوطاہر حضرت شاہ صاحب سے بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے جب حجاز سے واپسی کا ارادہ کیا اور آخری بار آپ خدمت میں حاضر ہوئے اور والہانہ انداز میں جب یہ شعر پڑھا۔

نسیت کل طریق کنت اعرفہ   الا طریقا یودینی الی ربعکم

میں اپنے جانے پہچانے سارے راستے بھول گیا سوائے اس راستہ کے جو آپ کے گھر تک پہونچائے۔"

تو شیخ پر ایک کیفیت طاری ہوئی۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ

بمجرد شنیدن آں بکا بر شیخ غالب وبغایت متاثر شد[1]	سنتے ہی شیخ پر کیفیت گریہ طاری ہوئی اور بہت ہی متاثر ہوئے۔

شیخ ابوطاہر حضرت شاہ صاحب کی فطری ذہانت اور خداداد بصیرت کی بہت ہی تعریف بیان کیا کرتے تھے۔ چنانچہ شیخ نے فرمایا۔

یسند عنی اللفظ وکنت اصحح المعنی منہ[2]	مجھسے وہ (یعنی شاہ صاحب) حدیث کے الفاظ کی سند لیتے ہیں اور میں ان سے حدیث کے معنی کی تصحیح کرتا ہوں۔

---

[1] تذکرہ [2] ایضا۔

شیخ ابو طاہر نے آپ کو سند حدیث بھی عطا فرمائی اور ایک خرقۂ خلافت و اجازت بھی جو سارے سلاسل کو جامع تھا اور اپنے دستِ مبارک سے پہنایا۔ گویا اسطور پر علوم ظاہر و باطن کی تکمیل فرمائی۔

مصنفِ حیات ولی کا بیان ہے کہ شیخ اپنی کبرسنی اور ضعف و نقاہت کے باوجود چلتے وقت شاہ صاحب کو کافی دور تک رخصت کرنے پیدل تشریف لے گئے ہندوستان واپس آنے کے بعد حضرت شاہ صاحب اور شیخ ابو طاہر میں سلسلہ مکاتبت جاری رہا۔ جانبین کے مکتوبات سے پتہ چلتا ہے کہ تلمیذ و استاذ، مرید و پیر میں کتنے گہرے تعلقات تھے۔

شیخ تاج الدین

آپ قاضی عبدالمحسن کے فرزند رشید تھے آپ نے بہت سے مشائخ کی خدمت میں رہ کر حدیث کا علم حاصل کیا۔ اور مروجہ علوم و فنون میں بھی مہارت تامہ حاصل کی۔

اہل مکہ آپ کی بڑی عزت کرتے تھے اور مفتی مکہ کے معزز لقب سے مشہور تھے اپنے زمانہ میں فقہ حنفی کے دوسرے باز و شمار کئے جاتے تھے۔

علم فقہ میں شیخ صالح زنجانی کے شاگرد تھے۔ حدیث میں نسائی شریف شیخ محمد بن سلیمان سے اور بخاری و مسلم شیخ حسن عجمی سے پڑھیں اور اکثر کتب حدیث میں شیخ عبداللہ بن سالم البصری کی شاگردی اختیار فرمائی آپ کے اساتذہ میں ان کے علاوہ شیخ احمد علی اور شیخ احمد قطان بھی قابل ذکر ہیں آپ نے درس و تدریس کا طریقہ شیخ احمد قطان ہی سے سیکھا تھا۔ اور اجازت وسند

سلہ حیات ولی صـ۱۲

بھی حاصل فرمائی تھی۔

اپنے استاذ شیخ احمد قطان کے وصال کے بعد مالکی مصلیٰ پر بیٹھ کر ان کے قائمقام بن کر درس حدیث کا سلسلہ شروع فرمایا۔ آپ کو علم حدیث میں ایسا کمال حاصل تھا جس پر آپ کے اساتذہ و مشائخ کو پورا، پورا اعتماد تھا۔

شاہ صاحبؒ اور شیخ تاج الدینؒ

جب حضرت شاہ صاحبؒ شیخ تاج الدین حنفی کی خدمت میں حاضر ہوئے بخاری شریف کا درس ہو رہا تھا۔ دو تین روز تک آپ برابر درس میں شریک ہوتے رہے اور بخاری شریف کی سماعت فرمائی اسکے علاوہ صحاح ستہ کے بعض مشکل مقامات اور موطا امام مالک اور مسند دارمی، کتاب الآثار، موطا امام محمد کی بھی سماعت کی جس وقت شیخ نے عام اہل مجلس کو ان کتابوں کی اجازت دی آپ بھی شریک تھے۔ لیکن شیخ تاج الدین نے آپ کو ازراہِ کرم خصوصیت کے ساتھ علیحدہ بھی اجازت دی اور صرف زبانی اجازت پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ تحریری اجازت نامہ عطا فرما کر مزید عزت افزائی فرمائی [1]

حضرت شاہ صاحب نے حجاز مقدس میں اس بات کی طرف خاص توجہ فرمائی کہ جو کتابیں ہندوستان میں نایاب تھیں آپ نے ان کو جس قیمت سے بھی دستیاب ہو سکیں خرید فرمائیں۔ اور اس سلسلہ میں آپ نے نہایت فراخدلی کا ثبوت دیا۔

علامہ ابن اثیر کی ایک کتاب "النہایہ فی غریب الحدیث والاثر" مشہور ہے

---

[1] حیات ولی۔

اس کا ایک قلمی نسخہ دارالعلوم دیوبند کے نادر کتب خانہ میں موجود ہے یہ نسخہ حضرت شاہ صاحب کی ملکیت میں رہ چکا ہے اس کو آپ نے مکہ مکرمہ میں خریدا تھا۔ چنانچہ اسی کتاب کے آخری صفحہ پر حضرت شاہ صاحب کے دستخط کے ساتھ یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

این کتاب در مکہ مکرمہ بقیمت سہ صد روپیہ از عبداللہ دمشقی خرید شد۔	یعنی یہ نسخہ مکہ مکرمہ میں عبداللہ دمشقی سے تین سو روپیہ میں خریدا گیا۔

حجاز مقدس کے قیام کے زمانہ میں آپ نے علم حدیث بھی حاصل فرمایا اور بزرگوں سے کسب فیض بھی کیا۔ اس سلسلہ میں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آپ کو بلاواسطہ حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے روحانی فیض حاصل ہوا اور یہ عام طور پر روضۂ مبارک پر دیر تک مراقب رہنے کی صورت میں ہوتا تھا۔ اور کبھی کبھی خود حضرت رسالتمآب کی جانب سے خواب میں ان فیوض سے مالامال کئے جاتے تھے اپنے مکاشفات و مشاہدات آپ نے اپنے ایک رسالہ فیوض الحرمین میں جمع فرمادیئے ہیں۔

تاریخی خواب آپ کو بعض ایسے خواب بھی دکھائے گئے جن کا تعلق ہندوستان کے حالات سے تھا۔ اور جن میں آپ کو ایک خاص مقام پر فائز کئے جانے کی بشارت بھی تھی۔ ان میں سے ایک وہ خواب ہے جو ۲۱ ذیقعدہ ۱۱۴۴ھ شب جمعہ کو آپ نے دیکھا۔ ہم افادۂ عام کے لئے اسے بجنسہٖ نقل کئے دیتے ہیں۔

رأیتنی فی المنام قائم الزمان	میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ قائم الزمان ہوں

اعنی بذالک ان اللہ تعالٰی
اذا اراد شیئًا من نظام الخیر
جعلنی کالجارحۃ لاتمام
مرادہ ورأیت ان ملک
الکفار قد استولی علی بلاد المسلمین
ونھب اموالھم وسبا ذریتھم
واظھر فی بلدۃ اجمیر شعائر
الکفر وابطل شعائر الاسلام
(العیاذ) فغضب اللہ علی اھل
الارض غضبا شدیدا ورأیت
صورۃ ھٰذا الغضب متمثلۃ
فی الملاء الاعلٰی ثم ترشح الغضب
الیّ فرأیتنی غضبانا من جھۃ
نفث من تلک الحضرۃ فی نفسی
لا من جھۃ ما یرجع الی ھٰذا
العالم وانا ساعتئذ فی جم
غفیر من الناس منھم الروم
ومنھم الازابکہ ومنھم العرب
بعضھم رکبان الابل وبعضھم

جس کا مطلب یہ ہے اللہ تعالٰی جب بھلائی اور خیر
کے کسی نظام کو قائم فرمانا چاہتے ہیں تو اس وقت مجھے اس
مقصد کی تکمیل کیلئے گویا ایک آلہ اور واسطہ بناتے ہیں
اور میں نے دیکھا کہ کفار کا راجہ (بادشاہ) مسلمانوں کے
شہروں پر مسلط ہو گیا ہے اور انکے اموال کو اس نے لوٹ
لیا ہے انکی عورتوں اور بچوں کو گرفتار کر لیا اور شہر اجمیر
میں اس نے کفر کے شعائر کا اعلان کر دیا اور شعائر
اسلام کو اسنے مٹا دیا (العیاذ باللہ) پھر اسکے بعد دیکھا
کہ زمین کے باشندوں پر حق تعالٰی غضبناک ہوئے
اور سخت غضبناک۔ اور میں نے حق تعالٰی کے اس
غصہ کی صورت کو ملاء اعلٰی میں متمثل ہوتے ہوئے دیکھا
پھر وہاں سے ٹپک ٹپک کر وہی غضب الٰہی میرے
اندر اترا پھر میں نے اپنے آپ کو غضب ناک پایا
اور یہ غضب جو مجھ میں بھر گیا حضرت الٰہیہ کی جانب
سے مجھ میں دم کیا گیا تھا۔ اس کا منشا کوئی ایسی
چیز نہ تھی جس کا تعلق اِس عالم سے ہو۔ اور
میں نے اس وقت اپنے کو ایک بڑے مجمع میں
پایا۔ جس میں روم والے بھی تھے اور ازبکی
(ترکی) بھی اور عرب بھی۔ اور بعض ان میں

فرسان وبعضهم مشاة على
اقدامهم واقرب ما رأيت
شبها بهؤلاء الحجاج يوم عرفة
ورأيتهم غضبانا بغضبي و
سألوني ماذا الحكم الله في
هذه الساعة قلت قلع كل
نظام قالوا الى متى. قلت الى
ان تروني قد سكت غضبي فجعلوا
يتقاتلون بينهم ويضربون ابلهم
فقتل منهم كثير. وانكسرت
رؤس ابلهم وشفاهها. ثم
تقدمت الى بلدة اضربها واقتل
اهلها. فتبعوني في ذالك و
كذالك بلدة بعد بلدة حتى
وصلنا الاجمير. وقتلنا هنالك
الكفار واستخلصناها منهم و
سبينا ملك الكفار ثم رأيت
ملك الكفار يماشي مع ملك
الاسلام في نفر من المسلمين

اونٹوں کے سوار تھے اور بعض گھوڑے سوار
اور بعض پیدل. قریب قریب اس گروہ کی حالت ایسی
معلوم ہوتی تھی جیسے یوم عرفہ میں حجاج کی ہوتی ہے
پھر میں نے انکو بھی اپنے غضبناک ہونیکی وجہ سے غصہ میں
بھرا پایا. ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ اسوقت
اللہ تعالٰی کا کیا حکم ہے میں نے کہا کہ "ہر نظام
اور آئین کو توڑ دینا یہی حکم ہے" انھوں نے
دریافت کیا یہ حال کب تک رہے گا. میں نے کہا کہ
اسوقت تک جب تک تم میرے غصہ کو ٹھنڈا ہوتا
ہوا نہ پاؤ. پھر وہ باہم لڑنے لگے اور جانوروں
کو مارنے لگے پھر ان میں سے بہت سے مارے
گئے اور ان کے اونٹوں کے سر ٹوٹے اور لاغر
ہوئے. پھر میں ایک شہر کی طرف اسے برباد کرتے
ہوئے اور اس کے باشندوں کو قتل کرتے
ہوئے آگے بڑھا. لوگ میرا ساتھ دے رہے تھے
یونہی ایک شہر کے بعد دوسرے شہر کو برباد و تباہ
کرتے ہوئے ہم بالآخر اجمیر پہونچ گئے. اور وہاں ہمنے
کفار کو قتل کیا پھر میں نے کفار کے بادشاہ کو دیکھا
کہ وہ اسلام کے بادشاہ کے ساتھ مسلمانوں کے ایک

فامر ملك الاسلام فی اثناء ذالك بذ بجہ فبطش بہ القوم وضربوہ وذبحوہ بسکین فلما رائیت الدم یخرج من اودجہ متد فقا قلت الان نزلت الرحمۃ ورائیت الرحمۃ والسکینۃ شملت من باشر القتال من المسلمین وصار واس حومین فقام الی رجل وسالنی عن المسلمین اقتتلوا فیما بینہم فتوقفت عن الجواب ولم اصراح۔

گروہ میں ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ اتنے میں اسلام کے بادشاہ نے کفار کے بادشاہ کے متعلق حکم دیا کہ اسکو ذبح کردیا جائے اور لوگوں نے اسے پکڑ کر دے پٹکا۔ پھر ایک چھری سے اسے ذبح کردیا میں نے جب دیکھا کہ اسکی گردن کی شہ رگوں سے خون اچھل اچھل کر نکل رہا ہے تب میں نے کہا کہ اب رحمت نازل ہوگئی۔ اور میں نے دیکھا کہ یہ جو مسلمانوں میں لوگ جنگ میں شریک تھے انکو اس رحمت وسکون نے احاطہ کرلیا اور انپر رحم کیا گیا پھر ان میں سے ایک آدمی اٹھکر میرے پاس آیا اور ان مسلمانوں کے متعلق پوچھا جو باہم لڑتے تھے میں جواب میں خاموش ہوگیا اور کوئی تصریح میں نے نہیں کی"[1]

اس خواب کے علاوہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک تاریخی خواب کا اور ذکر فرمایا ہے جس میں اجمالی طور پر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ سے مستقبل میں دین کی خدمت کس طور پر لی جائے گی۔ یہ خواب حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی مختلف تحریروں میں محفوظ فرما دیا ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ کے دیباچہ[2] میں، "در ثمین" اور "فیوض الحرمین" میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ ہم اسی آخر الذکر کتاب سے یہاں پر نقل کر رہے ہیں اس خواب کی تاریخ حضرت شاہ صاحب نے دس صفر ۱۱۴۴ھ تحریر فرمائی ہے۔

---

[1] فیوض الحرمین صـ۹۰-۹۱ [2] صـ۳ مطبوعہ رشیدیہ دہلی۔

كان الحسين والحسن رضي الله عنهما نزلا في بيتي وبيد الحسن رضي الله تعالى عنہ قلم قد انكسر لسانه وبسط الي يده ليعطيني وقال هذا قلم جدي رسول الله صلے الله عليه وسلم ثم قال حتى يصلحه الحسين فليس ما اصلح الحسين كما لم يصلحه فاخذه الحسين رضي الله عنه واصلحه ثم ناولنيه فسررت به ثم جيئ بردآء فخطط فيه خط اخضر وخط ابيض فوضع بين يديهما فرفعه الحسين رضي الله عنہ وقال هذا ردآء جدي رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم البسني فوضعته على راسي تعظيما وحمدت الله تعالى[1]

گویا حسین اور حسن رضی اللہ عنہما میرے گھر تشریف لائے ہیں اور حسن رضی اللہ عنہ کے دست مبارک میں ایک قلم ہے جس کی نوک ٹوٹی ہوئی ہے حضرت حسن نے ہاتھ بڑھایا تاکہ وہ قلم مجھے عطا فرمائیں اور فرمایا یہ قلم میرے نانا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے مگر پھر آپ بولے حسین اسے درست کرلیں (تب دونگا) حسین جیسا درست کرسکتے ہیں کوئی دوسرا اتنا درست نہیں کرسکتا۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس قلم کو لے لیا اور درست فرمایا۔ اسکے بعد مجھے عطا فرمایا میں اس انعام سے بہت خوش ہوا۔ پھر ایک چادر لائی گئی جس میں دھاریاں تھیں ایک دھاری سبز تھی اور ایک سفید۔ پہلے یہ چادر ان دونوں حضرات کے سامنے رکھی گئی پھر حضرت حسین نے اسے اٹھایا اور فرمایا کہ یہ چادر میرے نانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے پھر وہ چادر مجھے اڑھادی گئی تب میں نے تعظیما اسکو سر پر رکھ لیا اور حق تعالے کا شکر ادا کیا۔

---

[1] فیوض الحرمین مشہد ششم

نمونے کے طور پر ہم نے یہ دو خواب فیوض الحرمین سے نقل کئے ہیں یہ دونوں خواب بہ نسبت اور دوسرے خوابوں کے غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ جو کارنامے آپ نے واپسی پر ہندوستان میں انجام دئے ہیں ان سب کا اجمالی خاکہ ان دو خوابوں میں بہت پہلے آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا آپ کی جدوجہد آپ کی متحرک زندگی گویا اسی اجمال کی تفصیل ہے اور شائد ان کی اہمیت ہی کے پیش نظر حضرت شاہ صاحبؒ نے خلاف معمول ان دو خوابوں کی تاریخ بھی تحریر فرمادی ہے ورنہ ان کے علاوہ فیوض الحرمین کے سارے مشاہدے الہامات اور رویائے صالحہ بلا قید تاریخ و سنہ تحریر فرمائے ہیں اسکو محض "اتفاق" پر محمول کرنا میرے خیال میں درست نہو گا۔

مشاہدات والہامات کے سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت شاہ صاحب کو اگر کسی حدیث کے بارے میں یا اسکی توجیہ میں کچھ تردد ہوتا یا فقہی مسائل اور اپنے نظریات کی تحقیق میں فکر مند ہوتے تو براہ راست ان کو بارگاہ رسالتمآب صلے اللہ وعلیہ وسلم میں پیش کرتے۔ وہاں سے آپ کو ایسا جواب ملتا جس سے پورے طور پر تشفی اور اطمینان ہو جاتا۔

"فیوض الحرمین میں جگہ جگہ آپ نے ان باتوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں پہلے آپ کو کسی قسم کا خلجان تھا لیکن بارگاہ نبوت سے راہنمائی کے بعد آپ کو شرح صدر ہو گیا۔

حجاز سے واپسی

بہر حال حضرت شاہ صاحبؒ نے تنگی داماں کی شکائت کئے بغیر خوب خوب ظاہری و باطنی فیوض سے مالامال ہو کر اخیر ۱۱۴۴ھ میں دوبارہ ارکان حج ادا فرمائے اور ابتدا ۱۱۴۵ھ میں طن مالوف دہلی

کی طرف متوجہ ہوئے اور ۱۴ ررجب بروز جمعہ بصحت و عافیت دہلی رونق افروز ہوئے
واپسی کی خبر سن کر دلی کے اہل علم اور صوفیا کرام بیحد مسرور ہوئے بالخصوص
مدرسہ رحیمیہ کے اساتذہ و طلباء کا کیا پوچھنا۔

جدوجہد کا مرکز

کچھ روز آرام کرنے کے بعد آپ نے سلسلہ درس شروع فرمادیا مدرسہ رحیمیہ کو آپ نے جدوجہد کا مرکز بنایا۔ طلباء جوق درجوق اطراف ہند سے آآکر مستفید ہونے لگے۔

طلبہ کی اتنی کثرت اور اتنا ہجوم ہوا کہ مدرسہ میں جگہ کی قلت اور تنگی ہوگئی یہ دیکھکر مغل بادشاہ محمد شاہ (رنگیلا) نے شاہجہان آباد کے ایک محلہ کوچہ فولاد خان عقب کلاں محل میں ایک وسیع مکان عطا فرمایا مکان کیا تھا ایک اچھی خاصی حویلی تھی۔ دلی کے پرانے کھنڈرات کے سب سے بڑے ماہر مولوی بشیر احمد صاحب اپنی ایک کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ مدرسہ کسی زمانہ میں نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا اور بڑا دارالعلوم سمجھا جاتا تھا[۱] حضرت شاہ صاحب کے بعد آپ کے صاحبزادوں نے اس مدرسہ کی ذمہ داری سنبھالی اور ایک مدت دراز تک یہ چشمۂ علوم سارے ہندوستان کو سیراب کرتا رہا۔ ایک دوسرے مقام پر یہی مولوی بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں "جب شاہ صاحب کے صاحبزادوں میں کوئی نہ رہا تو مولانا محمد اسحٰق صاحب نے مدرسہ کی خدمت اپنے ذمہ لی ۱۲۵۶ھ میں آپ نے ہجرت کی تو مولانا مخصوص اللہ صاحب اور مولانا موسیٰ صاحب خلف حضرت مولانا رفیع الدین صاحب اس کی نگرانی فرماتے رہے۔ ان حضرات نے بھی ۱۸۵۶ء میں انتقال فرمایا۔ تو صرف مولوی

---

[۱] دارالحکومت دہلی ص ۲۸۶ ج ۲

محمد موسیٰ صاحب کے ایک صاحبزادے میاں عبدالسلام صاحب نہایت صغر سن رہے اور ایک صاحبزادی رہ گئیں۔ خاندان بھر میں کوئی ایسا نہ تھا جو عبدالسلام صاحب کو پڑھا تا لکھاتا۔ غرض یہ سلسلہ جو کئی پشت سے اس خاندان میں جاری تھا بند ہو گیا "غدر" میں مکانات لوٹ لئے گئے گرا دیئے گئے، کڑیاں تختے تک لوگ اٹھا لے گئے۔ "خانہ خالی را دیو میگیرد" ایک "شریف گردی" تھی کہ الٰہی توبہ! جس کی لاٹھی اس کی بھینس جس کا جس پر قابو چلا قابض ہو گیا اب متفرق لوگوں کے مکان اس جگہ بن گئے ہیں مگر محلہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسہ کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے اس خاندان میں سوائے ایک آدھ خاتون عصمت کے اور کوئی نام لیوا اور پانی کا دیوا باقی نہیں رہا ہے۔"

اور یہ حویلی اور اس کے اندر بنے ہوئے وہ مکانات جو شاہ عبدالعزیز نے اپنے نواسوں شاہ محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب صاحب کو بنوا دئے تھے بعد میں سارے کے سارے لالہ شیو پرشاد کی جائداد ہو گئی اور اس سے دردانگیز اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ

"اس گلی پر مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس کا تختہ لگا دیا گیا ہے[1]"

جس مکان کو محمد شاہ نے مدرسہ کیلئے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا تھا اس کے علاوہ کوئی دوسری جائداد کا تاریخ میں پتہ نہیں چلتا جس سے مدرسین اور طلباء کے اخراجات پورے ہوتے تھے۔ ہمارے خیال میں حضرت شاہ صاحب ہی کی ذات گرامی ان سارے اخراجات کی کفیل تھی۔ وہ جہاں کہیں سے بھی بندست

---

[1] دار الحکومت دہلی صفحہ ۱۶۲ ج ۲

فرماتے ہوں۔ چنانچہ اتنی تصریح ملتی ہے جس سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے
"سیکڑوں طلبہ جو تحصیل علم کی غرض سے آپ کی درسگاہ میں داخل ہوتے انکے خورد و نوش اور ضروری حاجات کا انتظام اپنی ذاتِ خاص سے کرتے۔"

لیکن یہ سرمایہ آپ کے پاس کہاں سے آتا تھا۔ کوئی آبائی جائداد تھی یا اور کسی قسم کی مستقل آمدنی تھی جس سے یہ سارے اخراجات بخیر و خوبی انجام پذیر ہوتے رہتے؟ تاریخ اسکے جواب سے خاموش ہے کسی جائداد اور مستقل آمدنی کا بالکل پتہ نہیں چلتا البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ

"آپ کے پاس وہ غیبی سامان مہیا تھا جسکی وجہ سے کسی امداد اور وظیفہ کی ضرورت نہ تھی۔ آپ کی فیاضی کی شہرت عالمگیر تھی۔"[1]

ظاہر ہے کہ غیبی سامان کی توجیہہ اس کے سوا اور کیا کی جا سکتی ہے کہ وہ ذات جو سب کو روزی رسان اور مسبب الاسباب ہے اسنے خزانہ قدرت سے سب انتظام کر رکھا تھا۔ جس کا واسطہ اسنے حضرت شاہ صاحب کی ذات گرامی کو بنایا تھا اور حضرت شاہ صاحبؒ کے متعلق اس قسم کے انکشاف سے چونکنا نہ چاہیئے کیونکہ یہ توکل ان کی موروثی جائداد تھی۔ حضرت شاہ ابو الرضا، حضرت شاہ عبدالرحیمؒ

---

[1] حیات ولی ص۴۹۱ لیکن مولانا نورالحق صاحب نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ، حافظ الملک نواب رحمت خان والی بریلی کی سرکار سے سیکڑوں طلبہ کو ماہوار امداد ملتی تھی، جو شاہ صاحب کے مدرسہ میں تعلیم پاتے تھے ملاحظہ ہو، شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، ص۲۷ اسی طرح صاحب مقالات طریقت کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ تین موضع آپ کی جاگیر میں تھے ص۲۶

آپ سے پہلے اس صفت میں درجۂ کمال تک پہونچے ہوئے تھے اور آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے بالخصوص حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور حضرت شاہ عبدالقادرؒ نے اس سلسلہ میں بھی اپنے آپ کو اپنے پہلوں کا نمونہ ثابت کیا بہرحال حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو نہ تو حکومت وقت سے کوئی وظیفہ ملتا تھا اور نہ ہی ان کی کوئی آبائی جائداد تھی جس سے سارا خرچ پورا ہوتا، بلکہ اسکا دار و مدار آپ کی ان فتوحات پر تھا جو آپ کو منجانب اللہ حاصل تھیں۔

نظم وضبط

بچپن ہی میں آپ نے اپنی عمر کے ایک ایک لمحہ کو کام میں صرف کرنے کی عادت بنائی تھی اور ہم عرض کرچکے ہیں کہ اس سلسلہ میں شاہ عبدالرحیم بڑی نگرانی فرماتے تھے اسی لئے کسی وقت کو بیکار چھوڑنا یا ضائع کرنا آپ کو گوارہ نہوتا تھا۔ اور دنیا میں جتنے بھی ایسے لوگ گزرے ہیں جنھوں نے کوئی نمایاں کارنامہ انجام دیا ہے انھوں نے اپنے وقت کی قدر پہچانی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب حجاز مقدس سے واپس تشریف لائے تو آپ سراپا جہد مسلسل ثابت ہوئے اپنے اوقات عزیز کو مختلف اہم امور کے لئے تقسیم کرلیا تھا۔ جسپر ساری عمر پابندی سے عمل پیرا رہے ہر کام کو اس کے ٹھیک وقت پر کرنا گویا آپ کا خاصہ ہوگیا تھا حتیٰ کہ اوقات میں کبھی خلط ملط تک نہوا۔ پابندیٔ اوقات کے اتنے خوگر ہوگئے تھے کہ سوتے وقت کھجلانے کی کچھ عادت سی ہوگئی تھی۔ اتفاق سے ایکبار خارش کا عارضہ ہوگیا۔ لیکن آپنے اس خارش کی وجہ سے اپنے مقررہ کاموں میں فرق نہ آنے دیا۔ اور دن بھر خارش کی طرف توجہ فرماتے اور نہ کھجلاتے رات کو سونے کیلئے جب چارپائی پر تشریف لیجاتے تو حسب عادت کھجلی کھجلایا کرتے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

بعد اشراق کہ می نشست تا دوپہر زانو بدل نمی کرد، و خارش نمی نمود و آبِ دہن نمی انداخت [1]

اشراق کے بعد جو بیٹھ جاتے تو دوپہر تک نہ زانو بدلتے نہ کھجلاتے، نہ دہن مبارک سے تھوک پھینکتے۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب اپنے کام میں کسقدر انہماک سے مشغول ہوتے تھے ایسے شخص کے بارے میں اضاعت وقت کا تصور کرنا بھی ناممکن ہے۔

حجاز مقدس سے واپسی پر آپ کے اندر ایک خاص قسم کا تغیر ہوگیا تھا پہلے جو رنگ تھا وہ پھیکا پڑ گیا تھا۔ علوم عقلیہ سے جو دلچسپی تھی وہ باقی نہ رہی تھی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہٗ آپ کے انھیں حالات پر تبصرہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

چنانچہ مستفیضان سابق ہرگز احساس نسبتِ سابق نمی کردند۔

(یعنی) چنانچہ جن لوگوں نے حضرت شاہ صاحب سے پہلے فیض پایا تھا (یعنی شاگرد و مرید) وہ پہلی نسبت کا آپ میں بالکل احساس نہیں کرتے تھے۔

اور یہ ساری کیفیات آپ کے اندر اس خواب کے بعد رونما ہوئیں جس میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے آئندہ دینی خدمات کی جانب اشارہ کیا گیا تھا خود حضرت شاہ صاحب نے اس خواب کے بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ

من یومئذ انشرح صدری للتصنیف

اسی دن سے میرا سینہ شرعی علوم میں تصنیف

---

[1] ملفوظات ص۴۳

فی العلوم الشرعیۃ ؎۱ کے لئے کھل گیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنے والد صاحب کے اس خواب کا تذکرہ فرمایا تو اسکے بعد یہ الفاظ بھی ارشاد فرمائے۔

"حال نسبت وعلم وتقریر دگرگوں شد۔" یعنی والد صاحب کی باطنی نسبت اور علم و تقریر ساری باتوں کی حالت پھر اور ہی ہو گئی

اوقات کی تقسیم

اس تبدیلی کا یہ نتیجہ ہوا تھا کہ حضرت شاہ صاحب نے اپنے اوقات عزیز چند مخصوص کاموں کے کیلئے تقسیم کریا اور مدرسہ رحیمیہ کے تعلیمی کام اپنے خاص خاص شاگردوں کے سپرد کر دیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

"حضرت والد ماجد از ہر یک فن شخصے تیار کردہ بودند و طالب ہر فن باشے می سپردند" والد ماجد نے ہر فن کیلئے ایک ایک شخص تیار کر لیا تھا جس فن کا جو طالب علم ہوتا اسکو اسی فن کے استاد کے سپرد فرما دیتے۔

اور اپنے لئے کل تین چیزیں مخصوص کرلی تھیں۔

"خود مشغول معارف گوئی و نویسی بودند وحدیث می خواندند" یعنی خود معارف کے بیان کرنے اور لکھنے کا کام کرتے اور صرف حدیث پاک کا درس دیتے

اور یہ تینوں کام کس ذوق وشوق اور انہماک کے ساتھ انجام دیتے تھے اسکا ذکر ہم گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں کہ اشراق کی نماز اور ذکر و اذکار سے فراغت کے بعد جب بیٹھ جاتے تو دوپہر تک نہ تو زانو بدلتے اور نہ کھجلاتے۔ اور نہ دہن مبارک سے تھوک ہی

؎۱ درثمین ص۳۳ ۔

پھٹکتے۔ ملنے ملانے والوں اور باہر سے آمد و رفت کرنے والوں کو رات دن میں کوئی ایسا موقع بہت ہی مشکل سے ملتا جس میں آپ اپنے ان مشاغل سے خالی نظر آتے[1]

علمی خدمات

حضرت شاہ صاحبؒ کی جلیل القدر علمی خدمات کا ہم اس وقت تک صحیح طور پر اندازہ نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمارے سامنے وہ ماحول نہ ہو جس میں انہوں نے یہ خدمات انجام دیں۔

شاہانِ مغلیہ کی تاریخ سے جو حضرات بخوبی واقف ہیں وہ یہ بات جانتے ہیں کہ ان کے زمانہ میں علوم دینیہ کی خاطر خواہ سرپرستی نہیں کی گئی[2] ہندوستان میں ان کا دورِ حکومت کامل ایک ہزار سال تک رہا لیکن اس سارے زمانہ میں اگر ہم کسی "دارالحدیث" یا اسلامی کتب خانہ کو تلاش کریں تو یقیناً کامیاب نہ ہو سکیں گے برخلاف اس کے اسپین ایک چھوٹا سا ملک ہے جس میں صرف پانسو برس عربوں کی حکومت رہ سکی، لیکن وہاں کے دینی مدارس، اسلامی یونیورسٹیاں اور کتب خانے بڑی تعداد میں عربوں کی اولوالعزمیوں کے شاہد عدل ہیں۔ جن کا ذکر آج بھی تاریخ میں غیر معمولی اہمیت سے کیا جاتا ہے۔

شاہانِ مغلیہ کے دورِ حکومت میں ان علوم کی کما حقہٗ سرپرستی کیوں نہ کی جا سکی؟ اس کے کچھ اسباب و وجوہ ہیں جن کی طرف ہم اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں

حکومتِ مغلیہ کا سنگِ بنیاد عام رواداری پر تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ رواداری سے بڑھکر "ہندو نوازی" پر تھا تو شاید مبالغہ نہ ہو گا۔ پہلا مغل بادشاہ شہنشاہ بابرؔ سلطنت

---

[1] حیات ولی [2] اسکا یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ مغلیہ دورِ حکومت میں ایسے علماء اور ایسے مدارس بالکل ناپید تھے جو اشاعت علوم اسلامیہ میں مصروف تھے کیونکہ یہ خلاف واقعہ ہے۔

مغلیہ کا بانی ہے۔ اس کی وصیت کو دیکھئے تو آپ ہمارے بیان کی تصدیق کریں گے

"مغلیہ وصیت شہنشاہ ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی بنام شہزادہ نصیر الدین محمد ہمایوں محررہ برائے استحکام واستقامت سلطنت:

"اے پسر! سلطنت ہندوستان مختلف مذاہب سے پر ہے۔ الحمد للہ کہ اس نے اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی۔ تمہیں لازم ہے کہ مذہبی تعصبات کو لوح دل سے دھوڈالو اور عدل و انصاف میں ہر مذہب و ملت کا خیال رکھو جسکے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں پر قبضہ نہیں کرسکتے اس ملک کی رعایا مراحم خسروانہ اور الطاف شاہانہ سے مرہون ہوتی ہے جو قوم و ملت قوانین حکومت کی مطیع اور فرماں بردار ہے اسکے مندر اور مزار برباد نہ کئے جائیں ——— عدل و انصاف ایسا کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے۔ ظلم و ستم کی نسبت، احسان اور لطف کی تلوار سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے!!! شیعہ اور سنی کے جھگڑوں سے چشم پوشی کرو، ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا، جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جل کر اتحاد و اتفاق سے کام کر رہے ہیں اسی طرح مختلف المذاہب رعایا کو ملا جلا رکھو، اور ان میں اتحاد عمل پیدا کرو، تاکہ سلطنت کا جسم مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے سرگزشت تیمور کو جو کہ اتحاد و اتفاق کا مالک تھا ہر وقت اپنی نظر کے سامنے رکھو تاکہ نظم و نسق کے معاملات میں پورا تجربہ ہو"[۱] !!!

---

[۱] یہ وصیت نامہ فارسی زبان کی ایک قدیم تحریر سے منقول ہے۔ ڈاکٹر بال کرشن پرنسپل راجہ رام کالج کولہاپور نے "ہسٹاریکل سوسائٹی میں چھپوانا چاہا تھا اور اخبار خلافت مورخہ ۱۹؍ ماہ اگست ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔ (شاندار ماضی صفحہ ۳۹)

باپ کی وصیت پر بیٹا تو عمل پیرا ہو نہ سکا کیونکہ اسے (ہمایوں کو) حکومت کرنیکا موقعہ ہی نہ ملا لیکن پوتے یعنی شہنشاہ اکبر نے اپنے دادا کی وصیت ہی پر نہیں بلکہ مزید برآں اس طرح سے عمل کیا ہے کہ اسلامی روح تڑپ اٹھی۔ اس نے مذہب سے زیادہ ملک کا احترام کیا۔ اسلامی تہذیب و تمدن سے بڑھکر حکومت کا خیال رکھا۔ سیرت و صورت رسم ورواج میں اس کا کردار مذہب اسلام اور مسلمانوں سے کسی طرح میل نہیں کھاتا تھا، اور بزعم خود اسنے ایک ایسے جدید مذہب کی بنیاد ڈالی تھی جس میں سارے مذاہب کے ساتھ پوری رواداری برتی گئی تھی۔ شام کے وقت چراغ کی پوجا اور صبح کے وقت درشن وغیرہ جیسی مشرکانہ رسوم اس نئے دین کے فرائض میں سے تھے بیچارے بابر نے تو صرف اتحاد و اتفاق کی تلقین کی تھی مگر اکبر نے ہندوؤں کے ساتھ سلسلہ قرابت بھی قائم کیا۔

یہ حقیقت ہے کہ شاہجہاں اور عالمگیرؒ دونوں سنت اکبری کے موافق نہ تھے بلکہ اس کے مخالف ہی تھے لیکن ان کے دور حکومت کو دیکھ کر ایک صاحب بصیرت یہ رائے قائم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ بابر کے وصیت نامے سے سر مو انحراف نہ کر سکے۔ شاہجہاں کے زمانے تک ہندو راجکماریوں سے شادی بیاہ کی رسم پائی جاتی ہے حضرت عالمگیرؒ ایک مذہبی بلکہ کٹر مذہبی ہونے کے باوجود ہندوؤں کے ساتھ رواداری کرنے میں کسی طرح شاہجہاں سے کم نہ تھے اس موقع پر مسٹر آرنلڈ کا وہ بیان خاص طور سے قابل توجہ ہے جسے مولانا محمد میاں صاحب نے نقل فرمایا ہے مسٹر آرنلڈ کہتے ہیں۔

"اورنگ زیب کے فرامین اور مراسلات کے ایک قلمی مجموعہ میں جو ابھی تک

طبع نہیں ہوا ہے مذہبی آزادی کا وہ جامع ومانع اصول درج ہے جو ہر ایک بادشاہ کو غیر مذہب کی رعایا کے ساتھ برتنا ضروری ہے۔"

مسٹر آرنلڈ نے جس واقعہ کے متعلق یہ اصول بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ عالمگیرؒ کو کسی شخص نے عرضی دی کہ پارسی ملازموں کو جو تنخواہ تقسیم کرنے پر مقرر تھے اس وجہ سے برخاست کردیا جائے۔ کہ وہ آتش پرست ہیں۔ اور ان کی جگہ کسی تجربہ کار معتبر مسلمان کو مقرر کردیا جائے کیونکہ قرآن پاک میں آیا ہے یاایہا الذین امنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء۔ یعنی اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔

عالمگیر نے عرضی پر حکم لکھا کہ مذہب کو دنیا کے کاروبار میں دخل نہیں ہے اور نہ ان معاملات میں تعصب کو جگہ مل سکتی ہے اور پھر عالمگیر نے اپنے اس قول کی تائید میں یہ آیت نقل کی لکم دینکم ولی دین ۰ تمہارے لئے تمہارا دین اور ہمارے لئے ہمارا دین ہے۔

عالمگیر نے یہ بھی لکھا کہ "کہ جو آیت عرضی نویس نے نقل کی ہے اگر سلطنت کا یہی دستور العمل ہوتا تو ہم کو چاہیئے تھا کہ اس ملک کے سب راجاؤں اور ان کی رعایا کو غارت کردیتے مگر.... یہ کس طرح ہوسکتا تھا بادشاہی نوکریاں لوگوں کو ان کی لیاقت اور قابلیت کے موافق ملیں گی اور کسی (مذہب کے) لحاظ سے نہیں مل سکتیں[1]"

علامہ شبلی فرماتے ہیں۔

"اسلامی شعار بالکل مٹ چکے تھے۔ عام دربار کا لباس گھیردار پاجامہ اور

---

[1] علماء ہند کا شاندار ماضی ص ۴۲ / ۱

ہندوانی پگڑی بھی راجاؤں کی طرح سلاطین زیور پہنے ہوئے تھے دربار میں سلام وغیرہ کے بجائے ماتھا ٹیکی اور سجدہ رائج تھا۔ یہ بے عزتی اسقدر بڑھی کہ بے غیرت مسلمانوں نے ہندوؤں کو لڑکیاں دینی شروع کردیں۔ اس قسم کے اصول اور حالات کا نتیجہ یہ تھا کہ عام ملکی ضروریات کے ماسوا خالص مذہبی درسگاہوں کے قیام کی طرف ان بادشاہوں کی توجہ ہی نہ ہوئی خصوصاً مغل بادشاہ تو اس لئے بھی ہندوؤں سے ساز باز رکھنے پر مجبور تھے کہ وہ ابتدا ہی میں دیکھ چکے تھے کہ افغانوں نے منظم ہو کر شیر شاہ سوری کے زیر قیادت ہمایوں کو ہندوستان سے باہر نکال دیا تھا اور چند ماہ کی مدت میں کابل سے لیکر کلکتہ تک کی حکومت کے پرچے اڑا ڈالے تھے ان لوگوں نے آئندہ کے لئے حکومت کا طریقہ ہی ایسا قائم کیا تھا جس میں ہندو برابر کے شریک تھے۔ ہر زمانے کے منصب داروں پر نظر ڈالئے آپ کو اس کی تصدیق ہو جائیگی۔ انتہا یہ کہ عالمگیر جیسے بدنام بادشاہ کے زمانہ میں بھی ۲۶ ارکانِ دولت ہندو تھے[۱]

ہم حضرت عالمگیر انار اللہ برہانہ "کی ان گرانقدر خدمات سے انکار نہیں کرتے جو انھوں نے خالص اسلامی رنگ کی اپنے دورِ حکومت میں فرمائی ہیں اور جن کی مثال ان سے پہلے کے بادشاہوں کے زمانہ میں مفقود ہے۔ لیکن ہم اگر یہ کہیں کہ" انھوں نے کوئی دینی اور خالص مذہبی جامعہ یا دارالحدیث کی بنیاد نہیں رکھی" تو بیشک ہم حق بجانب ہونگے غرضکہ مغل بادشاہوں کے علوم عربیہ اور مذہبی درسگاہوں کی جانب توجہ نہ کرسکنے کے جہاں اور بہت سے اسباب ہو سکتے ہیں وہیں ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کی حکومت کی بنیاد ہی عام رواداری۔ اور اتفاق و اتحاد پر تھی۔ جس کے حاصل کرنے

[۱] اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر۔

کے لئے انھیں یہ قیمت اداکرنی پڑی کہ اسپین کی پانصد سالہ حکومت ہندوستان کی ایک ہزار سالہ حکومت سے تاریخ میں کہیں زیادہ بڑھ گئی اور اسنے وہ عزت وتوقیر حاصل کی جواس زمانہ کے ہندوستان کو حاصل نہ ہو سکی۔

ہمارے خیال میں شاہان مغلیہ کے دینی درسگاہوں کی طرف پوری توجہ نہ کرسکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے زمانہ میں خانقاہی نظام کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سرزمین ہند پر اسلامی سلطنت سے بہت پہلے صاحب باطن علمانے قدم رکھے تھے وہ اپنے قوت عمل اور اشراق قلبی سے تبلیغ اسلام کا فریضہ اداکرتے تھے یہ حضرات ظاہری شان وشوکت سے علٰحدہ رہ کر کفر وشرک سے بھرے ہوئے ہندستان میں اپنے خانقاہی نظام کو قائم کئے ہوئے تھے جہاں سے نور ایمان کی شعاعیں نکل نکل کر ملک کے مختلف گوشوں کو معمور کرتی تھیں۔ وقتاً فوقتاً جہاد فی سبیل اللہ کی تدبیریں سوچکر اپنی خانقاہوں سے نکلتے اور بڑے بڑے معرکوں میں جام شہادت نوش فرماتے۔

جب فاتحین اسلام نے اپنے قدم سرزمین ہند پر جمائے تو انھوں نے دیکھا کہ صوفیائے کرام کی کوششوں کی بدولت ان کا کام نہایت آسان ہو چکا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے لئے ہندوستان کی زمین کافی ہموار ہو چکی ہے۔ اسلئے وہ صوفیائے کرام کے ممنون احسان ہوئے دوسرے ان بزرگوں کی شخصیتیں علم وعمل کی جامع ہوتی تھیں وہ دنیا کے بجائے آخرت کو محبوب رکھتے تھے۔ ظاہری اور مادی حکومت کی ان کے نزدیک ذرہ برابر بھی قدر نہ تھی۔ ان کے اندر وہ اخلاق حسنہ موجود تھے جنکا سلسلہ سنت نبوی سے ملتا تھا۔ ان کا ظاہر ان کے باطن سے مختلف نہوتا تھا۔ ان کی پرکشش شخصیت سے ارکان دولت اور والیان حکومت برابر متاثر ہوتے۔ عوام اور مسلمانوں پر ان کے

"

تقدس کا سکہ جما ہوا ہوتا۔ ظاہر میں بادشاہ تو والیان حکومت ہی ہوتے لیکن باطن میں زمام سیادت وقیادت انھیں صوفیائے کرام کے ہاتھوں میں ہوتی ان کا اتنا اثر و رسوخ ہوتا کہ ان کے چشم و ابرو کے اشاروں پر بڑے بڑے انقلاب آسکتے تھے۔

وہ اللہ کی ساری مخلوق کے نگہبان اور پاسبان ہوتے۔ ان کے سامنے ایک صاحب تخت وتاج بادشاہ اور ایک ادنیٰ درجہ کا غریب، دونوں برابر ہوتے امیر وغریب کے امتیاز سے ان کی مجالس بالکل مبرا ہوتیں۔

وہ ایسے مصلح ہوتے کہ ان کا روئے خطاب کسی ایک شخصیت کے لئے خاص نہ ہوتا، جس طرح وہ عوام کو ان کی غلطیوں پر تنبیہ کرتے اسی طرح وہ خواص پر پوری پوری تنقید کرتے وہ ایسے صاحب عزیمت ہوتے تھے کہ حق کے معاملہ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے ہرگز مرعوب نہ ہوتے ان کے انھیں اوصاف کی وجہ سے خانقاہوں کو ایسا عروج حاصل ہوا کہ ان پر شاہی درباروں کا شبہ ہونے لگا وہ معاملات جو عدالتوں، اور درباروں میں طے نہ ہو پاتے وہ ان پاکباز بزرگوں کی سادہ مجلسوں میں طے ہو جاتے حتیٰ کہ دیکھا گیا کہ وزرار و امرار کے بعض کٹھن اور مشکل معاملات و مسائل انھیں بے تخت وتاج صوفیا کے پاس آکر حل ہوئے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ نظام حکومت کی ترقی اور اس کی تنزلی کا راز حکومت کے ان خانقاہوں سے اچھے یا برے تعلقات میں مضمر تھا، تو ہم حق بجانب ہوں گے۔

خانقاہوں کا اثر نظام ملکی اور ملی پر اتنا گہرا تھا کہ ہر شخص اپنے آپ کو ان سے منسوب کرنے میں فخر محسوس کرتا۔ امرار و روسار اور شاہان وقت ان کے اخراجات کے واسطے جائدادیں وقف کرتے اور کسی بادشاہ یا حکومت کے مکارم اور مفاخر کا

نیز اس کے دینی رجحانات کا معیار یہ ہوتا کہ وہ کتنی جائدادیں اور اوقات ان خانقاہوں کے لئے مخصوص کرتا ہے۔

یہ خانقاہیں تعلیم و تربیت کا مرکز ہوتیں، جن میں علوم و معارف کے تشنہ کام آآکر سیراب ہوتے۔ اگر ہم اس دور کے ہندوستان کے نظام تعلیم کا جائزہ لیں تو ان خانقاہوں کو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں ان کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔

یہی وجہ ہے کہ شاہان ہند کی تاریخ کو جب ہم دیکھتے ہیں تو ان کے دور حکومت میں ہم مدارس کے بجائے خانقاہیں نظر آتی ہیں جن میں علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم و تلقین ہوتی تھی اور پھر ہم یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس دور میں مدارس کا کام بھی انھیں خانقاہوں سے انجام پاتا تھا۔ اس صورت میں اگر ہمکو مدارس اور دینی تعلیم کے بڑے بڑے ادارے جن کو مرکزی حیثیت اور ملک گیر شہرت حاصل ہو، نہ ملیں تو شاہان ہند چنداں موردالزام نہیں ہیں۔

لیکن رفتہ رفتہ حالات میں تغیر پیدا ہوا، اور نظام خانقاہی میں فتور واقع ہوا اور اس کا سبب یہ تھا کہ اولیاء کرام و اصفیاء عظام کے جانشین وہ لوگ بن بیٹھے جو دینی و مذہبی لحاظ سے بالکل اہل نہ تھے تزکیۂ نفوس اور تطہیر قلوب کا اہم کام ان لوگوں نے اپنے ذمہ لیا جنکے نفوس و قلوب خود پاک و صاف نہ تھے۔ ان کے اندر وہ دینی فہم و تدبر نہ تھا جس کی وجہ سے وہ اس مہتم بالشان کام کے اہل ہوتے ان کے سامنے ظاہری عزت و عظمت اور دنیاوی دولت و حشمت، حاصل کرنا ایک اہم مقصد تھا۔ جسکے واسطے وہ ہر مذبوحی حرکت کرنے کے لئے تیار ہو جاتے، انھیں

کتاب وسنت اور دین سے کوئی خاص لگاؤ نہ تھا۔ احکام شرع کے نافذ کرنے اور تبلیغ دین کے فریضہ کو رواج دینے کا مطلق خیال نہ تھا عوام کی بے دینی اور گمراہی والی زندگی دیکھتے مگر ان کی اصلاح سے ان کو کوئی دلچسپی نہ تھی وہ چاندی کے چند سکوں یا موہوم عزت وشہرت کے بدلے احکام دین کا سودا کر بیٹھتے۔ امراء اور روساء کے تقریب کو اپنی معراج زندگی سمجھتے اور اس کے لئے ہر وہ جتن کرنے کے لئے تیار ہو جاتے جو ان کی شان سے کہیں فروتر ہوتی۔ وہ درباروں میں حاضری دینے کو اپنے لئے فخر کی بات سمجھتے۔ ان کی نظروں میں عوام وخواص کا امتیاز پیدا ہو گیا وہ ظاہری ٹیپ ٹاپ کے دلدادہ ہو گئے۔ مذہب کی پابندی سے اپنے آپ کو مستثنیٰ کر لیا تھا اور ان تمام چیزوں کے ساتھ جہالت کا منحوس سایہ ان کے سروں پر تھا۔ جس کی موجودگی میں تعلیم وتدریس کا ختم ہو جانا ایک فطری امر تھا علم سے چونکہ ان کو خود لگاؤ نہ تھا اسلئے وہ اس کو بیکار قرار دینے لگے بلکہ اس کو حجاب اکبر کہنے لگے طریقت اور شریعت میں امتیاز پیدا کر کے اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے راستہ ہموار کرنے لگے یہ سارے وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے خانقاہوں سے پہلے جیسے دینی فوائد تو کیا حاصل ہوتے اسلئے نقصانات ہی پیدا ہونے لگے۔

تاریخ میں جس کو بصیرت حاصل ہے وہ جانتا ہے کہ نظام حکومت کے کمزور ہونے میں جہاں اور بہت سے اسباب کو دخل ہے وہیں نظام خانقاہ کے فتور کو بھی کافی دخل ہے۔ اور ہم اس کو بہت بڑا سبب سمجھتے ہیں۔

غرضکہ مغل بادشاہوں کی توجہ علوم اسلامی اور دینی مدارس کی طرف نہ ہوسکنے کی ہمارے خیال میں یہی دو بنیادی چیزیں تھیں یعنی ایک تو ان کی عام رواداری

کا اصول جس میں ان کے اپنے خیال میں سلطنت کی بقا کا راز مضمر تھا۔ دوسرے خانقاہوں پر پورا اعتماد جن میں تعلیم وتربیت کے دونوں اہم کام انجام پذیر ہوتے تھے[1] لیکن پاک باطن اور پاکباز صوفیا کی جگہ رفتہ رفتہ ان کے نااہل جانشینوں نے لے لی جس کی وجہ سے دین اور تعلیم دین کا وہ حال ہوا جسکا ذکر ابھی ہم نے کیا ہے۔

نظام حکومت کے انحطاط، دینی علوم سے عام بے توجہی کے باعث ایسی حالت پیدا ہو گئی تھی کہ اس اہم کام کے انجام دینے میں مشکلات کے پہاڑ حائل ہو گئے تھے ایسے وقت میں ایک ایسی شخصیت کی اشد ضرورت تھی جو اپنی علمی وسعتوں، اپنے فکروشعور کی توانائیوں اور اپنے مجددانہ عزائم کے اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتی ہو

ہم یہ بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ وہ کام جو حکومتوں اور سلطنتوں کی دسترس اور ان کے قابو سے باہر ہو چکا تھا اس کو حضرت سیدنا ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف انجام ہی دیا بلکہ باحسن وجوہ اسے پایۂ تکمیل تک پہونچا کر صدیوں کی تلافی فرمادی

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک طرف مدرسہ وخانقاہ کی بساط بچھائی جس سے ہزاروں تشنگان علوم ومعرفت نے استفادہ کیا۔ اور پھر ملک کے گوشہ گوشہ میں پہونچکر سارے ہندوستان میں مدرسہ رحیمیہ کے فیوض کو تقسیم کیا۔

دوسری طرف اپنی بیش بہا تصنیفات کے ذریعہ ایک ایسا عظیم اور بے مثال علمی سرمایہ بہم پہونچایا جس کی مثال تاریخ ملت میں شاذونادر ہے۔

اگر شاہ صاحبؒ کا یہ کارنامہ معرض وجود میں نہ آتا تو یہ اسلامی ہند کا زبردست

---

[1] یہ تعلیم وتدریس کا کام عموماً انفرادی ہوتا تھا۔

المیہ ہوتا اور ملت اسلامیہ کا مستقبل کچھ اور ہی ہوتا۔ ہندوستان میں آج ہماری دینی اور مذہبی حالت تاریک ہوتی۔

آپ نے اس عظیم الشان کام کو جس انہماک اور استغراق کے ساتھ انجام دیا ہے اسکے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیز نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں "بعد از مراقبہ ہرچہ از کشف می رسید می نگاشتند[1]" یعنی مراقبہ کے بعد جو چیز کشفی طور پر آپ کو معلوم ہوتی اسے تحریر فرماتے۔"

اور کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے اس غیر معمولی اور عظیم الشان تصنیفی کارنامے کے پیچھے کوئی غیبی اشارہ مضمر نہ تھا خصوصاً اس وقت جبکہ حضرت شاہ صاحب نے اس کی طرف خود بھی اشارہ فرمایا ہے ہم لکھ چکے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے اس خواب کا تذکرہ کرنے کے بعد جس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے آپ کو قلم عنایت کیا تھا فرمایا۔

فمن یومئذٍ انشرح صدری للتصنیف فی العلوم الشرعیۃ[2]	(یعنی) اسی دن سے میرا سینہ شرعی علوم میں تصنیف کے لئے کھل گیا۔

اب ہم چاہتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ کی ان تصنیفات کا ذکر کریں جو ہمارے علم میں تلاش و جستجو کے بعد آئی ہیں۔ اور ساتھ ہی اپنی بساط کے موافق مختصر تعارف بھی کراتے چلیں۔

---

[1] ملفوظات عزیزی صفحہ ۳۳

[2] در ثمین ص ۳

۱۔ فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن

یہ فارسی زبان میں قرآن پاک کا وہ ترجمہ ہے جو سب سے پہلے ہندوستان میں ہوا۔ اس کو موجودہ تراجم کا استاذ اور اصل اصول کہنا چاہیئے بنہایت جامع مانع اور مطلب خیز ہے اس کے ساتھ ہی آپ نے اختصار کے ساتھ ایسے تشریحی فوائد لکھے ہیں جو تفسیر کی بڑی بڑی کتابوں سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔

اس ترجمہ سے شاہ صاحب کے زمانہ میں رائج شدہ بدعات اور مشرکانہ معتقدات کا قلع قمع ہوگیا اوہام باطلہ کا طلسم ٹوٹ گیا۔ خانہ ساز، دنیا پرست صوفیوں کی پھیلائی ہوئی برائیوں کا تدارک ہوا۔ اور عام مسلمان بلاواسطہ کلام الٰہی سے مستفید ہونے لگے ترجمۂ کلام پاک کی اشاعت سے آپ کو بڑی مشکلات اور نہایت المناک مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن آپ کے عزائم میں ذرہ برابر ضعف نہ پیدا ہوا آخر کار آپ نے اپنی اس کوشش سے ہوا کا رُخ پھیر دیا۔ آج شرک و بدعت سے پاک، دین کی صحیح روشنی جہاں کہیں ہندوستان میں پائی جاتی ہے سب اسی ترجمہ کا طفیل ہے۔ اس کی افادیت ہنوز روزِ اول کی طرح ہے۔

۲۔ الفوز الکبیر

فارسی زبان میں اصول تفسیر کا ایک مختصر مگر نہایت جامع رسالہ ہے آج بھی متعدد مدارس میں داخل درس ہے دیکھنے میں یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے لیکن فن تفسیر کے اصول جس خوش اسلوبی سے بیان کئے گئے ہیں وہ حضرت شاہ صاحب ہی

کا حق ہے برسہا برس کی کاوش اور بڑی بڑی فنی کتابوں کے مطالعہ سے بے پرواہ کر دیتا ہے اسمیں حضرت شاہ صاحبؒ نے ان تمام گتھیوں کے سلجھانے کی کامیاب کوشش فرمائی ہے جو فن تفسیر کے طالب کو پریشان کر دیتی ہیں۔

مولانا عبید اللہ صاحب سندھیؒ کو جب اس خاص فن سے دلچسپی ہوئی تو اس فن کی بعض بڑی بڑی کتابوں کا مطالعہ کیا لیکن جگہ جگہ وہ مشکلات میں پڑے کہتے ہیں کہ میں نے اس بات کی شکایت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ سے کی انھوں نے مجھے الفوز الکبیر کے مطالعہ کرنے کا مشورہ دیا۔ اس کے مطالعہ کے بعد میری تمام مشکلات آسان ہوگئیں مصر کے ایک فاضل نے اس کی افادیت کے پیش نظر اس کا عربی میں سلیس ترجمہ کیا ہے جو عام طور پر ہندوستان میں بھی دستیاب ہوتا ہے۔

۳۔ فتح الخبیر

عربی زبان میں "قرآن پاک" کی تفسیر کا نہایت مختصر اور بے نظیر رسالہ ہے قرآن پاک کے مشکل الفاظ کو اس میں حل کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کی تفسیر حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور مشہور احادیث سے اور حضرات صحابہ کرام کے مستند اقوال سے کی گئی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے صحیح طریقہ پر باب تفسیر میں جو کچھ منقول ہوا ہے وہ تقریباً سب اس میں لے لیا گیا ہے، تو بیجا نہ ہوگا۔ قرآن مجید کے معانی اور اس کے مطالب کے سمجھنے میں یہ رسالہ نہایت مفید اور مددگار ثابت ہوتا ہے۔

۴۔ مُصفّٰی شرح مؤطا

مؤطا امام مالکؒ حدیث شریف کی مشہور و مستند کتاب ہے جسے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری صدی ہجری میں تصنیف فرمایا۔ مصفّٰی اسی کتاب کی فارسی زبان میں بہترین شرح ہے حدیث کی تحقیقات اس سلیقہ سے فرمائی ہیں جس سے حضرت شاہ صاحب کا فن حدیث میں مجتہدانہ کمال ظاہر ہوتا ہے اس کتاب کے دیکھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ مصنف کو حدیث و فقہ، نیز استخراج مسائل میں کتنا ملکہ تھا۔

۵۔ مُسَوّٰی شرح موطا

یہ کتاب بھی موطا امام مالکؒ کی شرح ہے عربی زبان میں ہے اور درس حدیث کا وہ طریقہ جسے آپ پسند فرماتے تھے یہ کتاب اسی کی آئینہ دار ہے۔

۶۔ عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید

عربی زبان کا چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں اجتہاد و تقلید کے احکام نہایت وضاحت اور تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ مطالعہ سے اطمینان اور انشراح صدر ہوتا ہے عرصہ ہوا حضرت امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحبؒ نے اسکا اردو ترجمہ کیا تھا مصنفِ حیات ولی نے بھی اس کے ایک اردو ترجمہ کی نشاندہی کی ہے[1]

---

[1] حیات ولی ص ۵۵۰

۷۔ تاویل الاحادیث

اس کتاب میں حضرت شاہ صاحب نے حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تک ان تمام انبیاء کرام کے قصے تحریر فرمائے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ان حوادث کے رموز بھی بیان فرمائے ہیں جو انبیاء علیہم السلام کو پیش آئے۔ کتاب اپنے انداز پر اچھوتی ہے۔

۸۔ چہل حدیث

علمائے اسلام کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ چالیس حدیثوں کو وقتی ضرورت کے لحاظ سے قلمبند کرکے امت تک پہونچاتے ہیں تاکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت کے مستحق ہو جائیں جو چالیس حدیثوں کی تبلیغ پر آپ نے دی ہے یہ رسالہ اسی قبیل سے ہے اس میں حضرت شاہ صاحب نے نہایت مختصر اور وقتی ضرورتوں کے لحاظ سے حدیثیں جمع فرمائی ہیں۔ اس میں آپ کے زمانہ کے پیدا شدہ حالات کی جھلک محسوس کی جا سکتی ہے۔

۹۔ حجۃ اللہ البالغہ

یہ کتاب آپ نے حضرت شاہ محمد عاشق صاحب پھلتی کے اصرار پر عربی زبان میں تحریر فرمائی۔ اس میں تمام عبادات و معاملات کا بیان نہایت بسط و شرح سے فرمایا ہے پورے دین کو ایک مربوط نظام حیات کی حیثیت سے بیان فرمایا ہے

اس کتاب کو اگر پورے مذہب اسلام کی مکمل شرح کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اس کتاب کو جس محدثانہ اور متکلمانہ، فقیہانہ اور فلسفیانہ انداز میں تصنیف فرمایا وہ حضرت شاہ صاحب ہی کا حق ہے۔ یہ کتاب جب یورپ ترجمہ ہو کر پہونچی تو ان لوگوں کو یقین ہی نہ آتا تھا کسی ہندوستانی نے اسے آخری دور میں تصنیف کیا ہے بلکہ ان کا یہ خیال تھا کہ پرانے زمانہ میں کسی جلیل القدر ہستی نے تصنیف کی ہے کیونکہ ان کے نزدیک آخری دور میں کسی ایسی شخصیت کا پیدا ہونا بعید از قیاس تھا۔ درحقیقت یہ کتاب غزالی کی احیاء العلوم کے طرز پر ہے اور بعض اعتبار سے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر۔ علامہ ابوالطیب نے اس کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے۔

ایں کتاب اگرچہ در علم حدیث نیست اما شرح احادیث بسیار دراں کردہ و حکم و اسرار آن بیان نمودہ تا آنکہ در فن خود غیر مسبوق علیہ واقع شدہ و مثل آں دریں دوازدہ صد سال ہیچ یکے از علمائے عرب و عجم تصنیفے موجود نیامدہ و مخملہ تصانیف مولفش مرضی بودہ است و فی الواقع بیش از آں است۔	یعنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ اگرچہ علم حدیث میں نہیں ہے لیکن اس میں بہت سی احادیث کی شرح اور ان کے اسرار و حکم بیان کئے گئے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے فن میں بے نظیر ثابت ہوئی ہے اور کسی دوسری کتاب کو اس پر کسی طرح سے سبقت نہیں حاصل ہوئی ہے بارہ سو سال کے اندر علمائے عرب و عجم میں سے کسی نے ایسی معرکۃ الآراء کتاب تصنیف نہیں کی۔

غرضکہ یہ کتاب مولف کی تمام تصانیف میں عمدہ اور بہترین تصنیف ہے اور حقیقت میں اس سے (یعنی ہماری اس رائے سے) بہت کچھ زیادہ ہے۔

کتاب عربی زبان میں ہونے کے باوجود کہیں سے عجمی قلم کی بوبھی نہیں آتی۔
اس سے شاہ صاحب کی بہترین عربی انشاپردازی کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے

۱۰۔ انصاف فی بیان سبب الاختلاف

تقلید اور عدم تقلید کا مسئلہ حضرت شاہ صاحب کے دور میں اس حد کو پہونچ گیا تھا کہ ان میں ہر ایک نے لعن وطعن کی حد سے گذر کر تکفیر کا سلسلہ شروع کردیا تھا مقلد غیر مقلد باہم دست وگریبان تھے حضرت شاہ صاحب نے اس کتاب میں اس مسئلہ پر منصفانہ بحث فرمائی ہے

حضرات صحابہ وتابعین اور ان کے بعد ائمہ مجتہدین میں دینی مسائل میں جو اختلاف پیدا ہوا اسکا راز اور اس کی تاریخ اس رسالہ میں بیان فرمائی جسکو دیکھنے کے بعد بہت سی الجھنیں اس سلسلہ کی دور ہوجاتی ہیں اور قلب مطمئن ہوجاتا ہے اردو ترجمہ کے ساتھ باربار شائع ہوچکا ہے جس سے خاص وعام برابر فائدہ حاصل کرسکتے ہیں

۱۱۔ ارشاد الی مہمات علم الاسناد

عربی زبان کا علم الاسناد میں ایک مختصر مگر نہایت اہم اور بصیرت افروز رسالہ ہے طالب علم حدیث کے لئے قابل مطالعہ ہے۔

۱۲۔ شرح تراجم ابواب بخاری

صحیح بخاری کے تراجم جتنی اہمیت کے حامل ہیں اہل علم سے پوشیدہ نہیں حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ رسالہ عربی زبان میں تصنیف فرمایا جس میں ابواب بخاری کی تشریح اور قدرے تفصیل بیان کی ہے یہ رسالہ عرصہ ہوا دائرۃ المعارف حیدرآباد اور اصح المطابع دہلی سے طبع ہوا تھا

۱۳۔ تراجم بخاری (عربی)

۱۴۔ مسلسلات (عربی)

۱۵۔ انتباہ فی احادیث رسول اللہ (عربی)

یہ سارے رسائل نہایت مختصر ہیں۔ فن حدیث سے تعلق رکھتے ہیں۔

۱۶۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء

تاریخ وسیاست اسلام پر فارسی زبان میں یہ بے نظیر کتاب ہے اس میں خلفاء راشدین کی خلافت کا اثبات کیا گیا ہے انداز بیان نہایت شگفتہ اور سلیس ہے حضرت مولانا عبدالحئی صاحب فرنگی محلی جیسی صاحب بصیرت شخصیت کی یہ رائے ہے کہ "اس موضوع پر پورے اسلامی لٹریچر میں ایسی کوئی کتاب موجود نہیں" ابتدائی چہارم حصے کے قریب حضرت امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحبؒ نے ترجمہ فرمایا تھا اور خود ہی شائع بھی کیا تھا۔ اب معلوم ہوا ہے کہ پاکستان میں اس کی اشاعت ہونیوالی ہے۔

۱۷۔ قرۃ العَینَینْ فی تفضیل الشیخَینْ

امت مسلمہ میں پرانے زمانے ہی سے خلفاء راشدین کی افضلیت کے بارے میں اختلاف رہا ہے یہ اختلاف حضرت شاہ صاحب کے زمانہ میں بھی موجود تھا۔اس کتاب میں حضرت شاہ صاحبؒ نے خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہٗ کی افضلیت کا بڑے حسین انداز میں بیان فرمایا ہے اور اس سلسلہ میں عقلی و نقلی دلائل سے کام لیا ہے۔ ساتھ ہی حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل کو بھی بیان فرمایا ہے ارباب کشف و کرامات کے اقوال سے مثالیں پیش کرکے کتاب کے مطالب کو عام فہم بنا دیا ہے۔

کتاب کے آخر میں خود اپنا ایک مکاشفہ تحریر کیا ہے کہ ہم نے حضرات شیخین کی روحوں کو ایسا پایا اور دوسرے حضرات صحابہ کی ارواح کو اس کیفیت کے ساتھ۔ اور جب ہم نے حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح پاک سے اس بارے میں سوال کیا تو اُدھر سے ہمارے دل میں یہ القا ہوا کہ یہی بات حق اور درست ہے۔ کتاب فارسی زبان میں ہے۔

۱۸۔ فیوض الحرمین

یہ کتاب عربی زبان میں ہے اس میں شاہ صاحب نے ان الہامات اور ان بشارتوں کو ذکر فرمایا ہے جو آپ پر قیام حرمین کے زمانے میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے افاضہ کئے گئے تھے کتاب میں علم تصوف کی تحقیقات

اور بے شمار دوسرے مسائل کا ذکر ہے جس کے پڑھنے کے بعد حضرت شاہ صاحب کی شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے۔
پہلے اردو ترجمہ کے ساتھ شائع ہوئی تھی اب عام طور سے ترجمہ بلا متن شائع ہوتا ہے۔

۱۹۔ الطاف القدس

فارسی زبان کا ایک مختصر رسالہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنے الہامات کو اس میں بیان فرمایا ہے

۲۰۔ الدر الثمین فی المبشرات النبی الامین

عربی زبان میں ہے اس میں آپ نے مبشرات کو جو آپ کو یا آپ کے نسبی و روحانی بزرگوں کو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ملے، انکو جمع فرمایا ہے

۲۱۔ شرح رباعیتین

اس مختصر رسالہ کی زبان فارسی ہے اس میں شاہ صاحب نے حضرت خواجہ باقی باللہ کی دو رباعیوں کی شرح نہایت تفصیل کے ساتھ فرمائی ہے اور ساتھ ہی تصوف کے رموز و اسرار کو ایسے انداز میں بیان کیا ہے جن سے اس فن کی تفصیل پر ایک گونہ مدد ملتی ہے۔

۲۲۔ سطعات۔ ۲۳۔ ہمعات۔ ۲۴۔ لمعات۔

یہ تینوں رسالہ فارسی زبان میں ہیں۔ عام طور پر ملتے ہیں اور یہ تینوں رسائل فن تصوف سے متعلق ہیں اور حضرت شاہ صاحب کی علمی بلندی کے آئینہ دار ہیں مضامین اتنے اونچے اور غامض ہیں کہ عام سمجھ سے بالاتر ہیں اگر یہ کہا جائے کہ اکثر اہل علم بھی ان سے استفادہ نہیں کر سکتے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ ان کا جدید ایڈیشن حال ہی میں پاکستان سے شائع ہوا ہے۔

۲۵۔ ہوامع شرح حزب البحر

"حزب البحر" دعاؤں کا بہترین اور مستند مجموعہ ہے۔ حضرت شاہ صاحب کو نہایت پسند تھا یہ کتاب اسی کی عجیب وغریب شرح ہے اس کے متعلق صاحب "حیات ولی" نے تصریح کی ہے کہ "یہ کتاب عاملوں کی روح اور حاجت مندوں کی جان ہے"۔

۲۶۔ انفاس العارفین

یہ کتاب چند رسائل کا مجموعہ ہے۔ (۱) بوارق الولایۃ (۲) شوارق المعرفۃ (۳) امداد فی مآثر الاجداد (۴) النبذۃ الابریزیۃ فی اللطیفۃ العزیزیہ (شیخ عبدالعزیز شکربار کے حالات میں) (۵) العطیۃ الصمدیہ فی انفاس المحمدیہ (۶) انسان العین فی مشائخ الحرمین (۷) الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف۔

یہ مجموعہ شاہ صاحب کے نسبی وروحانی بزرگوں کے حالات، کشف وکرامات اور ان کے عام اخلاق وعادات پر مشتمل ہے آخر میں ایک نہایت مختصر مگر جامع

رسالہ اپنے حالات کے متعلق لکھا ہے جس کا نام الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف رکھا ہے آپ کے اکثر سوانح نگاروں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ کتاب فارسی زبان میں ہے اور طبع ہے۔

۲۷۔ قصیدہ اطیب النغم فی مدح سید العرب و العجم

یہ عربی زبان میں حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ایک قصیدہ ہے جسکو پڑھکر کیف و سرور کا عالم طاری ہو جاتا ہے اس سے حضرت شاہ صاحب کے سوز دروں اور قلب مضطر کا پتہ چلتا ہے۔

۲۸۔ سرور المحزون فی سیر الامین المامون

فارسی زبان کا رسالہ ہے لیکن نایاب ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر ابن سید الناس کے مختصر رسالہ "نور العیون" کا یہ فارسی ترجمہ ہے جسے بعض خاص احباب کے اصرار پر آپ نے کیا تھا۔

۲۹۔ انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ

عربی زبان کی کتاب ہے حضرت شاہ صاحب نے اولیاء اللہ کے سلاسل اور ان کے حالات کو اس میں جمع فرمایا ہے۔

۳۰۔ الخیر الکثیر

تصوف و سیاست اور اسرار و حقائق پر حضرت شاہ صاحب کی یہ بلند پایہ

تصنیف ہے۔ مختصر مگر نہایت جامع ہے عرصہ ہوا مجلسِ علمی ڈابھیل کو اس کی اشاعت کا شرف سب سے پہلے حاصل ہوا تھا۔

۳۱۔ البدور البازغہ

سیاست و اسرار شریعت پر حجۃ اللہ البالغہ کے طرز کی یہ بیش بہا تصنیف ہے جس میں حجۃ اللہ البالغہ کے خاص خاص مباحث کا خلاصہ ہے اور بعض نئے مباحث بھی ہیں جو حجۃ میں نہیں پائے جاتے۔ اس کی اشاعت کا شرف بھی مجلس علمی" کو حاصل ہوا۔ ورنہ پورے ہندوستان میں اس کے دو تین قلمی نسخے پائے جاتے تھے۔

۳۲۔ تفہیمات الٰہیہ

تصوف و سلوک اور علوم شریعت سے متعلق عجیب و غریب بیش بہا مجموعہ ہے۔ اس میں بعض باتیں ایسی ہیں جن کا تعلق عالم بالا سے ہے ہم جیسوں کی سمجھ سے بالاتر۔ اصل کتاب کہیں عربی میں ہے اور کہیں زبان فارسی میں اسی سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے وقتاً فوقتاً اپنے علوم و معارف کو قلمبند فرمایا ہے اسی کا نام تفہیمات ہے۔ بس اسے کشکول ولی اللہی سمجھئے۔ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے۔

۳۳۔ مکتوبات مع فضائل ابوعبداللہ البخاریؒ و ابن تیمیہؒ

۳۴۔ مکتوب المعارف مع مکاتیب ثلٰثہ

۳۵۔ مکتوبات سیاسی
یہ تینوں مجموعے حضرت شاہ صاحب کے نہایت اہم مکتوبات پر مشتمل ہیں جن کو پڑھ کر شاہ صاحب کی بصیرت اوران کے تدبر کا اندازہ ہوتا ہے۔

۳۶۔ المقالۃ الوضیہ فی الوصیۃ والنصیحۃ

یہ رسالہ حضرت شاہ صاحب کی قابل قدر وصیتوں پر مشتمل ہے۔ نہایت مفید اور کارآمد ہے۔ ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکا ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی تصانیف میں مندرجہ ذیل کتب کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

۳۷۔ شفاء القلوب
۳۸۔ زہراوین
۳۹۔ القول الجمیل
۴۰۔ حسن العقیدہ
۴۱۔ المقدمۃ السنیہ
۴۲۔ فتح الودود فی معرفۃ الجنود
۴۳۔ رسالہ مکتوب مدنی
۴۴۔ مسلسلات

شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب چند تصانیف

ان تصانیف کے علاوہ، چند کتابیں اور ہیں جنھیں بعد میں حضرت شاہ صاحب کی جانب منسوب کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ مرزا علی لطف نے ۱۸۰۱ء میں جب تذکرہ گلشن ہند تحریر کیا تو اس میں ولی اللہ سرہندی المتخلص بہ اشتیاق کو غلطی سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سمجھ کر ان کی ہجو کی ہے اور ان سے دو کتابیں منسوب کی ہیں جو سراسر غلط ہے وہ لکھتے ہیں "اکثر کتابیں تصنیف اس بحر علم کی مشہور ہیں چنانچہ دو نسخے ایک کا نام "قرۃ العین فی ابطال شہادۃ الحسین" ہے اور دوسرے کا نام "جنت العالیہ فی مناقب المعاویہ" ہے"[1]

چنانچہ شمس العلماء مولانا شبلی نے اس تحریر کا رد کرتے ہوئے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے۔

"دونوں نام غلط ہیں۔ پہلی کتاب تفضیل شیخین میں ہے شہادت حسین کے ابطال سے خدانخواستہ اس کا تعلق نہیں اور دوسری کتاب تو بالکل فرضی ہے۔ حضرت معاویہ کے مناقب میں ان کی کوئی کتاب نہیں"۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب مرحوم نے تذکرہ پر مقدمہ لکھا ہے، انھوں نے بھی اسی نقطۂ نظر کو قبول کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"صاحب تذکرہ مرزا علی لطف نے بعض مقامات پر پڑے ہی بڑے

---

[1] تذکرہ گلشن ہند صفحہ ۱۲۲

میں خوب چوٹیں کی ہیں جن میں تعصب کی جھلک نظر آتی ہے مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب کی نسبت لکھا ہے کہ "قرۃ العین فی ابطال شہادۃ الحسینؓ" اور "جنت العالیہ فی مناقب المعاویہ" ان کی تصانیف سے ہیں حالانکہ ان مباحث میں ان کی کوئی کتاب نہیں ہے نہ شہادت حسینؓ کا ابطال کیا ہے اور نہ مناقب معاویہ میں کوئی کتاب لکھی ہے یہ محض اتہام ہے[۱]

جب ۱۲۵۸ھ میں حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلویؒ نے ترک وطن کیا اور حجاز مقدس کو اپنا مستقر بنایا تو یہاں دہلی میں مسئلہ تقلید و عدم تقلید نے خوب زور پکڑا جانبین سے مناظرے ہوئے کتابیں اور رسالے لکھے گئے اس طوفان میں کچھ کتابیں معرض وجود میں آئیں جو بالکل جعلی تھیں۔ خاندان ولی اللہی کے مشہور خوشہ چیں عالم حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی کتاب کشف الحجاب میں لکھتے ہیں[۲]

"اور ایسا ہی ایک اور جعل (غیر مقلدین) کرتے ہیں کہ سوال کسی مسئلہ کا بنا کر اور اسکا جواب موافق اپنے مطلب کے لکھ کر علمائے سابقین کے نام سے چھپواتے ہیں۔ چنانچہ بعض مسئلے مولانا شاہ عبدالعزیز کے نام سے اور بعض مسئلے مولوی حیدر علی صاحب کے نام سے علیٰ ہذا القیاس چھپواتے ہیں"

خانوادۂ ولی اللہی کی تصنیفات کے مشہور ناشر ظہیر الدین سید احمد نبیرہ حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے سب سے پہلے اس فریب کا پردہ چاک کیا ہے

۱؎ مقدمہ گلشن ہند صہ ۲۔ ۲؎ کشف الحجاب ص ۹

وہ لکھتے ہیں۔[۱]

"بعد حمد و صلوٰۃ کے بندہ محمد ظہیر الدین عرف سید احمد اول گذارش کرتا ہے بیچ خدمت شائقین تصانیف حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب و مولانا شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی وغیرہ کہ آج کل بعض لوگوں نے بعض تصانیف کو اس خاندان کی طرف منسوب کر دیا ہے اور در حقیقت وہ تصانیف اس خاندان میں سے کسی کی نہیں اور بعض لوگوں نے جو ان کی تصانیف میں ان پر عقیدہ کے خلاف بات پائی تو اس پر حاشیہ جڑا اور موقع پایا تو عبارت کو تغیر و تبدل کر دیا، تو میرے اس کہنے سے یہ غرض ہے کہ جو اب تصانیف ان کی چھپیں اچھی طرح اطمینان کر لیا جائے جب خریدنی چاہئیں۔"

نیز انفاس العارفین کے آخر میں "ضروری التماس" کے عنوان سے یہی مولانا ظہیر الدین رقمطراز ہیں جس سے مزید وضاحت ہوتی ہے۔

"دوسری التماس آپ کے ملاحظہ فرمانے کے لائق یہ بھی ہے کہ فی زمانہ "الدنیا زور لا یحصلها الا بالزور" کو بعض حضرات نے کمر باندھی ہے اور دنیا کمانے کے واسطے حضرات موصوفین (شاہ صاحب اور ان کے اخلاف) کی طرف اکثر کتابیں منسوب کر کے چھاپ دی ہیں جو کسی طرح ان حضرات کی تصنیف میں سے نہیں ہیں اور ارباب بصیرت ان کو پڑھ کر ان کے عیب اور مفاسد کو اس طرح جان لیتے ہیں جس طرح ایک تجربہ کار نقاد کھرے

---

[۱] تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء

کھوٹے کو کسوٹی پر لگا کر پہچان لیتا ہے مگر بفحوائے "العوام کالانعام" بے چارے اردو پڑھنے والے، علم سے بے بہرہ لوگ اکثر ان جعلی اور مصنوعی رسائل کو پڑھکر ضلالت وگمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اس واسطے میرا فرض ہے کہ میں ان رسائل کے نام اس کاغذ کوتاہ میں لکھ دوں اور دیندار بھائیوں کو ارباب زمانہ کی گندم نمائی اور جو فروشی سے آگاہ کر دوں آگے عمل کرنا نہ کرنا ان کا فعل ہے۔"

اس کے بعد ان جعلی اور مصنوعی کتابوں کی فہرست دی ہے جو شاہ صاحبؒ اور ان کے خانوادے کی طرف منسوب کی گئی ہیں ان میں "تحفۃ الموحدین" مطبوعہ اکمل المطابع دہلی اور "بلاغ المبین" مطبوعہ لاہور کو سر فہرست ذکر کیا ہے۔

دراصل یہ دونوں کتابیں کسی غیر مقلد کی تصنیف ہیں ان کتابوں کا حضرت شاہ صاحب سے انتساب ایسا ہی ہے جیسے دیوان مخفی کا زیب النساء کی طرف یا دیوان محی کا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف یا دیوان معین الدین ہروی کا حضرت معین الدین چشتیؒ کی طرف،

حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک مخصوص طرز بیان، اچھوتا طریقۂ استدلال ہے لیکن ان دونوں کتابوں میں اس کی جھلک تک نہیں ملتی۔ اکثر غیر مستند احادیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ ان کتابوں میں صوفیاء کے اقوال اور ان کے ملفوظات، شیخ احمد رومی یعنی صاحب مجالس الابرار، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، اور زیادہ تر علامہ ابن تیمیہؒ کے حوالہ جات کی بھر مار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہ کا پروپیگنڈہ مقصود ہے غیر منقسم ہندوستان کے مشہور محقق ونقاد عالم ومورخ مولانا غلام رسول مہر جو مسلکاً اہلحدیث

ہیں، ایک مکتوب میں لکھتے ہیں[1]

"البلاغ المبین تو یقیناً شاہ ولی اللہ کی کتاب نہیں، اس کا اسلوب تحریر و طریقہ ترتیب مطالب، شاہ صاحبؒ کی تمام تصانیف سے متفاوت ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ابتدائی دور کی تصنیف ہوگی۔"

"تحفۃ الموحدین" اور "بلاغ المبین" کا شاہ صاحبؒ کی تصانیف میں یا ان کے خانوادے کی تصانیف میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ مصنف حیات ولی، صاحب تذکرہ علمائے ہند، صاحب حدائق الحنفیہ مولف نزہۃ الخواطر بالخصوص نواب صدیق حسن صاحب مولف ابجد العلوم بھی بالکل خاموش ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ سے جب بلاغ المبین کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ بلاغ المبین شاہ صاحب کی تصنیف ہے ہی نہیں، بلکہ کسی نے لکھ کر ان کی طرف منسوب کردی ہے تاکہ شاہ صاحب کو ماننے والے ان عقائد کو مان لیں۔[2]

حضرت شاہ صاحب کی تصنیفات کی فہرست میں دو رسالے ناشرین کی عدم توجہ کی وجہ سے شامل ہوگئے ہیں ایک "رسالہ اوائل" ہے اور دوسرا رسالہ "فیما یجب حفظہ للناس" ہے پہلا رسالہ شیخ محمد سعید بن شیخ محمد سنبل کا مولفہ ہے۔ اور دوسرا رسالہ حضرت شاہ صاحبؒ کے کسی شاگرد کا لکھا ہوا ہے کیونکہ اس میں خود شاہ صاحب

---

[1] مکتوبات مولانا غلام رسول مہر بنام محمد ایوب قادری مکتوبہ ۲۸ رفروری ۱۹۶۴ء

[2] تذکرہ سلیمان از مولانا غلام محمد ص ۴۶۹ (ادارۂ مجلس علمی کراچی ۱۹۶۰ء)

کا ذکر "شیخنا" کے الفاظ کے ساتھ موجود ہے [۱]۔

آپ کا مقام عظمت

بلاشبہ آپ ملت اسلامیہ کی ان برگزیدہ شخصیتوں میں سے ایک ہیں جن کی شہرت اور عظمت زمان و مکان کی حدوں سے آگے بڑھ گئی ہے۔ آپ جیسی ہستیاں بہت کم عالم وجود میں آتی ہیں جس زمانہ میں آپ پیدا ہوئے زوال و الخطاط کا زمانہ تھا۔ آپ کے علوم و معارف نے مذہب و ملت کو وہ عظیم سرمایہ عطا کیا ہے جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ آپ کے قلم نے وہ آبدار موتی لٹائے ہیں جو ہمیشہ تابندہ رہیں گے۔

جس مقام و منصب سے آپ کو سرفراز کیا گیا تھا اس سے آپ بخوبی آگاہ تھے آپ نے اپنی تحریروں میں جگہ جگہ ان کی نشاندہی فرمائی ہے بالخصوص تفہیمات الٰہیہ میں چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

> "مجھ پر اللہ تعالےٰ کے خاص احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے مجھے اس آخری دور کا "ناطق" اور "حکیم" "قائم" اور "زعیم" بنایا۔"

فیوض الحرمین میں ارشاد فرماتے ہیں۔

> "میں نے خواب میں دیکھا کہ میں "قائم الزمان" ہوں یعنی اللہ تعالیٰ جب خیر کے کسی نظام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اپنے اس ارادے کی تکمیل کے لئے مجھے آلۂ کار بناتے ہیں۔"

تفہیمات میں ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

"میرے ذہن میں ڈالا گیا کہ میں لوگوں تک یہ حقیقت پہونچا دوں کہ یہ زمانہ

---

[۱] اسی بنیاد پر ہم نے فہرست میں ان کا تذکرہ نہیں کیا۔

تیرا زمانہ ہے اور یہ وقت تیرا وقت ہے، افسوس اس پر جو تیرے جھنڈے کے نیچے نہ ہو"

اسی کتاب میں ذرا تفصیل سے فرماتے ہیں کہ

"کہ مجھ کو اللہ پاک نے سمجھایا ہے کہ ہم نے تم کو اس طریقہ کا امام بنا دیا۔ اور حقیقت قرب تک پہونچنے کے تمام راستوں کو بند کر کے صرف ایک راستہ کھلا رکھا ہے اور وہ تمہاری محبت اور اطاعت کا راستہ ہے جو شخص تمہارا دشمن ہے اس کے لئے آسمان، آسمان نہیں اور زمین زمین نہیں۔ پس تمام اہل مشرق و مغرب تمہاری رعایا ہیں اور تم ان کے بادشاہ اس سے غرض نہیں کہ یہ لوگ جانتے ہیں یا نہیں اگر جانتے ہیں تو کامیاب ہوں گے ورنہ نقصان اٹھائیں گے۔

حجۃ اللہ البالغہ میں جہاں اپنے مجددانہ کارناموں کا تذکرہ کرتے ہیں وہیں یہ بھی فرماتے ہیں۔

"حق تعالیٰ کا عظیم ترین انعام اس بندۂ ضعیف پر یہ ہے کہ اس کو خلعتِ فاتحیہ" بخشا گیا ہے اور اس آخری دور کا افتتاح اس سے کرایا گیا ہے"

آپ کے معاصر علماء نے جو علوم و معارف میں اپنی مثال آپ تھے، آپ کے مقام عظمت کا اعتراف کیا ہے اور بڑی قدر و منزلت سے آپ کا ذکر کیا ہے۔

حضرت مرزا جان جاناںؒ فرماتے ہیں۔

"مثل ایشان در محققان صوفیا کہ جامع اند در علم ظاہر و باطن و علم نو بیان کردہ اند چند کس گذشتہ

باشندہ[1]

یعنی ان اہل تحقیق صوفیا میں جو ظاہری اور باطنی علوم کے جامع ہیں اور نیا علم بیان کیا ہے، حضرت شاہ صاحب جیسے بس چند ہی لوگ گذرے ہونگے"

مولانا فخرالدین فخر جہاں، دہلوی" آپ کے معاصر علما میں ہیں۔ اور اجمیری دروازے کے مدرسہ میں ان کا چشمۂ فیض جاری تھا۔ اپنے رسالہ فخر الحسن میں آپ کو اس طرح یا د فرماتے ہیں۔

"شیخ صاحب المقامات العالیہ والکرامات الجلیلہ" شیخ ولی اللہ سلمہ اللہ تعالٰی وابقاہ"

مولانا محمد عاشق صاحب پھلتی" جو آپ کے کمالات وعلوم کے حامل تھے مقدمہ" خیر کثیر" میں آپ کو ان گرانقدر الفاظ سے خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

"ودریں زماں بایں مقام اسنی ذات، مجمع آیات، مطلع فیض و انوار، منبع علوم و اسرار، مخزن کنوز کمالات وراثتِ محمدیہ، معدن نقود رموز وصایت احمدیہ، مجدد قواعد شریعت، مقنن قوانین طریقت مبیّن غوامض معرفت، محقق دقائق حقیقت، اعظم المحدثین، ولی العصر لسان اللہ قطب الدین احمد ابوالفیاض شیخ ولی اللہ دامت مد اللہ ظلال ارشادہ علی العلمین الی یوم الدین کما ہو ثابت عند اہل المعرفۃ والیقین"

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں[2]

---

[1] کلمات طیبات ص۱۶۸   [2] مقالات طریقت ص۱۰

"آیۃ من آیات اللہ، ومعجزۃ لنبیہ الکریم صلے اللہ علیہ وسلم"
یعنی اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت اور اسکے نبی صلے اللہ علیہ وسلم
کا معجزہ ہیں"

مولانا فضل حق خیرآبادی نے بھی آپ کے مقام عظمت کا اعتراف کیا ہے ان کے شاگرد رشید علامہ محسن بہاری نے اپنی کتاب "الیانع الجنی" میں خود اپنی شہادت بیان کی ہے جبکہ الور میں وہ مولانا سے پڑھا کرتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

"مولانا فضل حق کے ہاتھ "ازالۃ الخفا" کا نسخہ کہیں سے لگا۔ مولانا اس کے مطالعہ کے بڑے خواہشمند تھے۔ جب بھی درس تدریس یا دوسرے مشاغل سے فرصت ملتی اس کتاب کے مطالعہ میں مصروف رہتے۔ جب مولانا اس کتاب کا بیشتر حصہ پڑھکر فارغ ہوئے تو آپ نے سب کے سامنے جن میں میں خود بھی موجود تھا یہ فرمایا کہ جس شخص نے یہ کتاب تصنیف کی ہے وہ ایک بحر بیکراں ہے جس کے ساحل کا پتہ نہیں چلتا"

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سفر حج میں تھے اتفاق سے ان کا جہاز یمن کی بندرگاہ پر چند روز کے لئے ٹھہر گیا۔ چونکہ آپ کو معلوم ہوا کہ قریب کی کسی بستی میں ایک بہت ہی معمر عالم اور محدث رہتے ہیں اس لئے آپ جہاز سے اتر کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان سے سند حدیث کی درخواست کی۔ ان بزرگ نے دریافت کیا تم نے کس سے حدیث پڑھی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ شاہ عبدالغنی صاحب سے وہ چونکہ شاہ عبدالغنی صاحبؒ سے

ناواقف تھے اس لئے دریافت کیا کہ شاہ عبدالغنی نے کس سے پڑھی ہے؟ آپنے فرمایا
"شاہ اسحاق صاحب سے وہ شاہ اسحاق صاحب سے بھی ناواقف
تھے دریافت کیا کہ شاہ اسحاق صاحب نے کس سے پڑھی ہے؟ آپ
نے فرمایا شاہ عبدالعزیز صاحب، وہ شاہ عبدالعزیز صاحب سے واقف
تھے فرمایا کہ اب میں تم کو سند دیدوں گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ شاہ ولی اللہ
طوبیٰ کا درخت ہیں۔ پس جس طرح جہاں، جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں
وہاں جنت ہے اور جہاں اس کی شاخیں نہیں ہیں وہاں جنت نہیں
یونہی جہاں شاہ ولی اللہ کا سلسلہ ہے وہاں جنت ہے اور جہاں ان کا
سلسلہ نہیں وہاں جنت نہیں[۱]"

نواب صدیق حسن صاحب اتحاف النبلاء میں فرماتے ہیں۔

"اگر وجود او در صدر اول در زمانہ ماضی می بود، امام الائمہ و تاج المجتہدین
شمردہ می شد"

یعنی اگر شاہ صاحب کا وجود گزشتہ زمانہ میں صدر اول میں ہوتا تو
تمام مجتہدوں کے پیشوا اور مقتدا مانے جاتے بلکہ ان کے سرتاج بنائے
جاتے اور امام الائمہ کا گرانقدر خطاب پاتے۔

علامہ شبلی رقمطراز ہیں[۲]

"ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انھیں کے زمانہ میں مسلمانوں
میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ امید نہ تھی کہ پھر

---

۱ ارواح ثلثہ صفحہ ۲۰ ۲ تاریخ علم الکلام

کوئی صاحب دل ودماغ پیدا ہوگا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشہ دکھانا تھا کہ اخیر زمانہ میں شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا، جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رشد کے کارنامے ماند پڑ گئے۔"

جہاں تک آپ کے علمی تبحر، دماغی قابلیت، مجتہدانہ فکر ونظر، سلیم الخیالی اور اشاعت کتاب وسنت کے سلسلے میں عظیم الشان قومی اور مذہبی خدمات کا تعلق ہے ابنائے اسلام میں بہت ہی کم بزرگ ہوں گے جن سے آپ پیچھے رہے ہوں آپ کا شمار نوابغ اور عبقریین میں کیا جاتا ہے۔

وفات آپ نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں مدرسۂ رحیمیہ کی تدریسی ذمہ داریاں اپنے مخصوص تلامذہ پر ڈال دی تھیں۔ اور خود بیعت وارشاد کے ذریعہ مسترشدین کو فیضیاب کرتے تھے بیعت وارشاد کا یہ سلسلہ عمر کے آخری حصہ تک جاری رہا۔

آپ بڈھانہ ضلع مظفر نگر میں قیام پذیر تھے۔ کہ مرض الموت میں گرفتار ہوگئے قلت غذا کی وجہ سے ضعف ونقاہت پہلے ہی سے لاحق تھی۔ اب اس میں اور اضافہ ہوگیا۔

۹ ذی الحجہ ۱۱۷۵ھ کو بغرض علاج دہلی تشریف لائے اور اپنے شاگرد ومرید خاص بابا فضل اللہ کشمیری کے مکان میں جو چوک سعد اللہ خاں احاطہ مسجد روشن الدولہ میں واقع تھا۔ فروکش ہوئے۔

آپ کی تیمار داری کے لئے آپ کے صاحبزادے شیخ محمدؒ، شاہ عبدالعزیزؒ

شاہ رفیع الدین اور شاہ محمد عاشق پھلتی شاہ اہل اللہ، مولانا محمد فائق، میاں جواد علی پھلتی، اور خواجہ محمد امین ساتھ تھے۔

تقدیر، تدبیر پر غالب ہوئی۔ اور ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۲ء کو بوقت ظہر یہ آفتاب علم و معرفت افق دہلی میں ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔ تاریخ وفات "اوبود امام اعظم دین" ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم کے مزار سے متصل مہندیان[1] کے قبرستان میں آپ کے جسد خاکی کو سپرد خاک کیا گیا۔

---

[1] مولانا رحیم بخش دہلوی لکھتے ہیں "کسی زمانہ میں یہاں ایک عجیب غریب عمارت کھڑی تھی جس کے اوپر چاروں کونوں پر چار برجیاں تھیں اور ایک برجی بیچ میں بنی ہوئی تھی۔ دہلی کے عوام میں مشہور ہے کہ کوئی نواب صاحب جنھیں غوث الاعظم کی جناب میں بڑی عقیدت تھی اور بعض ہندوستانیوں کی رسم ہے کہ حضرتِ غوث کی مہندیاں بھرا کرتے ہیں یعنی کھپچیوں کی اونچی سی برجی بنا کر آگے کاغذ سے مڑھکر روشن کرتے ہیں۔

نواب صاحب نے مہندی کی صورت کی ایک عمارت بنائی جس میں وہ ہمیشہ روشنی کیا کرتے تھے اس زمانہ سے اس عمارت کا یہ نام مشہور ہوگیا۔ مگر اب اس عمارت کے کچھ نشانات پائے جاتے ہیں اسی کے قریب ایک مختصر احاطہ میں فخر ہندوستان شاہ ولی اللہؒ وغیرہ آسودہ ہیں۔

(دہلی گائڈ۔ مطبوعہ ۱۳۳۱ھ)

اولاد[1]

حضرت شاہ صاحب کی سبھی اولاد، علم و معرفت کی آفتاب و ماہتاب بن کے چمکی۔ ہندوستان میں مذہبی اور ملی تعمیر میں ان کا بڑا حصہ ہے آج تک ان کے فیوض سے ملک کا گوشہ گوشہ معمور ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ جب مرض الموت میں گرفتار ہوئے اور زندگی سے مایوسی ہوگئی تو بمقتضائے بشریت بچوں کی صغر سنی کا تردد لاحق ہوا۔ اسی وقت جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ تم کاہے کو فکر کرتے ہو۔ جیسی تمہاری اولاد ویسی ہی میری۔" چنانچہ آپ کا تردد رفع ہوگیا[2]

عام طور پر تذکرہ نگاروں نے آپ کے چار صاحبزادوں کا ذکر کیا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے بلکہ آپ کے پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔

شیخ محمد محدثؒ، الشاہ عبدالعزیزؒ، الشاہ رفیع الدینؒ، الشاہ عبدالقادرؒ الشاہ عبدالغنیؒ، بی بی[3] امۃ العزیز۔

---

[1] خانوادہ ولی اللّٰہی کا مفصل تذکرہ اور ان کے مجاہدانہ کارنامے مرتب کردہ مولانا قمرالدین صاحب مظاہری عنقریب ادارۂ معارف میں کتابی شکل میں پیش کرے گا۔ جو ہر اعتبار سے ایک بہترین شاہکار ثابت ہوگا۔ [2] ملاحظہ ہو ارواح ثلثہ صہ ۱۹ [3] ان کا نکاح شیخ محمد عاشق پھلتی کے صاحبزادے محمد فائق سے ہوا اور اولاد پھلت میں اب تک موجود ہے۔

الشیخ محمدؒ

آپ حضرت شاہ صاحبؒ کی پہلی اہلیہ کے بطن سے ہیں۔ عمر میں اپنے سب بھائیوں سے بڑے تھے علامہ محسن (بہاری) فرماتے ہیں

وکان لعبد العزیز اخ اقدم منہ سنا اسمہ محمد وکان اخاہ لابیہ اخذ عن ابیہ وھو ایضا قدیم الوفات[1]

شاہ عبدالعزیز کے ایک بھائی اور تھے جو ان سے بڑے تھے انکا نام محمد تھا۔ یہ شاہ عبدالعزیز کے اخیافی بھائی تھے ان کی وفات بھی اور بھائیوں کی طرح شاہ عبدالعزیز سے بہت پہلے ہوئی تھی۔

تعلیم و تربیت والد ماجد کی زیرنگرانی ہوئی۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے شمائل ترمذی آپ ہی کی قرأت سے پڑھی تھی[2]

آپ علوم ظاہری اور کمالات باطنی سے مالامال تھے آپ پر جذب کی کیفیت رہتی تھی لیکن نہ اتنی کہ حدود شرع کا لحاظ نہ رہے۔

ایک بار پرانی دہلی میں کسی ضرورت سے تشریف لئے جارہے تھے راستہ میں ایک مجذوب کو دیکھا جو برہنہ پڑا ہوا تھا۔ آپ نے اس کی اس کیفیت پر اظہار ناراضی کیا۔ مجذوب نے کہا کہ آج کسی بڑے مولوی پر سوار ہونیکو جی چاہتا ہے آپ نے ترکی بترکی جواب دیا کہ آج میرا جی کسی بڑے فقیر کے گوشت کھانیکو چاہتا ہے مجذوب نے کہا کہ اے مولوی کیا کہتا ہے! آدمی کا گوشت کھانا درست نہیں فقیر کا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟ آپ نے کہا کہ اے فقیر تو کیا کہتا ہے! آدمی پر سوار ہونا کب درست ہے چہ جائیکہ مولوی پر۔ مجذوب نے کہا کہ میری مراد سوار ہونے سے اسکو فیض دینا ہے

۱؎ الیانع الجنی ص۷۶ ۲؎ نزہۃ الخواطر ص۳۲۲ ج۶

آپ نے فرمایا کہ میری مراد گوشت کھانے سے اس سے فیض حاصل کرنا ہے یہ سن کر مجذوب نے کہا "آیئے بسم اللہ" اور یہ شعر پڑھا ؎

کارے نساختیم، و میدن گرفت صبح
آدجی[1] چراغ خانہ برافسانہ سوختیم

شعر کا سننا تھا کہ آپ پر جذب کی کیفیت طاری ہوئی اور آخر عمر تک غالب رہی[2] آپ بڑے عالم، محدث اور پاکباز صوفی تھے آپ دہلی سے پھلت منتقل ہو گئے اور بقول مولانا ظہیر الدین ولی اللہیؒ ہمیشہ پھلت ہی میں رہے[3]۔

لیکن صاحب نزہۃ الخواطر نے یہ تصریح کی ہے کہ اپنے والدؒ (شاہ صاحب) کی وفات کے بعد بڈھانہ منتقل ہوئے اور وہیں آخر تک رہے اور ۱۲۰۸ھ میں وصال ہوا۔ بڈھانہ کی جامع مسجد میں دفن ہوئے۔ اور وہیں آپ کے دو صاحبزادوں کے مزار بھی ہیں[4]۔

الشاہ عبدالعزیزؒ

آپ حضرت شاہ صاحبؒ کی دوسری بیوی کے بطن سے ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت پچیسویں[25] رمضان ۱۱۵۹ھ شب جمعہ میں ہوئی تاریخی نام غلام حلیم اور مشہور نام عبدالعزیز تھا۔ حضرت شاہ صاحب کے وصال کے وقت آپ کی عمر سولہ سال چھ مہینہ تھی[5]۔ ان کی وفات کے بعد شیخ محمد عاشق پھلتی، بابا فضل اللہ کشمیری اور شیخ نوراللہ بڈھانوی سے تکمیل علوم فرمائی۔

---

[1] شاعر کا تخلص ہے ع۔ [2] مقالات طریقت ص۱۴۲ [3] ملاحظہ ہو "دہلی اور اس کے اطراف" ص۷۸ [4] مقالات طریقت ص۱۴۱ [5] مقالات ص۲۴۳

آپ نہایت ذکی، فہیم اور نکتہ رس تھے۔ آپ کا کمال ہر فن میں مسلّم تھا۔ علوم دینیہ کے علاوہ جغرافیہ، حساب تاریخ وغیرہ حتی کہ تیراکی، تیراندازی اور شہسواری میں بھی ماہرین فن میں شمار کئے جاتے تھے۔ آپ اپنے زمانہ میں، آسمان علوم و معارف کے نیر تاباں تھے۔ سراج الہند آپ کا لقب تھا جو آپ کی علمی بلندی اور محبوبیت کا آئینہ دار ہے۔ فن مناظرہ اور حاضر جوابی میں یکتائے روزگار تھے۔

آپ حضرت شاہ صاحب کے علوم و معارف اور ان کے افکار و نظریات کے علم بردار تھے حدیث پاک کا وہ بیج جسے حضرت شاہ صاحب نے بویا تھا آپ نے اپنی جدوجہد سے اسے ایک ایسا سرسبز و شاداب درخت بنا دیا جس سے سارا ہندوستان فیضیاب ہوا۔

کہتے ہیں کہ بدایوں کے کسی عالم صاحب نے یہ ارادہ کیا کہ علم حدیث کسی ایسے محدث سے پڑھوں گا جن کا سلسلۂ تلمذ شاہ عبدالعزیز تک نہ پہونچتا ہو اس سلسلہ میں انھوں نے سارے ہندوستان کا چکر لگایا مگر کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ جس محدث کی خدمت میں پہونچے اس کا سلسلۂ تلمذ آپ تک ضرور پہونچتا تھا[1] چنانچہ آج ہندوستان میں جہاں کہیں علم حدیث کا چرچا پایا جاتا ہے وہ واسطہ در واسطہ آپ ہی کی ذات پر منتہی ہوتا ہے۔

آپ بڑے مستقل مزاج اور صاحب عزم و ہمت تھے۔ حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد ان کے جاری کردہ درس قرآن کے سلسلہ کو شروع فرمایا جہاں سے انھوں نے آخری درس ختم کیا تھا۔ ساری عمر بڑی پابندی کے ساتھ جاری رکھا

---

[1] مقالات طریقت۔

حتیٰ کہ ضعف اور مسلسل امراض کے باوجود کبھی ترک نہ فرمایا آپ کا آخری درس قرآن الایۃ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم، تھا[1]

آپ کے علم و تحقیق کا چرچا ہندوستان سے بڑھ کر حجاز و شام، مصر و ترکی اور ایران تک پھیلا ہوا تھا۔ آپ کی ہمہ دانی کا یہ عالم تھا کہ جس موضوع پر گفتگو فرماتے، ایسا معلوم ہوتا کہ اس موضوع پر آپ سے زیادہ کسی نے کیا مطالعہ کیا ہوگا۔ مختلف علوم و فنون میں آپ کی گرانقدر تصانیف ہیں لیکن تفسیر فتح العزیز، تحفہ اثناعشریہ آپ کی وہ مایۂ ناز تصانیف ہیں جن سے آپ کے علمی تفوق اور علومراتب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

آپ کے تلامذہ میں شاہ رفیع الدینؒ شاہ عبدالقادرؒ، شاہ عبدالغنیؒ، سید احمد شہیدؒ مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ، شاہ غلام علی صاحبؒ، شیخ عبدالحیٔ بڈھانوی، مولانا حسین احمد ملیح آبادی، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، شیخ قمرالدین سونی پتی، مولانا رشیدالدین صاحب۔ شاہ محمد اسحاق دہلوی، مولانا حیدر علی ٹونکی اور مولانا محمد یعقوب صاحب جیسی شخصیات نظر آتی ہیں۔

وفات کے وقت یہ شعر

روزے قیامت چوں شود ہر کس بگیرد نامۂ
من نیز حاضر میشوم تصویر جانان در بغل

اس تصرف کے ساتھ پڑھا۔

روزے قیامت چوں شود ہر کس بگیرد نامۂ
من نیز حاضر می‌شوم تفسیر قرآن در بغل

---

[1] اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا آخری درس اعدلوا ہو اقرب للتقویٰ، تھا (مقالات ص۳۱)

اوراس کے بعد مشہور قرآنی دعا توفنی مسلماً والحقنی بالصّالحین پڑھکر جان جاں آفریں کو سپرد فرمائی۔

آپ کی وفات ۷ رشوال ۱۲۳۹ھ بروز یکشنبہ طلوع آفتاب کے وقت ہوئی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ پچپن بار نماز جنازہ ہوئی آپ کے نرینہ اولاد نہ تھیں تین صاحبزادیاں تھیں جن میں سے ایک شاہ رفیع الدین کے صاحبزادے مولوی عیسیٰ صاحب سے اور دوسری مولانا افضل صاحبؒ اور تیسری مولانا عبدالحئیؒ صاحبؒ سے منسوب تھیں۔

الشاہ رفیع الدینؒ

آپ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے چھوٹے تھے والد ماجد کی وفات کے وقت میبذی وغیرہ پڑھتے تھے تمام معقولات ومنقولات کی تکمیل الشاہ عبدالعزیز صاحب کی سلوک وتصوف شیخ محمد عاشقؒ کی رہنمائی میں طے فرمایا۔ کسی مجذوب سے بھی اخذ فیض کیا۔ آپ کی ذات جامع العلوم والفنون تھی۔ سرسید احمد نے لکھا ہے کہ "آپ مسندالیہ ارباب استعداد تھے" حضرت الشاہ عبدالعزیز کے گوناگوں ضعف وامراض، اور قوت بینائی ختم ہونے کے بعد آپ نے ان کی نیابت فرمائی بیس سال کی عمر میں مسند درس وافتا پر رونق افروز ہوئے۔

مختلف علوم وفنون کا درس دیتے جس فن کا درس شروع فرماتے معلوم ہوتا کہ اس فن میں فرید دہر اور وحید عصر ہیں[1]

بعض وجوہ کی بنا پر جب دہلی چھوڑ کر رامپور میں اقامت فرمائی۔ لوگ بطور امتحان آپ سے مختلف سوالات کرتے آپ فرماتے کہ سوالات لکھ کر رکھ جاؤ، کل

---

[1] مقالات ص۱۵

جواب دوں گا۔ دوسرے روز آپ ایسا تحریری جواب دیتے کہ سب مطمئن ہو جاتے آپ کی ذہانت اور خدا داد قابلیت پر رامپور کے علما و طلباء کو حسد ہوا اور آپ کو زیر کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ایک طالب علم نے شعراء جاہلیت کا ایک قصیدہ (جس میں نوسو اشعار تھے) لکھ کر لایا اور اس میں چالاکی یہ کی کہ ہر مصرعہ کو اسکے موقع و محل سے تبدیل کر دیا۔ اور تصحیح کی درخواست کی آپ نے فرمایا کہ رکھدو اور کل آنا۔ آپنے قصیدے کے سارے اشعار جس طرح منقول تھے تحریر فرما دیے۔ جب دوسرے دن وہ طالب علم آیا تو دیکھ کر نہایت متحیر ہوا اور کہنے لگا کہ یہ تو آپ کی عجیب و غریب کرامت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کرامت کا اس میں کوئی دخل نہیں یہ قصیدہ تو مجھے زبانی یاد ہے اور اس قسم کے شعراء جاہلیت کے قصیدے مجھے نوسو یاد ہیں۔ جب میں نے شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں جلالین پڑھنے کا ارادہ کیا تھا تو انھوں نے فرمایا تھا کہ تفسیر پڑھنے کا لطف جب ہے کہ کچھ کلام ان شعراء و بلغائے عرب کا یاد ہو جن کے معارضے میں یہ کلام نازل ہوا ہے چنانچہ اس وقت میں نے جن قصائد کو یاد کیا تھا ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔

آپکی سخاوت اور غرباء پروری کا یہ حال تھا کہ کیسۂ زر ہمیشہ خالی رہتا تھا۔ مکان کے باہر چبوترہ پر بیٹھا کرتے تھے اور اسپر فرش نہ ہوتا تھا۔ بلکہ صرف چٹائی ہوتی تھی اور کبھی چٹائی بھی دیدیتے تھے اور خود خالی زمین پر بیٹھتے تھے۔

محلہ کی رانڈ بیواؤں اور غریب عورتوں کا کام بھی کر دیا کرتے تھے۔ ایکبار بازار تشریف لے گئے محلے کی عورتوں کا سودا خریدا اور رومال میں باندھ لیا لیکن وہ ناکافی ثابت ہوا تو کرتے کے دامن میں لے لیا وہ بھی کافی نہ ہوا تو ٹوپی میں رکھ لیا۔ میاں جی محمد حسن

جو آپ کے ساتھ تھے انھوں نے عرض کیا کہ حضرت! وال مجھے دیدیجئے اور ٹوپی سر پر اوڑھ لیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، مسلمان کی ہر چیز کام میں آنا چاہیئے[1]

شاہ عبدالعزیز صاحب کو آپ سے دلی تعلق تھا۔ صاحب ملفوظات نے جنازہ کی کیفیت بڑے دردانگیز انداز میں لکھی ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے باوجود کمزور اور نابینا ہونے کے آپ کی چارپائی اٹھانے کی کوشش فرمائی لیکن اٹھا نہ سکے تڑپ اٹھے اور دلدوز لہجے میں فرمایا کہ ـــــــ "چہ گویم من طاقتے ندارم"

تدفین سے فراغت کے بعد شاہ عبدالعزیز نے فرمایا۔

"رفیع الدینؒ سے میرا چار طرح سے رشتہ تھا ایک تو یہ کہ حقیقی بھائی تھے دوسرے قبلہ گاہی والدماجد نے انھیں میرے سپرد کرکے کہا تھا کہ یہ تیرا لڑکا ہے اور تیسرے یہ کہ ہم دونوں نے ایک ہی دایہ کا دودھ پیا۔ چوتھے وہ میرے شاگرد تھے"۔

کسی نے کہا کہ شاہ رفیع الدین سے اس خاندان کی بڑی علمی عزت تھی تو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا۔

"اگر وہ جاہل بھی ہوتے تو تب بھی مجھے ان کا اتنا ہی درد ہوتا"[2]

آپ کی وفات شوال کی پانچویں ۱۲۳۳ھ میں ہوئی اور مہندیان میں اپنے والد اور دادا کے جوار میں دفن ہوئے۔

مختلف علوم میں آپ کی بہترین تصنیفات ہیں لیکن قرآن پاک کا لفظی ترجمہ اپنی مثال آپ ہے۔

---

[1] ارواح ثلثہ صفحہ ۴۱ [2] ملفوظات عزیزی

اولاد عام طور پر آپ کے چار صاحبزادے مشہور ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ پانچ صاحبزادے تھے۔

مولوی محمد عیسیٰ، مولوی مصطفےٰ، مولوی مخصوص اللہ، مولوی محمد حسین مولوی موسیٰ، مولوی محمد حسن۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی اولاد آپ ہی سے باقی ہے (مقالات)

الشاہ عبدالقادرؒ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے وصال کے وقت آپ صرف میر وغیرہ پڑھتے تھے تمام علوم ظاہر و باطن اپنے بڑے بھائی الشاہ عبدالعزیزؒ سے حاصل کئے شیخ عبدالعدل دہلویؒ سے بھی فیض حاصل کیا۔ آپ علم و تصوف میں مقامات عالیہ کے مالک تھے تقریباً بیس سال تک اکبرآبادی مسجد میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے رہے آپ کے کھانے اور کپڑوں کا انتظام شاہ عبدالعزیز کے گھر سے تھا۔

آپ کا علمی اور روحانی فیض جاری تھا حدیث پاک کا درس آپ کا محبوب مشغلہ تھا آپ معقولات میں بھی صاحب کمال تسلیم کئے جاتے تھے آپ کے مشہور تلامذہ میں شیخ عبدالحئی بڈھانوی الشاہ محمد اسماعیل شہید، شیخ فضل حق خیرآبادی، مرزا حسن شافی لکھنوی، شاہ محمد اسحاق دہلوی اور مفتی صدرالدین آزردہ وغیرہ جیسی باکمال ہستیاں ہیں

"آپ بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے۔ دلی میں آپ کی کرامات کا چرچا تھا۔ مشہور ہے کہ اگر عید کا چاند تیس کا ہونیوالا ہوتا تو آپ پہلے روز تراویح میں ایک پارہ پڑھتے اور اگر انتیس کا ہونیوالا ہوتا تو دو پارے پڑھتے چونکہ آپ کی اس کرامت کا بارہا تجربہ ہو چکا تھا اسلئے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ

- اول روز کسی آدمی کو بھیجتے اور فرماتے کہ دیکھ کر آؤ میاں عبدالقادر نے آج کے پارے پڑھے ہیں وہ آدمی آکر اگر یہ کہتا کہ آج دو پڑھے ہیں تو فرماتے کہ عید کا چاند انتیس ۲۹ کا ہوگا یہ دوسری بات ہے کہ ابر وغیرہ ہونے کی وجہ سے چاند دکھائی نہ دے اور حجت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ہم رویت کا حکم نہ لگا سکیں"

آپ کی یہ کرامت دلی میں اتنی مشہور ہوگئی تھی کہ اہل پیشہ دھوبی درزی وغیرہ اپنے کاموں میں آپ کے اسی عمل پر یقین کرکے کوشش کرتے تھے[۱]

- آپ ہفتہ میں صرف ایک روز مسجد اکبرآبادی سے اپنی صاحبزادی اور شاہ عبدالعزیزؒ سے ملاقات کرنیکے لئے تشریف لے جاتے۔

آپ کی اولاد نرینہ نہ تھی صرف ایک صاحبزادی تھیں۔

آپ کا ترجمۂ کلام پاک آج تک مقبول خاص و عام ہے اور اردو تراجم میں ایک اعلیٰ شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے آپ نے تریسٹھ سال کی عمر پائی اور ۱۲۳۰ھ میں وفات پائی۔

الشاہ عبدالغنیؒ

حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے وقت آپ کم سن تھے کلام پاک حفظ کرتے تھے[۲]

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی تعلیم و تربیت نے آپ کو جامع کمالات بنا دیا تھا آپ علم حدیث و فقہ میں ماہرانہ بصیرت رکھتے تھے۔ زہد و اتقار میں یکتائے روزگار تھے وضع و لباس میں اپنے والد شاہ ولی اللہؒ سے بہت ہی مشابہ

---

[۱] ملاحظہ ارواح ثلثہ۔ [۲] مقالات ص ۲۷

سکتے علمی کمالات کے علاوہ اخلاق عامہ میں آپ ممتاز نظر آتے تھے آپ نے اپنے اوقات درس تدریس کے لئے وقف کر رکھے تھے صاحب مقالات طریقت نے لکھا ہے کہ آپ صاحب کشف و کرامات بھی تھے۔

آپ نے زیادہ عمر نہ پائی۔ شاہ عبدالعزیزؒ کے بھائیوں میں سب سے پہلے آپ کا انتقال ہوا[۱]۔ آپ کے صاحبزادے حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ دہلوی ہیں۔

تلامذہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا اکثر حصہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں بسر ہوا۔ آپ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے سیکڑوں طلبہ آتے اور مستفید ہو کر واپس ہوتے۔ آپ کی علمی شخصیت کا شہرہ ہندوستان کے علاوہ اسلامی ملکوں بالخصوص حرمین شریفین تک تھا۔ اسی لئے وہاں سے طلبار علوم دینیہ کی آمد کا سلسلہ قائم تھا۔ اگر یہ کہا جائے کہ عصر حاضر میں تمام علمائے ہند آپ ہی کے معنوی شاگرد ہیں تو غلط نہ ہوگا۔ آپ کے شاگردوں کی مکمل فہرست کا پیش کرنا مشکل ہے۔ البتہ آپ کے چند ممتاز شاگردوں میں آپ کے چاروں صاحبزادوں کے علاوہ مندرجہ ذیل اسمار پیش کئے جا سکتے ہیں جو آپ کے رفقار کار بھی رہے ہیں اور جنھوں نے آپ کے علوم و معارف کو ملک و بیرون ملک میں عام بھی کئے ہیں۔

شیخ محمد عاشق پھلتی۔ شاہ نور اللہ بڈھانوی۔ شاہ جمال الدین۔ خواجہ محمد امین کشمیری

---

[۱] وفات میں ترتیب بالکل برعکس ہے یعنی پہلے شاہ عبدالغنیؒ پھر شاہ عبدالقادرؒ پھر شاہ رفیع الدینؒ پھر شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات ہوئی۔

شاہ ابوسعید بریلوی ۔ مولانا ثناء اللہ پانی پتی ۔ شاہ محمد نعمان صاحب علامہ مرتضی الحسینی الواسطی ۔ علامہ رفیع الدین بن فرید الدین محدث مرادآبادی ۔ شیخ محمد سعید بن محمد ظریف الدہلوی ۔ علامہ محمد معین سندی ۔

شیخ محمد عاشق پھلتیؒ آپ حضرت شاہ صاحب کے ماموں زاد بھائی تھے بچپن ہی سے آپ نے علم سے اشتغال رکھا۔ اور حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں تکمیل کی۔ حضرت شاہ صاحب سے آپ نے علم و معرفت کو اخذ کیا حرمین شریفین کے سفر (۱۱۴۳ھ تا ۱۱۴۵ھ) میں آپ حضرت شاہ صاحب کے ہمراہ تھے۔ حرمین کے جو اساتذہ حضرت شاہ صاحب کے ہیں وہ آپ کے بھی ہیں۔

آپ حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ اور خلفاء میں سب سے اونچا مرتبہ رکھتے ہیں۔ آپ حضرت شاہ صاحب کے "صاحب السر" تھے جیسا کہ شیخ ابو طاہر کردیؒ نے اپنے اجازت نامے میں اس خصوصیت کا ذکر کیا ہے اور آپ کو حضرت شاہ صاحبؒ کا آئینۂ کمال قرار دیا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ

روزے در اواخر ایام خود۔ بایں فقیر وصلاح آثار محمد عاشق اشارہ کردہ والد ماجد فرمودند کہ بایکدگر دوستی دارند۔ وایں دوستی سبب ابتہاج و سرور من می شود۔

والد ماجد نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ایک روز مجھ سے شیخ محمد عاشق کیطرف اشارہ کرکے فرمایا کہ (تم دونوں) آپس میں دوستی رکھو اور یہ دوستی میری خوشی اور سرور کا سبب ہوگی۔

سراین کلمہ من بعد بظہور پیوست کہ این عزیز بااین فقیر ارتباط طریقت پیدا کرد و متبع شد۔ وامید این است کہ این دوستی مثمر فوائد بسیار باشد[۱]

والد ماجد کے اس قول کا بھید بعد میں یوں ظاہر ہوا کہ انہوں نے اس فقیر سے طریقت کا تعلق پیدا کیا۔ اور امید ہے کہ یہ دوستی بہت سے فوائد بخشے گی۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے عربی اشعار میں آپ کو کمالات عالیہ کی خوشخبری دی ہے حضرت سراج الہند الشاہ عبدالعزیزؒ حضرت شاہ رفیع الدینؒ اور حضرت شاہ ابوسعید حسنی بریلوی جیسے باکمال مشائخ اور ایک خلق کثیر نے آپ سے اخذ فیض کیا ہے۔

آپ کے مصنفات میں سے ایک کتاب "سبیل الرشاد" ہے جو فارسی زبان میں فن تصوف وسلوک کی مبسوط کتاب ہے۔

"القول الجلی فی مناقب الولی" بھی آپ کی کتاب ہے۔

آپ کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ آپ نے مصفی شرح موطا للشیخ ولی اللہ المحدث کا مبیضہ تیار کیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے علوم و معارف زیادہ تر آپ کے ذریعہ محفوظ اور اشاعت پذیر ہوئے حضرت شاہ صاحب کے مکتوبات کو بھی آپ نے اور آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالرحمن مرحوم نے جمع کیا تھا۔ آپ کی وفات غالباً ۱۲۴۰ھ میں ہوئی جیسا کہ شاہ عبدالعزیزؒ کے ایک مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے[۲]۔

۱؎ انفاس العارفین ص۶۵ ۲؎ از افادات مولانا نسیم احمد امروہوی مدظلہٗ مطبوعہ عبدالرحیم جولائی ۱۹۶۵ء۔

مولٰنا نوراللہ بڈھانوی

آپ حضرت شاہ صاحب کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔ تحریک ولی اللہی میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے آپ کو جو اجازت نامہ لکھ کر دیا تھا وہ آپ کی علمی اور روحانی بلندیوں کا آئینہ دار ہے[۱]۔

فقہ حنفی میں شاہ عبدالعزیزؒ کے استاذ ہیں اور ان کے خسر بھی۔

آپ کے صاحبزادے مولانا ہبۃ اللہ ہیں جن کے صاحبزادے مولانا عبدالحیٰ صاحبؒ ہیں۔ مولانا عبدالحیٰ شاہ عبدالعزیزؒ کے تلامذہ میں ان کے بھائیوں کے بعد سب سے بڑے آدمی ہیں[۲]۔

آپ اتباع شریعت، اور اشاعتِ علوم و معارف میں ممتاز تھے۔ شاہ صاحبؒ کے علوم و معارف کے پھیلانے میں آپ کی کوششوں کو بڑا دخل ہے۔

شاہ جمال الدین

آپ مولوی کفایت علیؒ کے صاحبزادے تھے۔ وطن اصلی لاہور تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں دہلی آئے۔ علوم عقلی و نقلی اور حدیث و تفسیر کی تحصیل اور تکمیل فرمائی۔ آپ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ہم سبق تھے مولانا شاہ فخرالدین دہلوی سے بیعت کی اور خلافت حاصل کی۔ پھر مرادآباد تشریف لائے اور وہیں شادی ہوئی۔ اس کے بعد رامپور پہونچے۔ اور تاحیات چشمۂ فیض جاری رہا۔

---

[۱] تفہیمات ج ۱ ص ۱۰۲ پر جو اجازت نامہ ہے وہ آپ ہی کے لئے ہے۔

[۲] شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص ۴۷

"کسی نے آپ سے پوچھا کہ نیک لوگ کامیاب زندگی سے زیادہ عالم جاودانی کی آرزو رکھتے ہیں حتیٰ کہ آسمانی کتابوں میں بھی ہے اسکے باوجود مرتے وقت افسردگی اور آزردگی کے آثار دکھائی دینے لگتے ہیں"۔

آپ نے فرمایا اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص اپنے باپ کی اجازت سے بنگال پہونچا کچھ عرصہ وہاں قیام کیا اور وہاں کے باشندوں سے برادرانہ دوستی کے تعلقات ہو گئے اس وقت اسکو اپنے والد کے دیکھنے کی آرزو پیدا ہوئی۔ باپ نے بھی حکم بھیجا کہ بہت جلد آجاؤ اب جدائی کے وقت دوستوں کو آبدیدہ دیکھ کر اس کا افسردہ اور غمزدہ ہوجانا کوئی تعجب کی بات نہیں حالانکہ مقصد جدائی ہے اور کسی کا جبر نہیں"۔

آپ نہایت منکسر المزاج اور حلیم الطبع تھے ہر شخص کے ساتھ بلا لحاظ مذہب وملت اخلاق سے پیش آتے تھے۔ جنگی خان ساکن گکرالہ ضلع بدایوں آپ کا بڑا معتقد تھا۔

آپ کی وفات ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۸۲۵ء میں ہوئی[۱]

خواجہ محمد امین کشمیری

آپ نسلاً تو کشمیری تھے لیکن سکونت کے لحاظ سے دہلوی تھے حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اور آپ ہی کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ علوم ظاہر اور کمالات باطن سے بہرہ ور تھے محدثانہ شان میں منفرد تھے حضرت شاہ صاحبؒ کو آپ سے بڑا تعلق تھا

[۱] علم وعمل ص ۱۶۵ ج ۱

آپ کی وجہ سے حضرت شاہ صاحبؒ نے بعض رسائل تصنیف فرمائے۔ فارسی زبان کے وہ اشعار جن میں امور تصوف بیان کئے گئے ہیں وہ آپ ہی کی التماس پر شاہ صاحبؒ نے کہے تھے۔

حضرت شاہ صاحب اپنے اشعار میں جہاں کہیں آمین فرماتے ہیں دراصل وہاں آپ ہی کو مخاطب فرماتے ہیں۔

آپ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ آپ کے ذریعہ سے ندوی اللہی کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔

آپ کی وفات ۱۱۸۰ھ میں ہوئی۔[۱]

شاہ ابوسعید بریلویؒ

آپ شاہ علم اللہ حسنی بریلوی کے پرپوتے ہیں۔ رائے بریلی میں پیدا ہوئے تحصیل علم ملا نظام الدین کے شاگرد رشید مولانا عبداللہ امیٹھوی سے کی پھر اپنے چچا سید محمد صابرؒ[۲] نقشبندی سے بیعت ہوئے اور ایک مدت تک ان کے بتائے ہوئے اشغال میں مشغول رہے۔

اپنے والد کے خلیفہ میر محمد یونس سے بھی اپنے آبائے کرام کی روحانی نسبت حاصل کی۔ پھر دہلی کا سفر کیا اور حضرت شاہ صاحب سے روحانی تعلق پیدا کر کے اخذ فیض کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے وصال کے بعد شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کی طرف رجوع ہوئے اور ان سے مابقی سلوک طے کیا۔ شاہ محمد عاشقؒ نے ان کو خلافت نامہ لکھا جس میں تحریر ہے کہ "حضرت شاہ صاحبؒ کے فیض توجہ سے ان کو وہ احوال و آثار

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تذکرہ محدثین ج ۲ ص ۱۹۹ اور نزہۃ الخواطر۔

[۲] سید محمد صابرؒ خواجہ محمد معصوم کے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صدیق کے خلیفہ تھے۔

ظاہر ہو چکے تھے جو صوفیاء کے نزدیک انتہائی درجہ کے ہیں۔

آپ بڑے جلیل القدر، کریم النفس، اور مہمان نواز بزرگ تھے۔ آپ کا دسترخوان نہایت وسیع تھا۔

۲۸ ربیع الاول ۱۱۸۱ھ کو مکہ معظمہ پہونچے اور حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے وہاں چھ ماہ اقامت کی اور شیخ ابوالحسن سندیؒ کے حلقہ درس میں مصابیح کی سماعت کی ایک روز مواجہہ شریف میں بیٹھے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوا۔

دوبارہ مکہ معظمہ آئے اور جزریہ قاری میر داؤد انصاری سے پڑھی یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ تجوید کے یہی استاد معرفت وسلوک میں آپ کے خلیفہ ہوئے۔

۱۱۸۳ھ میں ہندوستان آئے اور مدراس میں داخل ہو کر وہاں ایک مانہ تک مقبول خواص وعوام ہو کر رہے۔

۹ رمضان ۱۱۹۳ھ کو وفات پائی اور تکیہ شاہ علم اللہؒ میں مدفون ہوئے آپ کے مشہور وممتاز اور جلیل القدر خلفاء یہ تھے۔

میر عبدالسلام بدخشانیؒ۔ قاری شیخ داؤد مکی انصاریؒ۔ مولانا جمال الدین ابن محمد صدیق قطبیؒ۔ مولانا عبداللہ آفندیؒ۔ شیخ عبداللطیف حسینی مصریؒ، حاجی امین الدین کاکورویؒ۔ شاہ عبدالقادر خالص پوریؒ[1]

---

[1] ازافادات مولانا امروہوی مدظلہ۔ مطبوعہ الرحیم مئی ۱۹۶۵ء

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ

مشہور و معروف جلیل القدر محدث مفسر، فقیہ، محقق، جامع معقول و منقول تھے۔ علم تفسیر، کلام و اصول اور تصوف میں نہایت بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ حدیث و فقہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ سے پڑھی تھی حدیثی و فقہی تبحر اور دقتِ نظر کے اعتبار سے اگر آپ کو "طحاوی وقت" کہا جائے تو زیادہ موزوں ہے اٹھارہ سال کی عمر میں تمام علومِ ظاہری سے فارغ ہو کر حضرت شیخ محمد عابد سنامیؒ سے بیعتِ سلوک کی اور تمام سلوک نہایت قلیل عرصہ میں حاصل فرمالیا فنائے قلب کے درجہ سے شرفِ بقا حاصل کیا۔ پھر ان ہی کے فرمانے پر حضرت مرزا جان جاناںؒ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کے آخری مقامات تک پہونچ گئے۔ ان کی بارگاہِ فیض سے علم الہدیٰ کا لقب حاصل کیا۔ مقامات مبارکہ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور اپنے جدِ امجد حضرت شیخ جلال الدین عثمانیؒ سے بھی روحانی تربیت اور بشارات ملیں۔

حضرت مرزا آپ کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ فرشتے بھی آپ کی تعظیم کرتے ہیں۔

آپ قضا، درس و تصنیف اور شغل و مراقبہ کی مشغولیت کے باوجود روزانہ ایک سو رکعات نفل اور تہجد میں ایک منزل تلاوت کلام پاک پر مواظبت فرماتے تھے آپ کی تصانیف جلیلہ یہ ہیں۔

تفسیر مظہری (دس جلدوں میں) ایک کتاب مبسوط حدیث میں (دو جلد) ایک مبسوط کتاب فقہ جس میں ہر مسئلہ کے ماخذ و دلائل اور ائمہ اربعہ کے مختارات کو جمع فرمایا

ہے ایک رسالہ "اقوی المذاہب" نامی ہے۔ ان کے علاوہ "مالا بد منہ، السیف المسلول (ردشیعہ میں) ارشاد الطالبین، تذکرۃ الموتیٰ والقبور، تذکرۃ المعاد، حقیقۃ الاسلام، رسالہ فی حکم الغناء، رسالہ فی حرمۃ المتعہ، رسالہ فی العشر والخراج، شہاب ثاقب، وصیت نامہ حضرت شاہ عبد العزیزؒ" آپ کو بیہقی وقت فرمایا کرتے تھے۔

آپ کی وفات ۱۲۲۵ھ میں ہوئی[1]۔

شاہ محمد نعمانؒ

آپ سید محمد نور کے صاحب زادے اور سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی چچا تھے آپ کی ولادت نصیر آباد میں ہوئی کچھ مدت تک وطن میں تحصیل علم کرنے کے بعد لکھنؤ ہو کر مولانا عبد اللہ امیٹھوی سے کتابیں پڑھیں۔ پھر رائے بریلی واپس ہو کر سید محمد جیؒ ابن شاہ علم اللہؒ سے بیعت کی اور ایک مدت تک ان کی صحبت میں رہ کر استفادہ کیا۔ سید محمدؒ کی وفات ۱۱۵۶ھ کے بعد ان کے صاحبزادے سید محمد عدل سے سلوک کی تکمیل کی اور ہندوستان کے مختلف شہروں اور دینی مرکزوں میں جا کر بڑے بڑے علماء ومشائخ سے استفادہ کیا۔

ذی قعدہ ۱۱۷۵ھ میں بڈھانہ حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے مشرف ہوئے۔ اور حضرت شاہ صاحب کی وفات ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ تک حاضر باش رہ کر روزانہ ملاقات اور شاہ صاحبؒ کی خصوصی توجہات اور شفقت والتفات سے محظوظ ہوتے رہے۔

تقریباً ۱۱۹۳ھ میں حرمین کا سفر کیا۔ حج و زیارت کے بعد بیت المقدس

---

[1] حدائق حنفیہ و نزہۃ الخواطر۔

اور الخلیل کی زیارت کی۔ اور اسی سال ۵ رجمادی الاخریٰ کو وہیں انتقال کیا اور حضرت موسیٰ کے خطیرہ میں مدفون ہوئے[۱]۔

علامہ مرتضیٰ الحسینیؒ جلیل القدر محدث و فقیہہ، امام لغت، جامع معقول و منقول تھے ۱۱۴۵ھ میں بلگرام میں پیدا ہوئے پہلے اپنے قصبہ کے علماء سے تحصیل کی پھر سندیلہ، خیرآباد پہونچے۔ وہاں سے دہلی جاکر حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ سے استفادہ کیا۔

۱۱۶۳ھ میں حرمین حاضر ہوئے۔ حج و زیارت سے فارغ ہوکر تکمیل علوم کی ٹھانی علم حدیث کی طرف خاص توجہ تھی۔ حجاز و مصر وغیرہ کے تقریباً ایک سو علماء و مشائخ سے کمالات کی تحصیل کی اور مذاہب اربعہ کے مشائخ نے آپ کو اجازتِ درس و تحدیث دی۔

ایک مدت تک زبید میں قیام فرمایا جس سے زبیدی مشہور ہوئے۔ پھر مصر تشریف لے گئے وہاں مسند درس و تصنیف کو زینت دی۔ بے شمار لوگوں کو علوم حدیث و تفسیر سے فیضیاب کیا۔ حتیٰ کہ سلطان ترکی عبدالحمید خان اور ان کے وزراکو بھی ان کی استدعا پر حدیث نبوی پڑھاکر مروجہ اجازت دی اسی طرح دوسرے ملوک حجاز، ہند، یمن، شام، عراق اور ملوک عرب سوڈان وغیرہ نے بذریعہ مکاتبت آپ سے حدیث کی اجازت طلب کی اور آپ نے انھیں اجازت دی۔

جامع ازہر کے علما و فضلا نے آپ سے حدیث پڑھنے کی درخواست کی آپ نے بخوشی منظور فرمایا اور ہفتہ میں جمعرات اور پیر کا دن ان کے درس کے لئے مقرر فرما دیا۔ تیرھویں صدی کے کبار محدثین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ آپ

[۱] سیرت احمد شہید ص ۶۵

اکثر اوائل کتب پڑھا کر اجازت دیتے تھے۔

آپ کی تصانیف کی تعداد بہت زیادہ ہے حدیث و فقہ اور لغت کی نادر روزگار تالیفات ہیں۔ چنانچہ تاج العروس شرح قاموس دس بسیط جلدوں میں نہایت مشہور اور مقبول و بے نظیر ہے۔

حدیث و فقہ میں عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ الامام ابی حنیفہ۔ الازہار المتناثرہ فی الاحادیث المتواترہ۔ القول الصحیح فی مراتب التعدیل والتجریح التحبیر فی حدیث المسلسل بالتکبیر وغیرہ مشہور کتابیں ہیں۔

نواب صدیق حسن خان صاحب نے اتحاف النبلاء میں آپ کا ذکر تفصیل سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ کی سترہ کتابیں میرے پاس موجود ہیں۔ صاحب "حدائق حنیفہ" نے ۲۶ کتابوں کے نام گنا کر وغیر ذالک لکھا ہے[۱]

آخر عمر میں عوام و خواص کے غیر معمولی رجوع سے تنگ آکر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ سلسلہ درس ترک کر دیا تھا اور گھر کے دروازے بند کرا دئے تھے اسی حالت میں طاعون کے مرض میں ۱۲۰۵ھ میں وفات پائی آپ کے کوئی اولاد نہ تھی

علامہ محدث رفیع الدین ابن فرید الدین

مراد آبادی

مشہور محدث تھے۔ اپنے شہر مراد آباد میں علما و مشائخ سے علوم کی تحصیل کی پھر دہلی پہونچکر حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک مدت تک

---

[۱] تذکرہ محدثین ص۲۰۱

رہ کر حدیث پڑھی۔ اور بامراد وطن واپس ہوکر درس وافادہ میں مشغول ہوئے۔ پھر ۱۲۰۱ھ میں حرمین شریفین کے دوران سفر میں شیخ محدث خیر الدین سورتی سے سورت میں ملے۔ ان سے بخاری شریف پڑھی اور اجازت حاصل کی۔
صورت کے بندرگاہ سے "سفینۃ الرسول" نامی جہاز میں سوار ہوئے۔
۱۲۰۳ھ میں واپس ہوکر درس وتدریس میں مشغول ہوئے۔ آپ نے اپنا سفرنامہ حجاز مرتب فرمایا ہے جسکا ترجمہ مولانا نسیم احمد صاحب قبلہ نے کیا ہے جو بیش بہا معلومات اور غیر معمولی افادیت کا حامل ہے۔
آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں۔
شرح اربعین نووی۔ شرح غنیۃ الطالبین۔ کتاب الاذکار۔ تذکرۃ المشائخ تذکرۃ الملوک۔ تاریخ الافاغنہ۔ ترجمہ عین العلم۔ قصر الآمال بذکر الحال والمآل سلوا الکئیب بذکر الحبیب۔ کنز الحساب۔ الافادات العزیزیہ[۱]۔
آپ ایک بڑے خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ اپنی عمر طبعی کو پہونچکر، ۱۲۲۳ھ میں وفات پائی[۲]

الشیخ محمد سعید

آپ افغانستان میں پیدا ہوئے وہیں نشو ونما پائی تحصیل علم کے لئے دہلی کا سفر کیا اور حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے حلقہ درس میں داخل ہوکر کمالات علمیہ سے مالا مال ہوئے۔

---

[۱] اس میں آپ نے وہ تمام مکاتیب جمع فرمائے ہیں جو شاہ عبد العزیز نے آپ کو لکھے تھے اور ان میں عجیب وغریب فوائد تفسیر یہ ہیں۔ [۲] حدائق حنفیہ۔ تذکرہ وغیرہ۔

آپ بھی سفر حجاز میں حضرت شاہ صاحب کے ساتھ تھے۔ اپنے شیخ کی حیات میں برابران کی خدمت میں رہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد آپ دہلی سے بانس بریلی تشریف لے آئے۔ حافظ الملک نواب حافظ رحمت خاں نے آپ کو اپنے صاحبزادے عنایت خاں کا معلم مقرر کیا چنانچہ آپ نے بریلی ہی میں اقامت اختیار کرلی۔ اور وہیں ۱۱۸۵ھ سے کچھ پہلے انتقال فرمایا۔

آپ کے پوتے مولانا نجم الغنی سے صاحب نزہتہ الخواطر کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے آپ کا یہی سن وفات بتایا[۵]۔

علامہ محمد معین بن محمد امین سندی (المتوفی ۱۱۶۱ھ)

حدیث وکلام وعربیہ کے بڑے فاضل جلیل تھے۔ شیخ عنایت اللہ سندی سے تحصیل علم کی پھر دہلی جاکر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ سے تکمیل کی پھر اپنے وطن واپس ہوکر طریقت میں شیخ ابو القاسم نقشبندی سے استفادہ کیا۔

نہایت ذکی وفہیم، حدیث وکلام کے ماہر تھے۔ بہت اچھے شاعر تھے وجد وسماع اور نغموں سے دل کو خاص لگاؤ تھا حتیٰ کہ حالتِ وجد وسماع ہی میں وفات بھی ہوئی۔ آپ کا میلان تشیعت اور عدم تقلید کی طرف بھی تھا۔

حضرت علامہ شیخ محمد ہاشم سندی سے علمی میدان میں مقابلے مباحثے رہے ہیں آپ کی نہایت مشہور تصنیف "دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب" ہے جو پہلے لاہور سے چھپی تھی اور لجنۃ احیار الادب السندی، کراچی

---

[۵] تذکرہ محدثین مرتبہ مولانا سید احمد رضا صاحب مدظلہٗ۔

سے نہایت عمدہ ٹائپ میں حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی کی نہایت مفید تعلیقات کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کے بڑے مخالف تھے۔ ان پر سختی سے رد کرتے ہیں لیکن علامہ ابن قیم کے بڑے مداح تھے[۱]

آپ نے ٹھٹہ میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی جس نے اپنے علاقہ میں مرکزیت حاصل کر لی تھی۔ مشہور سندھی بزرگ شاہ عبداللہ بھٹائی نے اسی مدرسہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ شاہ محمد معین جب فوت ہونے لگے تو وصیت فرمائی کہ میرا جنازہ تیار کر کے مسجد میں رکھ دینا جب تک شاہ عبداللطیف نہ آئیں ان کا انتظار ضروری ہے۔

شاہ عبداللطیف صحرا نورد تھے کیا معلوم کہ وہ کس صحرا میں ہوں گے اور ان کو کس طرح اطلاع ملے گی۔ اور کب آئیں گے؟ مگر جنازہ تیار ہونے کے تھوڑی دیر بعد آپ تشریف لے آئے اور امامت فرمائی۔ بعدہٗ کہا کہ آج کے بعد ٹھٹہ سے ہمارا تعلق منقطع ہو گیا ہے[۲]

میر قمر الدین منت

دہلی کے رہنے والے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی اور علوم مروجہ کی تکمیل کی۔

آپ شاعری کی جانب بہت راغب تھے۔ مشورۂ سخن میر نورالدین نوید اور میر شمس الدین فقیر سے کرتے تھے بہت پُرگو شاعر تھے تقریباً ڈیڑھ لاکھ اشعار

۱؎ تذکرہ محدثین ج ۲ ص ۱۹۴ مرتبہ مولانا سید احمد رضا صاحب مدظلہ

۲؎ شاہ ولی اور ان کی سیاسی تحریک ص ۴۹

کا کلیات یادگار چھوڑا۔ متعدد مثنویاں آپ کی تصنیف ہیں جس میں سے ایک "شکرستان" ہے جو شیخ سعدی کے گلستاں کے جواب میں لکھی ہے۔

سنہ ۱۱۹۱ھ میں لکھنؤ پہونچے۔ مسٹر جانسٹن کے ساتھ کلکتہ گئے۔ مارکوئس آف ہسٹینگز نے ملک الشعراء کا خطاب دیا۔

سنہ ۱۲۰۰ھ میں ایک خاص سفارت پر گورنر جنرل نے ان کو حیدرآباد بھیجا حضور نظام کی مدح میں انھوں نے ایک قصیدہ پیش کیا اور انعام و اکرام پایا۔ حیدرآباد سے عظیم آباد آئے اور راجہ شکٹ رائے کی مصاحبت میں رہے پھر کلکتہ پہونچے جہاں سنہ ۱۲۰۸ھ مطابق سنہ ۱۷۹۳ء میں انتقال ہوا[1]۔

ان کے علاوہ بابا فضل اللہ کشمیریؒ۔ مولانا سید شاہ محمد معین صاحبؒ رائے بریلوی شاہ محمد واضح صاحبؒ، مولانا چراغ محمد صاحبؒ وغیرہم جیسی غیر معمولی شخصیات نے آپ سے استفادہ کیا۔

---

[1] علم و عمل ج ۲ ص ۲۰۱

حدیث

بلاشبہ حدیث پاک کا علم ہندوستان میں حضرت شاہ صاحبؒ سے پہلے اور بہت ہی پہلے رائج ہوچکا تھا اور اس سلسلہ میں علماء و محدثین نے وہ کارنامے انجام دئے ہیں جو ہندوستان کے لئے باعث افتخار ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جن دنوں دلی حکومتِ اسلامی کا پایۂ تخت بھی نہ بنی تھی لاہور میں محدث شیخ اسماعیل حدیث کی نشر و اشاعت میں مشغول ہیں۔ مورخین نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ "شیخ اسماعیل از عظمائے محدثین و مفسرین بود" انکی وفات ۴۴۸ھ میں لاہور ہی میں ہوئی۔

دلی جب اسلامی حکومت کا پایۂ تخت بنی، تو خود دلی اور بلگرام، کوڑا سہالی قنوج، دیوہ، سوہی، جونپور، زیدپور، لکھنؤ، بدایوں، سیالکوٹ، لاہور، ملتان عظیم آباد (بہار) احمد آباد، بریلی وغیرہ شہروں اور قصبات میں حدیث پاک کا چرچا نظر آنے لگا اور محدثین کرام کی ایک جماعت ہے جو حدیث کی اشاعت اور اسکی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہے۔

علامہ سخاوی اور ابن حجر کے تلامذہ نے ہندوستان کی سرزمین کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے نوازا۔ اور جس وقت چنگیزی تلوار اسلامی ملکوں کو زیر و زبر کر رہی تھی۔ ایک طوفان تھا جو ساری دنیائے اسلام کو اپنی زد میں لئے

ہوئے تھا اس وقت وہاں کے علماء اور محدثین ترک وطن کر کے ہندوستان آئے اور یہاں علوم وتحقیق کے چشمے جاری کیے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان خدمت حدیث اور اس کی نشر واشاعت میں کسی اسلامی ملک سے پیچھے رہا ہے۔

تذکروں کی کتابیں دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ ہندوستان نے محدثین کی ایک بڑی جماعت اور کتب حدیث کی ایک بڑی تعداد دنیا کے سامنے پیش کی ہے۔

شیخ محدث عبدالحق ؒ اور ان کے اخلاف نے جو خدمات انجام دیں وہ کبھی فراموش کیے جانے کے قابل نہیں ہیں۔ علم حدیث شمالی ہند میں تقریباً ختم ہوگیا تھا مگر بروقت ان کی مساعی جمیلہ نے ایک بار پھر اسکو زندہ کر دیا۔

شاہ صاحبؒ کا زمانہ

شیخ محدث دہلویؒ نے جو خدمات انجام دیں ان سے انکار نہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کما حقہ کامیاب نہ ہو سکے ان کے زمانہ کا ماحول اور ان کے گرد و پیش کے حالات کچھ ایسے ہی تھے۔ البتہ اتنا ضرور ہوا کہ علم حدیث کو شمالی ہند میں کچھ دنوں اور زندہ رہنے کے قابل بنا دیا۔

شیخ محدثؒ کے بعد پھر علوم حدیث کی جانب سے بے اعتنائی کا آغاز ہوا۔ اور حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے زمانہ میں تو علوم عقلیہ کا اتنا زور تھا کہ علم حدیث کی جانب عام بے اعتنائی ہوگئی۔ حضرت شاہ صاحب نے علم حدیث اپنے والد شیخ عبدالرحیمؒ اور مولانا محمد افضل صاحب[1]ؒ سیالکوٹی

---

[1] مولانا محمد افضل صاحبؒ نے حدیث پاک شیخ عبدالاحدؒ سے پڑھی، انھوں نے اپنے والد شیخ محمد سعیدؒ سے اور انھوں نے شیخ طریقت شیخ احمد سرہندی سے۔

سے حاصل فرمایا۔ اور حجاز مقدس تشریف لے گئے۔ وہاں سے علم حدیث حاصل فرما کر ہندوستان تشریف لائے۔ اور مدرسۂ رحیمیہ کو حدیث کی اشاعت کیلئے مرکزی حیثیت دی اور پھر تقریباً نصف صدی تک درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا ہنگامہ گرم رکھا یہی وہ سرچشمۂ فیض ہے جہاں سے حدیث نبوی کے برکات، گوشہ ہائے ہند میں پھیلے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک ایسے دور میں جبکہ حدیث کا علم شمالی ہند میں تقریباً ختم ہو چکا تھا اپنی مسلسل اور پرخلوص جدوجہد سے اسکو ازسرنو زندہ کیا اور صحاح ستہ کو نصاب کا ایک لازمی جز قرار دیا اور آپ کے بعد آپ کی اولاد اور تلامذہ نے عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں کتب حدیث کی شروح لکھیں اسطرح سے خواص و عوام دونوں کو علوم دینی سے فیضیاب ہونے کا موقع فراہم کیا۔

آپ سے پہلے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے مشکوٰۃ شریف پر خاص توجہ فرمائی تھی لیکن آپ نے مؤطا امام مالک پر توجہ دی۔ اس سے آپ کو وہی تعلق تھا جو شیخ عبدالحقؒ کو مشکوٰۃؒ سے جسطرح انھوں نے مشکوٰۃ کی شرح علماء اور عوام دونوں کی ضروریات کے پیش نظر عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں لکھی تھی۔ اسی طرح حضرت شاہ صاحبؒ نے مؤطا کی شرح مصفیٰ اور مسوّی فارسی اور عربی میں لکھی۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے مؤطا کو دوسری کتب حدیث پر اسلئے ترجیح دی ہے کہ مؤطا امام مالک حدیث کی کتابوں میں اصل کا درجہ رکھتی ہے۔

اس کی سندوں کا پرکھنا بہت آسان ہے۔ کیونکہ عموماً ان میں ایک دو راوی ہوتے ہیں۔ جن کا اکثر حصہ علمائے مدینہ سے ہے جنکو عام ائمہ مجتہدین ثقہ مانتے ہیں حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں[۱]

ہٰذہ المذاہب بالنسبۃ للمؤطا کالشروح للمتون	ان مذاہب (اربعہ) کی نسبت مؤطا کی جانب ایسی ہے جیسے شروح کی متنوں کی جانب ہوتی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ عجالۂ نافعہ میں فرماتے ہیں۔

"نسبت دریں ہر سہ کتب (مؤطا۔ بخاری۔ مسلم) آں است کہ مؤطا گویا اصل و امّ صحیحین است۔"

یعنی بخاری مسلم اور مؤطا میں ایسی نسبت ہے کہ مؤطا گویا صحیحین کی اصل ہے۔"

حضرت شاہ صاحبؒ مؤطا پر بڑا زور دیتے تھے۔ فرماتے ہیں۔

"چوں مبتدی قدرت بر زبان عربی یافت مؤطا مالک بخوانانند وہرگز آں را معطل نہ گزارند کہ اصل علم حدیث، است وخواندن آں فیضہا دارد"

یعنی مبتدی کو جب عربی زبان پر قدرت ہو جائے اسکو مؤطا امام مالک پڑھائیں اور ہرگز اسکو نہ چھوڑیں۔ کیونکہ مؤطا علم حدیث کی اصل ہے اور اس کا پڑھنا بہت سے فیوض کا

---

[۱] مسوّیٰ ص۶

حاصل ہے۔

آپ اپنی مساعی جمیلہ میں کہاں تک کامیاب ہوئے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے۔ کہ ایک بار بدایوں کے کسی طالب علم نے یہ ارادہ کیا کہ علم حدیث ایسے استاد سے پڑھوں گا جس کے سلسلہ میں شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نہ ہوں صاحب مقالات طریقت کا بیان ہے کہ وہ بیچارہ ہندوستان کی خاک چھانتا پھرا اور اپنی شرط کے موافق کسی کو نہ پایا۔

اور اس حقیقت کا مشاہدہ آج بھی کیا جا رہا ہے کہ ملک کے گوشہ گوشہ میں جہاں کہیں علم حدیث پایا جاتا ہے وہ سب حضرت شاہ صاحب کی جد وجہد ہی کا نتیجہ ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے درس حدیث کی بھی اصلاح فرمائی اور جو طریقہ آپ نے پسند فرمایا اسکو رائج کرنے کی کوشش فرمائی۔

درس حدیث کے مختلف طریقے

حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی کتاب انفاس العارفین میں درس حدیث کے ان مختلف طریقوں کا ذکر کیا ہے جو حرمین میں مروج تھے۔ فرماتے ہیں

بایدو دانست کہ درس حدیث را نزدیک علمائے حرمین سہ طریق است، یکے طریق سرد کہ شیخ یا قاری وے تلاوت کتاب کند، بے تعرض مباحث لغویہ و فقہیہ و

معلوم ہو کہ علمائے حرمین میں حدیث کے پڑھانے کے تین طریقے ہیں۔ ایک طریقہ کا نام سرد (رواروی) ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ استاد یا پڑھنے والا پڑھتا چلا جائے

اسماء رجال وغیر آن۔

اسطور پر کہ لغوی مباحث اور فقہی اختلافات یا اسماء رجال سے تعرض نہ کرے۔

پھر فرماتے ہیں۔

ودیگر طریق بحث وحل کہ بعد تلاوت یک حدیث بر لفظ غریب وترکیب عویص ورسم قلیل الوقوع از اسماء اسناد و سوال ظاہر الورود ومسئلہ منصوص علیہا توقف کند وآں را بہ کلام متوسط حل نماید۔ وآں گاہ پیش رود۔

اور دوسرے طریقہ کا نام بحث اور حل کا طریقہ ہے یعنی کسی حدیث کے پڑھنے کے بعد اسکے اجنبی اور نادر الفاظ یا کوئی ترکیبی دشواری ہو یا اسماء اسناد جو غیر معروف ہوں اور ان کا ذکر کم آتا ہو اسی طرح ایسے اعتراضات جو کھلے کھلے طریقے سے وارد ہوتے ہوں یا جن مسائل کا دن احادیث میں صراحت سے ذکر ہوا ہو اسپر استاد ٹھہرے اور متوسط طریقے سے اسپر گفتگو کر کے حل کرے اس کے بعد آگے بڑھ جائے۔

پھر تیسرے طریقہ کے متعلق فرماتے ہیں۔

سوئم طریقہ امعان وتعمق کہ بر ہر کلمہ مالہا وما علیہا وما یتعلق بہا بسیار ذکر کند مثلاً در کلمہ غریبہ وترکیب عویص، شواہد آں از کلام شعراء واخوات کلمہ در اشتقاق ومحال استعمال وے ذکر کند، ودر اسماء الرجال احوال ایں قوم وسیرت ایشاں

تیسرا طریقہ امعان اور تعمق کا ہے کہ حدیث کے ہر ہر لفظ اسکے سارے متعلقات مالہا وعلیہا پر بحث کیجائے مثلاً جہاں کہیں اجنبی لفظ آگیا یا کوئی مشکل ترکیب سامنے آئی اسکے حل میں شعراء کا کلام بطور شہادت پیش کرنا شروع کردے اور اسکے مماثل کلمات اور

بیان نماید۔ و مسائل فقہیہ را بر ان مسئلہ منصوص علیہا تخریج نماید۔

انکے اشتقاق کے مادے اور استعمال کے مقامات واضح کئے جائیں۔ اسی طرح رجال کے اسماء جہاں جہاں آئیں ان پر بحث کیجائے اور جس مسئلہ کا اس حدیث میں صراحۃً ذکر آیا ہو اس پر قیاس کرکے جو مسائل غیر منصوصہ پیدا ہوتے ہوں ان مسائل کا تذکرہ کیا جائے۔

و بادنی مناسبت قصص عجیبہ و حکایات غریبہ بگویند[۵۱]

اور ذرا سی مناسبت کی بنا پر عجیب و غریب قصے اور نادر حکایات بیان کی جائیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ان تینوں طریقوں کو بیان کرنے کے بعد ہر ایک کے متعلق اپنی رائے عالی بھی بیان کی ہے۔ چنانچہ اس تیسرے طریقے کے متعلق فرماتے ہیں کہ۔

"طریقہ قصاص است کہ قصد از آں اظہار فضیلت و علم است یا غیر آں واللہ اعلم نہ روایت و تحصیل علم"

یہ واعظوں اور قصہ خوانوں کا طریقہ ہے اور اس سے مقصود محض اپنے علم و فضیلت کا اظہار ہوتا ہے یا اسکے سوا کوئی اور غرض واللہ اعلم، یہ نہ روایتِ حدیث کا طریقہ ہے اور نہ علم حاصل کرنیکا ذریعہ۔"

---

۵۱ انفاس العارفین صفحہ ۱۸۴

حدیث کے درس میں فقہی جزئیات کو بیان کرنا اختلاف مذاہب اور ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دینا یہ سب آپ کے نزدیک غیر ضروری باتیں ہیں۔

فرماتے ہیں۔

اوائل امت مرحومہ بدیں امور مشغول نہ بودند۔	امت کے ابتدائی زمانے کے لوگ ان امور میں مشغول نہ تھے۔

البتہ دوسرا طریقہ جس میں نادر اور غریب الفاظ کے معانی بیان کئے جائیں اور جہاں کہیں کوئی ترکیب نحوی مشکل ہو اسے حل کر دیا جائے اس طریقہ کو مبتدیوں اور اہل توسط کے لئے مفید سمجھتے ہیں۔

فرماتے ہیں مفید است

بہ نسبت مبتدین و اہل توسط طریقۂ بحث و حل۔	مبتدیوں اور اہل توسط کے لئے بحث و حل کا طریقہ مفید ہے۔

آپ کا پسندیدہ طریقہ

لیکن جن طلباء میں پوری استعداد موجود ہو ان کے لئے وہی سرد (رواروی) والا طریقہ پسند فرماتے ہیں چنانچہ شیخ ابو طاہر کردی مدنی کا یہی طریقہ تھا اور اس طریقہ کا فائدہ یہ بتاتے ہیں کہ۔

تا زود سماع حدیث و سلسلۂ روایت درست کنند۔	تاکہ حدیث کی سماعت کا قصہ جلد ختم ہو اور لوگ روایت کا سلسلہ درست کر لیں۔

طالب علم باقی تفصیلی بحثوں کے لئے شروحات کی جانب رجوع کرے کیونکہ اس زمانہ میں حدیثوں کے معانی اور مطالب کو ضبط و گرفت میں لانا اس کا دارومدار شروح ہی پر رہ گیا ہے۔

تقلید

حضرت شاہ صاحبؒ نے مسئلۂ تقلید پر بڑی بصیرت افروز روشنی ڈالی ہے جس سے، صحابہ اور ان کے بعد کے زمانوں میں، تقلید کی تدریجی نوعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسکو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ تقلید غیر شخصی سے شخصی کیوں ضروری ہوئی نیز اس کا انحصار مذاہبِ اربعہ میں کب اور کیوں کر ہوا۔

تقلید عہدِ صحابہؓ و تابعینؒ میں

حضرت شاہ صاحب نے بیان فرمایا کہ حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے زمانہ میں رواج یہ تھا کہ جب کسی کو کوئی مسئلہ درپیش ہوتا اور وہ خود کوئی فیصلہ نہ کر سکتا تو کسی صاحبِ بصیرت عالم کی طرف رجوع کرتا۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

لان الناس لم یزالوا من زمن الصحابۃ الی ان ظہرت المذاہب الاربعۃ یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکارہ ولو کان ذالک باطلاً

کیونکہ صحابہ کرام سے لیکر چار مذاہب کے ظہور تک لوگوں کا یہی دستور (رواج) رہا کہ جو عالم مجتہد مل جاتا اسی کی تقلید کرلیتے کسی معتبر آدمی نے اسپر انکار نہیں کیا اگر یہ (تقلید) باطل ہوتی تو وہ حضرات اس

لانکروه[۱]　　　　پر نکیر ضرور فرماتے ۔

حضرت شاہ صاحب کے خیال میں مقلد کا اپنے امام کو سارے ائمہ پر فضیلت دینا تقلید کے لئے کوئی ضروری نہیں ہے ۔ فرماتے ہیں ۔

درو بان اعتقاد افضلیۃ الامام علیٰ سائر الائمۃ غیر لازم فی صحۃ التقلید اجماعاً ۔ لان الصحابۃ والتابعین کانوا یعتقدون ان خیر ہذہ الامۃ ابوبکرؓ ثم عمرؓ وکانوا مقلدون فی کثیر من المسائل بخلاف قولہما ولم ینکر علیٰ ذالک احدٌ وکان اجماعاً علیٰ ما قلنا[۲]

یعنی اس اعتراض کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ تقلید کے صحیح ہونے میں بالاجماع یہ اعتقاد رکھنا ضروری نہیں کہ (میرا) امام باقی اور تمام ائمہ پر مطلقا فضیلت رکھتا ہے اسلئے کہ صحابہ کرام اور تابعین یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ تمام امت میں افضل ترین ابوبکرؓ اور پھر عمرؓ ہیں اسکے باوجود بہت سے مسائل میں ان دونوں حضرات کی رائے کے خلاف، دوسرے صحابہ کی تقلید کرتے تھے اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا، لہٰذا یہ مسئلہ اجماعی ہوا ۔

صحابہ کرام اور تابعین عظام کا زمانہ چونکہ زمانۂ نبوت سے قریب تر تھا اسوجہ سے وہ بہرحال خیر و برکت کا زمانہ تھا اسمیں تقلید غیر شخصی کے اندر کسی قسم کی مضرت کا واہمہ بھی نہیں ہو سکتا تھا ۔ اسلئے اس زمانہ میں تقلید کے دائرے کا وسیع ہونا کوئی تعجب خیز امر نہ تھا، دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں تدوین فقہ نہیں

---

[۱] عقد الجید ص ۳۳　　[۲] عقد الجید ص ۴۲

ہوئی تھی۔ برخلاف حضرات تابعین کے بعد۔ کیونکہ اس زمانہ میں زمانہ نبوت سے بُعد ہو چکا تھا عام طور پر طبیعتیں پہلے سے مختلف ہو گئی تھیں، فساق و فجار پر ہوا و ہوس کا غلبہ تھا۔ وہ احکام شرع کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرنے کی نارواجرأت کرنے لگے تھے، ایسے وقت میں فقہ اور اس کے اصول کو مرتب کرنا ایک ضروری امر تھا اور تقلید کی موجودہ وسعتوں کو تقلید شخصی میں محدود کرنا ناگزیر تھا ورنہ مفاسد کا دروازہ کھل جاتا، اور شرع اور احکام شرع بازیچۂ اطفال بنکر رہجاتے۔

چنانچہ دوسری صدی ہجری کے اختتام پر ائمہ مجتہدین کی فقہ کتابی شکل میں مدون ہونا شروع ہوئی۔ پھر جن لوگوں کو مذاہب مدونہ میسر آئے انھوں نے اسی مذہب کی پیروی کرلی اور تقلید شخصی اختیار کی۔ لیکن جنکو وہ مذاہب میسر نہ ہو سکے وہ اس زمانہ میں بھی بدرجۂ مجبوری تقلید غیر شخصی ہی کرتے رہے حتیٰ کہ انکو کوئی مدون مذہب دستیاب ہوگیا۔

اس بارے میں حضرت شاہ صاحب کا یہی نظریہ ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں

وبعد المائتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين باعيانهم وقل من كان لايعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هذا هو الواجب في ذالك الزمان[1]	اور دو صدیوں کے بعد، لوگوں میں خاص خاص مجتہدین کا مذہب اختیار کرنا ظاہر ہوا۔ اور ایسے لوگ بہت کم تھے جو مجتہدین کے مذہب پر اعتماد نہ رکھتے ہوں۔ اور یہی اس وقت واجب تھا۔

نیز اشتغال فی الفقہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

---

[1] انصاف ص۵۲

وبالجملة فالتمذہب للمجتہدین سرّ الہمہ اللہ تعالیٰ العلماء وجمعہم من حیث یشعرون او لا یشعرون [1]

"الحاصل" ان مجتہدین کا صاحب مذاہب ہونا اور پھر لوگوں کا ان کو اختیار کرنا، یہ ایک بھید ہے جسکو اللہ پاک نے ان پر الہام کیا اور انکو اسپر مجتمع کر دیا وہ اسکو جانیں یا نہ جانیں"

حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ تقلید شخصی کا رواج گو دوسری صدی ہجری کے بعد ہو گیا تھا لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو تقلید غیر شخصی پر عامل تھے اور اسکو انھوں نے بالکلیہ ترک نہیں کیا تھا، فرماتے ہیں۔

اعلم ان الناس کانوا قبل المائۃ الرابعۃ غیر مجتمعین علی التقلید الخالص لمذہب واحد لعینہ [2]

یعنی چوتھی صدی ہجری سے پہلے لوگ صرف تقلید شخصی ہی پر جمع نہو گئے تھے بلکہ بعض لوگوں میں اس وقت بھی تقلید غیر شخصی کا رواج باقی تھا۔)

تقلید شخصی کا انحصار

لیکن جب حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ، کے مذاہب کی فقہ کتابی شکل میں مدون ہو گئی اور ہر چہار سو ممالک اسلامیہ میں اس کو غلبہ حاصل ہو گیا اور یہ زمانہ چوتھی صدی ہجری کا تھا تو انھیں مذاہب اربعہ میں تقلید کا انحصار ہو گیا اور پھر اس بارے میں کسی کو اختلاف نہ رہا۔

---

[1] انصاف ص۲۶ [2] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۲۲ ج ۱

اسکے خلاف کرنیکو، سوادِ اعظم سے فرار اور انحراف کے مرادف سمجھا جانے لگا جو سخت ترین گناہ ہے حضرت شاہ صاحب نے فرمایا۔

ولما اندرست المذاہب الحقۃ الا ہذہ الاربعۃ کان اتباعہا اتباعاً للسواد الاعظم والخروج عنہا خروجاً عن السواد الاعظم[1]

یعنی جب بجز ان مذاہب اربعہ کے اور سارے مذاہب حقہ ختم ہوگئے تو انھیں چار مذاہب کا اتباع، سوادِ اعظم کا اتباع، ٹھہرا۔ اور ان سے نکلنا، سوادِ اعظم سے نکلنے کے مرادف ٹھہرا۔

اور حضرت شاہ صاحبؒ اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ان مذاہب اربعہ میں تقلید شخصی کے منحصر ہو جانے میں اجماع امت ہے اور یہ قوی ترین دلیل ہے۔ فرماتے ہیں۔

وہذہ المذاہب الاربعۃ المدونۃ المحررۃ قد اجتمعت الامۃ او من یعتد بہا منہا علیٰ جواز تقلیدہا الیٰ یومنا ہذا[2]

یعنی تمام امت نے یا امت کے قابل اعتبار افراد نے ان مذاہب اربعہ مشہورہ کی تقلید کے جواز پر آج تک اجماع کیا ہے۔

اور پھر ارشاد فرماتے ہیں:

وفی ذالک کلہ من المصالح ما لا یخفیٰ لا سیما فی ہذہ الایام التی قصرت فیہا الہمم جدا

اور ان سارے مذاہب میں بہت سی مصلحتیں ہیں جو پوشیدہ نہیں ہیں بالخصوص اس زمانہ

---

[1] عقد الجید ص۳۳ [2] حجۃ اللہ البالغہ ص۱۲۳ ج۱

واشربت النفوس الہوی واعجب کل ذی رائی برایہ۔

میں ہمتیں بہت ہی پست ہوگئی ہیں۔ اور نفوس میں خواہشات کا غلبہ ہے اور ہر رائے والا اپنی رائے پر مغرور ہے۔

آگے تقلید شخصی پر لعن طعن کرنیوالوں پر سخت تنقید فرماتے ہیں۔

فما ذہب الیہ ابن حزم حیث قال التقلید حرام لایحل لاحد ان یاخذ قول احد غیر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بلا برہان

یعنی علامہ ابن حزم نے جو یہ رائے قائم کی ہے کہ تقلید حرام ہے اور سوائے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کسی اور کا قول لینا حلال نہیں ہے" یہ بے دلیل بات ہے

حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ نظریہ تھا کہ اگر بالفرض کوئی شخص کسی ایسے ملک میں ہو جہاں بجز ایک مذہب کے عالم اور اس کی مدونہ کتابوں کے کسی دوسرے مذہب کی کتابیں یا اسکے علماء موجود نہوں تو ایسے شخص پر واجب ہے کہ وہ اس مروجہ مذہب کی تقلید کرے اسی صورت میں خیر ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

فاذا کان انسان جاہل فی بلاد الہند و بلاد ما وراء النہر ولیس ہناک عالم شافعی ولا مالکی ولا حنبلی ولا کتاب من کتب المذاہب وجب علیہ ان یقلد لمذہب ابی حنیفہؒ ویحرم علیہ ان یخرج من مذہبہ لانہ حینئذ یخلع عنقہ ربقۃ الشریعۃ ویبقیٰ سدا مہملاً[1]

یعنی جب ایک عامی آدمی ہندوستان یا ماوراء النہر میں سکونت پذیر ہو جہاں کوئی شافعی عالم اور مالکی و حنبلی عالم نہو اور نہ ان مذاہب کی کتابیں ہی میسر آسکتی ہوں تو اس عامی آدمی پر واجب ہے کہ وہ صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرے انکے

---

[1] الانصاف۔

مذہب سے علیحدہ ہونا اسکے لئے حرام ہے کیونکہ اس سے علیحدگی کی صورت میں وہ شریعت کی رسی ہی اپنی گردن سے اتار پھینکے گا۔ اور پھر یونہی آزاد پھرتا رہے گا۔"

حضرت شاہ صاحب کے اس نظریے کی تائید ملک کے مشہور اہلحدیث عالم مولانا محمد حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یوں فرمائی ہے فرماتے ہیں۔

"پچیس برس کے تجربہ سے ہکویہ بات معلوم ہوئی کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور تقلید کے تارک بنجاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، کفر و ارتداد اور فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دینداروں کے بیدین ہوجانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔ [1]

حضرت شاہ صاحبؒ ایسے شخص کو بالکل پسند نہ فرماتے تھے جو محدثین وفقہا سے کنارہ کش ہوجائے چنانچہ فرماتے ہیں۔

لیس منا من ترک ملازمۃ العلماء	یعنی جو شخص ایسے صوفیا جو عالم بھی ہیں
....	اور ایسے علماء جو صوفی ہیں یا ایسے محدثین
....	جنکو حدیث سے حصہ ملا ہے اور ایسے
....	فقہاء جنکو علم فقہ سے حصہ ملا ہے ان
....	سارے حضرات سے تعلقات منقطع
الی قولہ۔ او الفقہاء الذین لہم حظ من الفقہ	کرلے وہ ہمارے گروہ سے نہیں ہے۔

---

[1] رسالہ اشاعت السنۃ ع۲ جلد ۱۱ مطبوعہ ۱۸۸۸ء تذکرہ

شاہ صاحبؒ کا مسلک

حضرت شاہ صاحبؒ اپنی وسعت علم، دقتِ نظر، قوت استدلال، ملکۂ استنباط سلامت فہم، صفائی قلب، پاکیزگی اخلاق اتباع سنت، جمع بین العلم والعمل وغیرہ کمالات ظاہری و باطنی کی نعمتوں سے مالامال ہونیکی وجہ سے اپنے لئے تقلید کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے ان کا حال یہ تھا کہ جب کسی مسئلہ یا کسی حدیث کے متعلق کوئی شبہ، کوئی خلجان پیش آتا اسے براہ راست حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے دریافت کر لیا کرتے تھے۔

ڈیڑھ سو علوم کے حامل تھے جن میں ایک ثلث ایسے علوم تھے جو امم سابقہ کو عطا ہوئے تھے تمام روئے زمین کو مثل خطوط کف دست مشاہدہ فرماتے تھے عالم بالا، لوح، کرسی وغیرہ کو ملاحظہ فرماتے ایک ایک مسئلہ کی لم اور علت اجتہادیہ کو بیان فرماتے تھے حقائق علمیہ کو مثل رای العین دیکھتے تھے آثار صحابہ اور بعد کی تاریخ کا خزانہ سینہ میں رکھتے تھے۔ زبان رسالت سے صادر ہونیوالی پیشینگوئیوں کو سانحات آئندہ پر منطبق فرماتے چلے جاتے تھے وغیرہ ذالک غور کیجئے جو شخص ان صفات کا حامل ہو اسے تقلید کی کیا ضرورت ہے لیکن اسکے باوجود فرماتے ہیں۔

استفدت منہ صلے اللہ علیہ وسلم ثلٰثۃ امور خلاف ما کان عندی وما کانت طبعی تمیل الیہ اشد میل فصارت ہٰذہ الاستفادۃ من

میں نے اپنے عندیہ اور اپنے شدید میلان طبع کے خلاف رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے تین امور استفادہ کئے تو یہ استفادہ میرے

۱؎ کرامات عزیزی

براہین الحق تعالےٰ علی۔	لئے برہان حق بنگیا۔ ان میں سے ایک
احدہا۔ الوصاۃ بترک الالتفات الی	تو اس بات کی وصیت تھی کہ میں اسباب
التسبب الی قولہ۔۔	کی طرف سے توجہ ترک کردوں اور
وثانیہا الوصاۃ بالتقلید بہذہ المذاہب	دوسری وصیت یہ تھی کہ میں ان مذاہب
الاربع لااخرج منہا والتوفیق مااستطعت	کا اپنے آپ کو پابند کروں اور ان سے
وجبلتی تابی التقلید وتأنف منہ راسا	نہ نکلوں اور تا بامکان تطبیق و توفیق کروں
ولکن شئی طلب منی التعبد بخلاف نفسی	لیکن یہ ایسی چیز تھی جو میری طبیعت کے
وہہنا نکتۃ طویت ذکرہا وقد تفطنت	خلاف مجھ سے بطور تعبد طلب کی گئی تھی
بحمد اللہ لسر ہذہ الحیلۃ و ہذہ الوصاۃ ؎۱	اور یہاں پر ایک نکتہ ہے جسے میں نے ذکر نہیں کیا ہے
	اور الحمد للہ مجھے اس حیلہ اور اس وصیت
	کا بھید معلوم ہو گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ کو اپنی طبیعت اور جبلت کے خلاف حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کی جانب سے تقلید کرنے پر مامور کیا گیا اور دائرۂ تقلید سے خارج ہونے سے منع کیا گیا۔ لیکن کسی خاص مذہب کو معین نہیں کیا گیا۔ بلکہ مذاہب اربعہ میں دائرہ منحصر رکھا گیا۔

البتہ مذاہب اربعہ کی تحقیق و تفتیش اور چھان بین کے بعد جب ترجیح کا وقت آیا اور اس کی جستجو کے لئے آپ کی روح مضطرب ہوئی تو دربار رسالت سے اس طور پر رہنمائی کی گئی۔

؎۱ فیوض الحرمین ص۶۲ مشہدسی دسوم

عرفنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان فی المذہب الحنفی طریقۃ انیقۃ ہی اوفق الطرق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابہ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایک ایسا عمدہ طریقہ ہے جو دوسرے طریقوں کی بہ نسبت اس سنت مشہورہ کے زیادہ موافق ہے جسکی تدوین اور تنقیح امام بخاریؒ اور انکے اصحاب کے زمانہ میں ہوئی۔

وذالک ان یوخذ من اقوال الثلثۃ (ای الامام وصاحبیہ) قول اقربہم بہا فی المسئلۃ ثم بعد ذالک یتبع اختیارات الفقہاء الحنفیین الذین کانوا من علماء الحدیث فرب شئی سکت عنہ الثلثۃ فی الاصول وما یعرضوا لنفیہ ودلت الاحادیث علیہ فلیس بد من اثباتہ والکل مذہب حنفی[1] اھ

اور وہ یہ ہے کہ ائمہ ثلثہ یعنی ابوحنیفہؒ، ابویوسفؒ، محمدؒ میں سے جسکا قول سنت معروفہ سے قریب تر ہو اسے لیا جائے پھر اسکے بعد ان فقہا حنفیہ کی پیروی کیجائے جو فقیہ ہونے کے ساتھ حدیث کے بھی عالم تھے کیونکہ بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ ائمہ ثلثہ نے اصول میں انکے متعلق کچھ نہیں کہا اور نفی بھی نہیں کی لیکن احادیث انھیں بتلا رہی ہیں تو لازمی طور پر اسکو تسلیم کیا جائے اور یہ سب مذہب حنفی ہی ہے۔"

اس عبارت سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ حضرت شاہ صاحبؒ کو دربار رسالت سے کس مذہب کی طرف رہنمائی کی گئی۔ نیز سارے مذاہب میں کونسا اوفق بالسنۃ المعروفۃ ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مذہب حنفی ہی ہے جیسا کہ فیوض الحرمین کی

---

۱ فیوض الحرمین ص۴۸

اس عبارت سے معلوم ہوا۔ تو بلاشبہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک وہی قابلِ ترجیح اور لائق اتباع مذہب تھا۔

عظیم آباد پٹنہ کی لائبریری میں بخاری شریف کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جس پر حضرت شاہ صاحب نے اپنے قلم سے اپنے مخصوص شاگرد مولانا چراغ محمد صاحبؒ کے لئے سند اجازت تحریر فرمائی ہے اور اس میں اپنے متعلق لکھا ہے "حنفی عملاً و تدریساً" اور پھر اسپران کے صاحبزادے حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے دستخط ہیں کہ یہ تحریر میرے والد صاحب کی لکھی ہوئی ہے نیز شاہِ عالم کی مہر بھی بطور تصدیق ثبت ہے[1]

بلاشبہ حضرت شاہ صاحب کے کلام میں بعض ایسے شواہد بھی ملتے ہیں جن سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ تقلیدِ شخصی کو پسند نہ کرتے تھے لیکن ان ساری عبارات کو سمجھنے کے لئے حضرت شاہ صاحب کے گرد وپیش کے ماحول سے اور اس زمانہ کے پیدا شدہ فقہی جمود سے صرف نظر نہ کرنی چاہئے۔ شاہ صاحب کے زمانہ میں بے سند فقہی جزئیات کو احادیث کا درجہ دیدیا گیا تھا۔ فقہاء کی تصریحات کے خلاف کوئی حدیث پیش کرتا تو اسے رد کر دیتے حدیث پاک کو فروغ حضرت شاہ صاحب ہی کے واسطے سے ہندوستان میں ہوا۔ شاہ صاحب کی نظر میں یہ چیز ناپسند تھی یہی وجہ ہے کہ آپ فقہی جزئیات کو کتاب وسنت پر منطبق کرنے کی تاکید فرمایا کرتے[2] تاکہ اقوال ثلثہ میں جو اوفق بالسنۃ المعروفہ ہو

---

[1] ازافادات حضرت العلام مفتی محمود حسن گنگوہی دامت برکاتہم براستفتار احقر۔

[2] وصیت نامہ ص۱

اسکو اختیار کیا جائے۔

اس بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ میں اتنا توسع تھا کہ اگر کوئی مسئلہ فقہ حنفی کی ظاہر الروایۃ میں موجود نہو اور حدیث میں مذکور ہوتا تو اس کو ضرور اختیار فرماتے اور اس طریقہ کو مذہب حنفی کی تقلید کے خلاف نہ سمجھتے۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

ومن قال مذہب ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ ترک الاشارۃ بالمسبحۃ فقد اخطاء ولا یعضد روایۃ ولا درایۃ قال بن ہمام۔ نعم لم یذکرہ محمد فی الاصل وذکرہ فی الموطا ووجدت بعضہم لایمیز بین قولنا: لیست الاشارۃ فی ظاہر المذہب، وقولنا: ظاہر المذہب انہا لیست" [۱]

یعنی جس شخص نے یہ کہا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ تشہد میں اشارہ بالسبابہ نہ کرنا چاہیئے اس نے غلطی کی۔ کیونکہ یہ عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے جیساکہ ابن ہمامؒ نے فرمایا ہاں امام محمدؒ نے اس مسئلہ کو مبسوط میں ذکر نہیں کیا ہے (جو ظاہر الروایۃ کی کتابوں میں سے ہے) لیکن انھوں نے موطا میں اس کو ذکر فرمایا ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ بعض لوگ فقہاء حنفیہ کی ان دو تعبیروں میں فرق نہیں کر پاتے کہ "اشارہ ظاہر مذہب

---

[۱] حجۃ صفحہ ۳۲

میں نہیں" اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ

اشارہ نہیں"۔

اس توسع کا یہ نتیجہ ہوا کہ بعض ظاہر بین نے حضرت شاہ صاحب کو حنفی مسلک سے الگ بلکہ اس کے خلاف سمجھا ہے، جو بالکل غلط ہے۔

تصوف

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ جس طرح تفسیر، فقہ اور علم حدیث کے امام تھے۔ اسی طرح تصوف وسلوک کے بھی امام تھے۔ آپ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں اس میں تصوف کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی چاروں طرف اسی کا دور دورا تھا آپ کا خاندان اس خاص فن میں امتیازی شان کا مالک تھا شیخ وجیہہ الدینؒ، شاہ عبدالرحیمؒ، شاہ ابوالرضاؒ جیسے باکمال اور ماہر فن اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے جو افق تصوف سے آفتاب و ماہتاب بنکر چمکے۔

ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ظاہری تعلیم کے ساتھ باطنی تعلیم (تصوف) اپنے والد محترم شاہ عبدالرحیم صاحبؒ سے حاصل فرمائی تھی اور انھوں نے آپکو سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت وارشاد کی اجازت عطا فرمائی تھی مزید برآں سفر حجاز میں جہاں آپ نے علم حدیث کی تحصیل فرمائی وہیں شیخ ابوطاہر مدنی سے خرقہ خلافت بھی حاصل فرمایا تھا جو تمام سلسلوں کا جامع تھا۔ لیکن آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

سلکنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	یعنی مجھے رسول اللہ علیہ وسلم نے بنفس
وربانی بیدہ فانا اویسیہ وتلمیذہ	نفیس سلوک کا راستہ طے کرایا اور اپنے
بلاواسطۃ بینی وبینہ ؎۱	دست مبارک سے میری تربیت فرمائی

؎۱ فیوض الحرمین مشہد ہفدہم۔

اس لئے میں آپ کا اویسی اور بلا واسطہ شاگرد ہوں۔

فن تصوف کی معرکۃ الآرا کتاب، ہمعات میں آپ نے خانوادہائے تصوف کا تفصیل سے ذکر فرمانے کے بعد تحریر فرمایا کہ اللہ پاک نے مجھے تمام گزشتہ خانوادوں یا ان میں سے اکثر سے ربط اور تعلق عطا فرمایا ہے۔

وبالجملہ از منن حضرت حق سبحانہٗ بریں بندۂ ضعیف آن است کہ باجمیع خانوادہائے گذشتہ یا اکثر آنہا بحسب ظاہر وئے را ارتباط واقع شدہ چنانچہ فی الجملہ بیان آں در انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ کردہ شد"	اللہ سبحانہ تعالیٰ کے احسانات میں سے اس بندۂ ضعیف پر یہ ہے کہ تمام گزشتہ خانوادوں یا ان میں سے اکثر کے ساتھ تعلق پیدا ہوا۔ چنانچہ اس کا بیان کتاب انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں کر دیا گیا ہے۔[1]

اسی طرح ارشاد فرماتے ہیں۔

نسبتے کہ ایں فقیر دادہ اند مرکب است از نسبتہائے ہفتگانہ کہ ذکر آں بتفصیل کردیم"۔	یعنی جو نسبت اس فقیر کو عطا ہوئی ہے ساتوں نسبتوں سے مرکب ہے اور اس کا ذکر ہم تفصیل سے کر چکے ہیں۔[2]

حضرت شاہ صاحب تصوف کو غیر معمولی اہمیت دیتے تھے اور اس کی وجہ صرف یہی نہ تھی کہ آپ کی پرورش جس ماحول میں ہوئی اس میں تصوف کا سکہ جما ہوا تھا۔ بلکہ آپ نے دیکھا کہ دین و شریعت، احسان یا اخلاص فی العمل کے بغیر جسد بے روح کے مثل ہیں اس سے علیحدگی اختیار کرنا دین و شریعت کو

---

[1] ہمعات ص۱۶   [2] ہمعات ص۲۲

سیاسی تحریک بنالینے کے مرادف ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں باوجود اس کے کہ شریعت و طریقت کی دو جداگانہ اصطلاحیں بڑے زور شور سے رائج تھیں، علماء ظاہر اور صوفیاے خام باہم دست و گریباں تھے لیکن آپ نے نہ جادۂ شریعت سے قدم ہٹانا گوارہ فرمایا اور نہ دامن تصوف کو چھوڑنا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ شریعت و طریقت کو جمع کرنے کی اہم اور غیر معمولی کوشش فرماتے ہیں[۵۱]۔

آپ کا تجدیدی کارنامہ

عام طور پر صوفیاے کرام، تصوف کی بنیاد، لطائف ثلثہ کو قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں انسان کے بدن میں تین اعضاء۔ دماغ۔ قلب۔ کبد، ہیں جنھیں اطبار کی اصطلاح میں اعضاے رئیسہ کہا جاتا ہے ؛ ان اعضار کی مرکزی قوتوں کو اصطلاح تصوف میں، لطیفۂ عقل، لطیفۂ قلب، لطیفۂ نفس کہتے ہیں۔ پھر ان کی آپس میں ترکیب و تحلیل سے مختلف حالات و مقامات پیدا ہوتے ہیں صوفیار کا یہ طریقۂ فکر زمانۂ دراز سے چلا آرہا تھا۔

---

۵۱ برخلاف محمد بن عبدالوہاب نجدی کے۔ انھوں نے تصوف و سلوک سے اپنی تحریک کو کیسر جدا رکھنے کی کوشش فرمائی۔ اہل بصیرت حضرت شاہ صاحب کے عظیم کارناموں اور محمد بن عبدالوہاب کی تحریک میں جو نمایاں فرق پاتے ہیں اس کے جہاں اور بہت سے اسباب ہیں وہیں تصوف کو بھی ایک بڑا سبب کہا جا سکتا ہے۔ (عبدالقیوم)

چونکہ صوفیائے کرام نے تصوف کے مبادی انہیں لطائف ثلثہ کو قرار دیا تھا اسلئے یہ شکل پیش آئی کہ تعلیم شریعت، طریقت کے علاوہ ایک دوسری چیز بن گئی پھر ان دونوں کے بارے میں دوجداگانہ حقیقتوں کا وہم ہونے لگا چنانچہ یہ نظریہ قائم ہوگیا کہ شریعت علٰحدہ شئے ہے اور طریقت اس سے الگ شئے ہے صوفیائے خام نے شریعت کو غیر ضروری چیز کہا۔ اور علما رظاہر نے تصوف کو بیکار، لایعنی چیز بتایا نیز اس اصول کے مدنظر یہ بھی کہنا پڑا کہ تصوف، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں رائج نہ تھا۔ گو اس کی توجیہ یہ کیجاتی ہے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں اتنا نور، اتنی برکت تھی کہ اس کی چنداں ضرورت ہی نہ تھی۔

اس ماحول میں رہ کر لوگ ان مقامات عالیہ کو بہ آسانی حاصل کر لیا کرتے تھے جو مقصدِ تصوف ہیں۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ زمانۂ نبوی میں اس کے عدم رواج کا قائل ہونا، اپنے مقدمہ کو کمزور بنا لینے کے مرادف ہے

حضرت شاہ صاحبؒ نے ان ساری باتوں پر گہری نظر ڈالی انھوں نے دیکھا کہ ایمان بالآخرت، صوفیائے کرام کی صحبت ہی میں کامل اور مکمل ہوتا ہے نیز ان کے سامنے یہ حقیقت بھی آئی کہ ایمان باللہ بغیر عقیدۂ آخرت کے، تعلیمات قرآنی کے بالکل منافی چیز ہے ایسی توحید جس کے ساتھ آخرت کا کوئی واضح تصور نہ ہو ہرگز معتبر نہیں حضرت شاہ صاحب نے "اس گتھی کو یوں سلجھایا کہ نہ صرف سارے اعتراضات ہی دفع ہوجاتے ہیں بلکہ تصوف و شریعت دونوں میں اتحاد اور یگانگت پیدا ہوجاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک درخت کے دو پھل ہیں جن کی اصل ایک ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے لطائف ثلثہ سے پہلے ایک لطیفہ کا مزید اضافہ فرمایا جس کا نام انھوں نے لطیفۂ جوارح رکھا ہے [۱]

مطلب یہ ہے کہ لطائف دو رخ رکھتے ہیں ایک کا رخ تو ظاہری اعضاء وجوارح کی طرف ہوتا ہے اور دوسروں کا رخ ان کے اپنے منبع (سرچشمہ) کی طرف ہوتا ہے۔ پہلے کو مکمل کرنے کا نام شریعت ہے اور دوسروں کی تکمیل کو تصوف احسان، یا طریقت کہا جاتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے اس انداز فکر سے شریعت اور تصوف اصل کے اعتبار سے دو مختلف چیزیں نہیں رہتیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی یہ تحقیق اپنے اعتبار سے بالکل نئی اور انوکھی ہے

مسئلہ توحید باری میں صوفیائے کرام کے دو مختلف نظریات

شاہ صاحب کے زمانہ میں صوفیائے کرام مسئلہ توحید باری میں دو مختلف نظریات رکھتے تھے جن کی تعبیر لفظی وحدت وجود اور وحدت شہود سے کیجاتی تھی اول الذکر نظریہ شیخ اکبر محیی الدین بن العربیؒ کی طرف اور ثانی الذکر حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ کی جانب منسوب تھا۔

شیخ محیی الدین ابن العربی کا نظریہ وحدت الوجود، ہندوستان میں صوفیائے کرام کا عام مسلک تھا۔ دراصل صوفیا کو اس ملک میں جن اقوام و مذاہب سے سابقہ پڑا تھا انھیں اسلام سے قریب تر لانے کے لئے یہ نظریہ بڑا

---

[۱] الطاف القدس باب اول

موثر ذریعہ تھا یہی وجہ ہے کہ گو صوفیاء میں فروعی اختلافات تھے مگر خاص اس مسئلہ میں سب متفق تھے۔

لیکن حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کے بالمقابل وحدت الشہود کا نظریہ پیش کیا ان کے گردوپیش کے حالات کا تقاضہ یہی تھا کہ وحدت وجود کے نظریہ سے ہٹا کر امت کو وحدت شہود کے نظریہ پر کاربند کیا جائے کیونکہ ملت اسلامیہ میں جن عقائد و خیالات کو فروغ ہو رہا تھا ان کے لئے ابن العربیؒ کا نظریہ وحدت وجود کی غلط توجیہہ غذا کا کام دے رہی تھی۔

وحدت وجود

شیخ اکبر کے نظریہ وحدت الوجود کا حاصل یہ تھا کہ ممکنات[1] عالم گو موجود ہیں کیونکہ اللہ پاک نے ان کو وجود بخشا ہے، موجود کیوں نہ ہوتے مگر وجود باری تعالیٰ کے سامنے ان کا وجود نہایت ناقص، ضعیف و کمزور ہے اس لئے وجود ممکن کو وجود باری تعالیٰ کے سامنے گو بالکل عدم نہ کہیں گے مگر کالعدم ضرور کہیں گے جب ممکن کا وجود کالعدم ہوا تو معتدبہ وجود ایک ہی رہ گیا یعنی باری تعالیٰ کا وجود۔

وحدت شہود

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نظریہ کا حاصل یہ تھا کہ موجودات عالم اور وجود باری واقع میں دونوں متعدد ہیں البتہ سالک راہ طریقت کو مشاہدہ بس ایک کا ہونا چاہیئے اور اسے سارے موجودات سے

۱؎ ممکنات سے مراد ماسوا اللہ ہے۔

صرف نظر کرلینی چاہیئے یہی مقصودِ طریقت ہے[1]

وحدت الوجود، جو ایک خالص علمی مسئلہ تھا، جس کے سمجھنے کیلئے کافی علم درکار تھا جب جاہل متصوفین نے اس کے اظہار و بیان کو اپنا مشغلہ بنالیا تو انھوں نے اس کی ایسی تعبیریں کیں جو دین و شریعت، تصوف و سلوک کے بالکل خلاف تھیں جن کے نتیجہ میں مشرکانہ تخیلات، اور غیر اسلامی عقائد رونما ہونے لگے صوفیائے کاملین اس مسئلہ پر بحث کرنے سے بچتے تھے اور اگر کوئی طالب صادق ہوتا اسکو تسلیم کرنے میں بھی حتی الامکان اختصار سے کام لیتے تھے کیونکہ یہ مسئلہ اپنی باریکی کے لحاظ سے اتنا غیر معمولی تھا کہ ادنیٰ سی لغزش ضلالت و گمراہی کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔ مگر جاہل متصوفین نے اس سے صرف نظر کر کے ہر کس و ناکس کے سامنے اسکو بیان کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھا، چونکہ صحیح طور پر وہ خود نہیں سمجھتے تھے اس لئے ان کے ذریعہ سے لوگوں کی گمراہی کے سوا اور کچھ فائدہ نہ ہوتا تصوف کے نام پر مشرکانہ اعمال و رسوم کو فروغ ہونے لگا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے وحدت الوجود کو بھی صحیح تسلیم کیا اور وحدت الشہود کو بھی مانا آپ نے ان دونوں حضرات کا اور ان کے نظریات کا گہری نظر سے مطالعہ کیا انھوں نے اکابر امت کی زندگیوں کو ان آلودگیوں سے بالکل پاک پایا جن میں ہر دو فریق ایک دوسرے کو ملوث کر رہے تھے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ان ساری عبارتوں کو جو فریقین کے کلام میں پائی جاتی ہیں صحیح محلوں پر محمول کیا اور بتایا کہ ان میں سے جس کسی نے جو بات کہی ہے وہ کس مقام سے تعلق

[1] کلید مثنوی دفتر اول ص۱۳

رکھتی ہے۔[1]

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ہر ایک گروہ نے اس مسئلہ میں کسی ایک پہلو کے متعلق اجمال سے کام لیا ہے اور پھر اپنے زمانہ کے تقاضوں کے لحاظ سے جس پہلو کی تفصیل اس کے نزدیک اہمیت رکھتی تھی اسی کے بیان میں مشغول ہوا اور نہ یہ سچ ہے کہ شیخ اکبرؒ کی طرف مسئلہ وحدت الوجود کو منسوب کیا جاتا ہے اور یہ باور کرایا جاتا ہے کہ خالق و مخلوق کے درمیان وہ رشتۂ اتحاد کے قائل تھے ان ہی شیخ اکبر کی بہت سی عبارتیں پیش کی جاسکتی ہیں جن میں انھوں نے خالق و مخلوق کی مغائرت کو واضح الفاظ میں بیان کیا ہے

اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانیؒ جن کو وحدت شہود کے نظریے کا علم بردار سمجھا جاتا ہے خود ان کے کلام میں بکثرت ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ جن میں خالق و مخلوق کے وجود میں اتحاد کی تصریح کی گئی ہے۔

اگر ہم عارف جامی اور شیخ صدر الدین[2] قونوی کی بعض تصریحات پر نظر ڈالیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وحدت الوجود کا جو مطلب خود ان حضرات نے بیان کیا ہے اس میں اور جو کچھ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں[3]

---

[1] عبقات میں حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ نے آپکے مسلک کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔

[2] یہ ہر دو حضرات شیخ اکبرؒ کے وحدت الوجود کے شارح سمجھے جاتے ہیں۔

[3] ملاحظہ ہو عبقات۔

عرضکہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش فرمائی جس سے ایک طرف پوری ایک صدی کے اختلافات کی خلیج پر ہوئی تو دوسری طرف امت کے لئے ایک سیدھی راہ معین فرمائی جس سے ملت اسلامیہ آج تک فیض یاب ہو رہی ہے

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ طریقت کے سارے سلاسل بواسطہ حسن بصری سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر جاکر منتہی ہوتے ہیں لیکن شاہ صاحبؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ خیال بالکلیہ صحیح نہیں ہے فرماتے ہیں۔

"در حقیقت رجوع سلاسل اولیا اللہ بسوئے ایشاں از جہت روایت ثابت نمی شود۔

یعنی حقیقت میں اولیا اللہ کے سلسلوں کا رجوع ہونا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانب روایت سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔

وحسن بصریؒ را بایشاں خصوصیتے کہ بادیگراں نباشد معلوم نیست ۱؎

اور حسن بصریؒ کو ان کے ساتھ کوئی ایسی خصوصیت جو انہیں دوسروں کیساتھ حاصل نہ ہو معلوم نہیں ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"اتصال سلاسل بحضرت مرتضیٰؓ امری است مشہور بر السنۂ صوفیہ و نزدیک تفتیش آں را اصل ظاہر نمی شود ۲؎

یعنی سلاسل طریقت کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے متصل ہونا ایک ایسی بات ہے جو صوفیا کی زبان پر مشہور ہے لیکن تحقیق کے بعد یہ بات درست ثابت نہیں ہوتی۔

۱؎ ہمعات ص ۶ ۲؎ قرۃ العینین۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ ثابت فرمایا کہ حسن بصریؒ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے درمیان صحبت متحقق نہیں ہے ارشاد فرماتے ہیں۔

اگر اتصال حسن بصریؒ بہ مرتضیٰ متحقق می بود اور صحبت معتد بہا با مرتضیٰ متحقق می بود و خود چنیں صحبت منتفی است پس اتصال او منتفی است ۔

اگر حسن بصریؒ کا اتصال حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے متحقق ہوتا ہے تو انکی معتد بہا صحبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ثابت ہوگی لیکن معتد بہا صحبت کا ثبوت نہیں ہے لہٰذا سرے سے اتصال کا ثبوت ہی نہیں ہے۔"

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔

ہر حدیثے کہ عن الحسن عن علی باشد پیش بخاری و مسلم و ترمذی و ابوداؤد و غیرہم متصل نیست و اکثر روایات حسن بصری از مرتضیٰ بواسطہ عن الحسن عن قیس بن عباد عن علی۔

جو حدیث حسن بصری کی (بلاواسطہ) علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہو. امام بخاری امام مسلم ترمذی و ابوداؤد وغیرہم کے نزدیک متصل نہیں ہے اور اکثر روایات حسن بصری کی حضرت علی مرتضیٰ سے بواسطہ قیس بن عباد کے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت حسن بصری نے سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا زمانہ پایا اور اتنا زمانہ دستیاب ہوا جو کہ صحبت کے لئے کافی تھا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان ہر دو حضرات میں ایسی ملاقات ثابت نہیں ہوتی۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

ہر چند زمانہ مساعد صحبت و روایت بود

ہر چند کہ زمانہ صحبت اور روایت کے

اما در مطالب نقلیہ و قوع را ذکر می باید کرد نہ امکان را۔

مساعد و سازگار تھا لیکن مطالب نقلیہ میں وقوع کا ذکر ہونا چاہیے نہ کہ امکان کا۔

وجہے کہ معاصرت پیش گرفتہ تصحیح آں کنند نزدیک محققین اہل حدیث ثابت نشدہ۔

اور ایک گروہ جو کہ ان حضرات کی معاصرت کا قائل ہے اسکو درست قرار دیتا ہے لیکن اہل تحقیق محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ہے

اور اس کے بعد استشہاد کے طور پر فرماتے ہیں۔

قال الترمذی فی باب الحدود لا اعرف للحسن سماعا من علی

امام ترمذی نے باب الحدود میں فرمایا ہے کہ حسن بصری کا حضرت علی سے سماع مجھے معلوم نہیں

واخرج مسلم فی مقدمۃ صحیحہ عن قتادۃ انہ قال واللہ ما حدثنا الحسن عن بدری مشافہۃ

صحیح مسلم کے مقدمہ میں امام مسلم نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا اللہ کی قسم حسن بصری نے کسی بدری صحابی سے حدیث نہیں نقل کی[1]

سارے سلاسل کا منتہیٰ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات گرامی کو قرار دینا ہو سکتا ہے کہ اس میں رفض و تشیع کو بھی دخل ہو جیسا کہ بعض اہل تحقیق کا خیال ہے لیکن اس بارے میں حضرت شاہ صاحبؒ نے کچھ اور ہی توجیہہ فرمائی چنانچہ ہمعات میں تحریر فرماتے ہیں۔

مع ہذا صوفیہ تا طبقتہم طبقۃ بعد طبقۃ اتفاق کردہ اند بارجاع سلسلۂ طریقت

سارے سلاسل کا رجوع حضرت علیؓ کی جانب اگرچہ روایات کے اعتبار سے ثابت نہیں ہے اسکے باوجود

---

[1] قرۃ العینین۔

بایشاں۔
ولا بدایں اتفاق بے وجہے نیست
وایں وجہ نزدیک فقیر آن است
کہ ایشاں اول مجذوب انداز یں امت[1]

سارے صوفیہ نے یکے بعد دیگرے حضرت علیؓ
کی طرف سلسلہ طریقت کے رجوع کرنے میں
اتفاق کیا ہے اور یہ اتفاق بے وجہ نہیں ہے
اور فقیر کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ
حضرت علیؓ اس امت کے سب سے پہلے
مجذوب ہیں۔

غرضکہ حضرت شاہ صاحبؒ فن تصوف کے امام اور مجتہدانہ بصیرت کے مالک تھے اس سلسلہ میں آپ کے اور بھی ایسے کارنامے، اور تحقیقات ہیں جنہیں آپ منفرد نظر آتے ہیں۔ وہ آپ کی بلند پایہ کتابوں میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

ذکر جہری بدعت نہیں

ذکر جہری میں صوفیاء کا اختلاف ہے نقشبندیہ حضرات نے اس کو نہ صرف غیر اولیٰ کہا بلکہ مکروہ قرار دیا ہے۔ چشتیہ حضرات اس کی احادیث کے پیش نظر اس بات پر مصر ہوئے کہ یہی اولیٰ ہے یہ اختلاف حضرت شاہ صاحبؒ کے زمانہ میں نہایت شدید تھا۔ ہر شخص اپنے مسلک کا اثبات اور اس کی افضلیت پر استدلال پیش کرتا تھا ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب کو ان کے والد شیخ عبدالرحیمؒ نے سلوک کے جس طریقہ پر گامزن فرمایا تھا وہ طریق نقشبندیہ تھا یہی وجہ ہے کہ ان پر اسی طریقہ کا رنگ غالب رہا۔

لیکن اس کے باوجود حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس اختلاف

---

[1] ہمعات صا۶

کا غیر جانبداری سے مطالعہ فرما کر اس بات کی کوشش فرمائی کہ صوفیا کرام کا یہ اختلاف ختم ہو۔

چنانچہ اپنی کتاب ہمعات میں ارشاد فرماتے ہیں۔

این جا نکتہ چند باید فہمید۔ یکے آنکہ جمہور اہل طریقت متفق اند بر ادارۂ راس بذکر و تنزیل آں بر قلب و رعائت شد و مد و سبب آں آنست کہ ایں کیفیت سبب انگیختن محبت است و سدِ خطرات۔

اس موقع پر چند نکتے سمجھ لینا چاہئے ایک تو یہ کہ جمہور صوفیا ذکر کے وقت سر گھمانے اور اس کی ضرب قلب پر لگانے نیز آواز میں اتار چڑھاؤ پیدا کرنے میں متفق ہیں اور وجہ یہ ہے کہ ذکر میں یہ کیفیت، محبت کے ابھارنے اور وساوس قلبی کے دفع کرنیکا سبب ہے۔"

اس کے بعد وہ اعتراض جو حضرات نقشبندیہ کی جانب سے کیا جاتا ہے تحریر فرماتے ہیں اور اس کا جواب دیتے ہیں" فرماتے ہیں"

دوم آنکہ بعض اتباع سلسلۂ علیہ نقشبندیہ میگویند کہ حضرت خواجہ از جہر منع میکردند وحقیقت حال آن است کہ حضرات خواجگان پیش از خواجہ نقشبند جہر و خفیہ ہر دو می کردند بل جہر بر ایشاں غالب تر بود۔ در روز دوشنبہ و پنجشنبہ بجمعیت تمام می کردند۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ سلسلہ علیہ نقشبندیہ کے بعض متبعین کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ ذکر جہر سے منع کیا کرتے تھے۔ لیکن دراصل بات یہ ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند سے پہلے سارے خواجگان ذکر جہر اور خفیہ دونوں طرح سے کرتے تھے بلکہ جہر ان پر غالب تھا دوشنبہ اور پنجشنبہ کے روز سارے

لوگ اکٹھا ذکر کیا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ بجہت آنکہ ذکر جہر بمذہب حنفیاں مکروہ است ذکر خفی اولی واقوی دیدند۔ وآں را اختیار کردند نزدیک ایشاں تاثیر صحبت بغایت قوی بود وآں کفایت می کرد از جہر	چونکہ مسلک حنفی میں ذکر جہر مکروہ ہے اس لئے حضرت خواجہ نقشبند نے ذکر خفی کو اولیٰ سمجھا اور پھر اسی کو اختیار کیا انکے پاس صحبت کی تاثیر نہایت قوی تھی اسلئے ذکر جہر کی چنداں ضرورت نہوتی تھی

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنا وہ فیصلہ تحریر فرمایا ہے جو آپکی تحقیق اور جامعیت کا آئینہ دار ہے" فرماتے ہیں"۔

امادر اکثر احیان و بحسب اکثر استعدادات ہیچ چیز نافع تر از جہر نیست وتشکیک دریں معنی مکابرہ است [1]	لیکن اکثر اوقات میں اور اکثر استعدادوں کے اعتبار سے کوئی طریقہ ذکر جہر سے زیادہ نفع بخش نہیں ہے اس بارے میں لوگوں کو شک میں ڈالنا زبردستی کی بات اور حق بات سے انکار کرنیکے مرادف ہے۔

بیعت کی تشریعی حیثیت

حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے نزدیک متعدد احادیث کی روشنی میں بیعت مروجہ مسنون ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسکا ثبوت ملتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

ومما لا شک فیہ ولا شبہۃ انہ اذا ثبت	اور جس میں کوئی شک اور شبہ نہیں وہ یہ

[1] ہمعات صـ۳۹

عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فعل علی سبیل العبادۃ والاہتمام بشانہٗ فانہ لاینزل عن کونہ سنۃ فی الدین[1]

ہے کہ جب کوئی فعل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بطور عبادت اور اہتمام کے ثابت ہو تو وہ فعل سنتِ دینی سے کمتر نہیں۔

چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیثیت خلیفۃ اللہ فی الارض اور معلم و مزکی کی تھی اس لئے خلافت اور تعلیم و تزکیہ نفوس دونوں پر بیعت لینی مسنون ہے فرماتے ہیں۔

انہ صلے اللہ علیہ وسلم کان خلیفۃ فی ارضہ عالما بما انزلہ اللہ من القرآن والحکمۃ معلما للکتاب والسنۃ ومزکیا للامۃ فما فعلہ علی جہۃ الخلافۃ کان سنۃ للخلفاء وما فعلہ علی جہۃ کونہ معلما للکتاب والحکمۃ ومزکیا للامۃ کان سنۃ للعلماء الراسخین۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے خلیفہ تھے اس کی زمین میں اور جو کچھ اللہ نے ان پر قرآن اور حکمت نازل کیا اسکے عالم تھے اور قرآن و حدیث کے معلم تھے اور امت کیلئے مزکی تھے۔ پس جو فعل آنحضرت نے بنا بر خلافت کے کیا وہ خلفاء کے واسطے سنت ہو گیا اور جو فعل تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیۂ امت کیلئے کیا وہ علمائے راسخین کیلئے سنت ہوا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کے خیال میں صرف بیعت علی الخلافت کا قائل ہونا اور

---

[1] القول الجمیل۔

یہ گمان کرنا کہ وہ بیعت جو صوفیائے کرام میں مروج ہے شرعًا اس کی کوئی حقیقت نہیں، یہ گمان فاسد اور خیال باطل ہے درحقیقت بیعت فقط قبول خلافت پر منحصر نہیں۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ بیعت کی چند قسمیں ہیں۔

فالحق ان البیعۃ علی اقسام منھا بیعۃ الخلافۃ ومنھا بیعۃ التمسک بحبل التقویٰ ومنھا بیعۃ الھجرۃ والجھاد ومنھا بیعۃ التوثق فی الجھاد۔

درحقیقت بیعت چند قسموں پر ہے بعض بیعت خلافت کی بعض اسلام لانے کی، بعض بیعت تقوی کی رسی مضبوط پکڑنے کی اور بعض ہجرت اور جہاد کی اور بعض جہاد میں مضبوط رہنے کی۔

بیعت کی حکمت

حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ سنت اللہ یونہی جاری ہے کہ امور خفیہ جو نفوس میں پوشیدہ ہیں ان کا ضبط، ظاہری افعال و اقوال سے ہو۔ تاکہ ان افعال اور اقوال کو شرعی طور پر امور قلبیہ کے قائم مقام ٹھہرایا جا سکے جیسے اللہ اور رسول اور قیامت کی تصدیق کرنا ایک امر مخفی ہے تو ایمان کا اقرار تصدیق قلبی کے قائمقام کر دیا گیا۔

اسی طرح بائع اور مشتری کی رضامندی کا حال ہے بیع اور قیمت کے بارے میں کہ یہ بھی امر مخفی ہے۔ تو ایجاب و قبول کو رضائے مخفی کے قائمقام کر دیا گیا۔

سو اسی طرح توبہ کرنا، ترک معاصی کا عزم کرنا، اور تقویٰ کی رسی کو

مضبوط پکڑنا یہ سب پوشیدہ اور مخفی امور ہیں جن کا ادراک دوسرا نہیں کرسکتا لہذا بیعت کو ان امور مخفیہ کے قائمقام کردیا گیا۔

سلاسلِ طریقت

خانوادہائے تصوف کتنے ہیں، اس کی تعیین نہیں کی جاسکتی۔ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

خانوادہا بسیار اند، وبسیار بودند، وبسیار خواہند بود وحصر آنہا معقول نیست[1]	خانوادے بہت ہیں اور پہلے بھی بہت تھے اور آئندہ بھی ہوں گے۔ ان کا حصر نہیں کیا جاسکتا۔

عام طور پر جو یہ مشہور ہے کہ خانوادے چودہ ہیں یا بقول بعض بارہ ہیں یہ کوئی قطعی اور حتمی بات نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں جس کے فہم وادراک میں جو بات آئی اس نے وہ کہدی۔ حضرت شاہ صاحبؒ کا اس بارہ میں یہی نظریہ ہے وہ فرماتے ہیں۔

وآنچہ بعض گفتہ اند خانوادہ ہا چہاردہ اند چوں زیدیاں، وعیاضیاں، وادھمیاں وہبیریاں، وچشتیاں، وجنیدیاں وگازرونیاں	یہ جو بعض نے کہا ہے کہ خانوادے چودہ ہیں مثلاً زیدیاں اور عیاضیاں اور ادہمیاں اور ہبیریاں اور چشتیاں اور جنیدیاں اور گازرونیاں۔

---

[1] ہمعات ص۳

ولبعض گفتہ اندکہ دوازدہ اندرہ ازاں مقبول چوں جنیدیہ، وحکمیہ، ومحاسبیہ وحقیقتیہ ونوریہ وطیفوریہ دعیر آں حقیقتِ حال آن است کہ ہر کسے بحسب فہم وادراک خود سخنے گفتہ است[۱]

اور بعض نے جو یہ کہا ہے کہ ان کی تعداد بارہ ہے دس تو وہ ہیں جو مقبول ومشہور ہیں جیسے جنیدیہ حکمیہ اور محاسبیہ وغیرہ اسکی اصل وجہ یہی ہے کہ ہر شخص نے اپنے فہم وادراک کے اعتبار سے بات کہی ہے

ورنہ ان خانوادوں کے بعد بہت سے اور خانوادے رونما ہوئے ہیں جیسے قادریہ، اکبریہ، سہروردیہ، کبرویہ، لیسویہ، معینیہ، احراریہ، قدوسیہ، عوثیہ، باقدیہ، احمدیہ آدمیہ وغیرہ۔[۲]

حضرت شاہ صاحبؒ کو تمام خانوادہائے طریقت سے نسبت ظاہری اور باطنی حاصل تھی چنانچہ آپنے کتاب ہمعات میں اس کی تصریح فرمادی[۳] ہے۔ نیز فرماتے ہیں۔

دوعالم ظاہر ایں فقیر را از جہت بیعت وصحبت وخرقہ واجازت وتلقین اشغال بہمہ ایں امور یا لبعض ایں امور باجمیع خانوادہ ہائے طریقہ کہ امروز بر روئے زمین مشہور اند یا بہ اکثر آنہا ارتباط واقع شدہ است[۴].

یعنی آج روئے زمین پر جتنے بھی تصوف وسلوک کے خانوادے موجود ومشہور ہیں سب سے یا اکثر سے ارتباط حاصل ہوا ہے۔ اور سب سے بیعت، صحبت، خرقہ، اور اجازت حاصل ہے

۱ه ہمعات ص۱۴ ۲ه ایضاً ص۱۵ ۳ه ہمعات ص۱۶ ۴ه مقالات طریقت ص۱۵۱

بحوالہ انتباہ ۱۲

ہم ذیل میں آپ کے سلاسل طریقت حسب تصریح صاحب مقالات طریقت تحریر کرتے ہیں۔

شعبۂ قادریہ جیلانیہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ کو خلافت اور اجازت ملی اپنے والد شاہ عبدالرحیمؒ سے ان کو سید عبداللہ سے ان کو شیخ آدم بنوری سے انکو شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی سے انکو اپنے والد شیخ عبدالاحد سے انکو شاہ کمال سے انکو سید فضل سے انکو سید گدا رحمان[1] سے، انکو سید شمس الدین عارف سے انکو سید گدا رحمان بن سید الحسن سے، انکو شمس الدین صحرائی سے، انکو سید عقیل سے انکو سید بہاؤ الدین سے انکو سید عبدالوہاب سے انکو سید شرف الدین قتال[2] سے ان کو سید عبدالرزاق سے انکو اپنے والد ماجد امام الطریقت ابو محمد شیخ عبدالقادر جیلانی[3] رحمۃ اللہ سے۔

شعبۂ ثانیہ قادریہ جیلانیہ

شاہ صاحبؒ کو خلافت ملی اپنے والد شیخ عبدالرحیم سے انکو سید عظمت اللہ اکبر آبادی سے انکو اپنے والد عبداللطیف سے انکو اپنے والد عبدالرسول سے انکو شیخ عبدالعزیز شکر بار سے انکو سید ابراہیم ایرجی[4] سے انکو شیخ بہار الدین قادری سے ان کو سید السادات ابوالعباس احمد سے ان کو اپنے والد حسن سے ان کو اپنے والد موسیٰ سے ان کو اپنے

---

[1] ان کو گدا رحمان ثانی بھی کہتے ہیں ۱۲ [2] ریاضت اور نفس کشی کی وجہ سے ان کا لقب قتال ہوا ۱۲ [3] جیلان بغداد کے قریب ایک قصبہ ہے اسکو جیل بھی کہتے ہیں ۱۲ [4] ایرج بکسر اول وسکون ثانی وثالث مفتوح پرانے زمانہ میں ہندوستان میں ایک قصبہ تھا ۱۲

والدعلی سے انکو اپنے والد محمد سے انکو اپنے والد حسن سے انکو اپنے والد محمد سے انکو اپنے والد ابونصر سے انکو اپنے والد ابو صالح سے انکو اپنے والد عبدالرزاق سے انکو اپنے والد ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے۔

شعبۂ قادریہ اکبریہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اجازت ملی شیخ ابو طاہر مدنی سے انکو اپنے والد شیخ ابراہیم کروی سے انکو امام احمد قشاشی[1] سے انکو شیخ احمد شناوی سے انکو اپنے والد شیخ علی بن عبدالقدوس سے انکو شیخ عبدالوہاب شعراوی[2] سے انکو حافظ جلال الدین سیوطی[3] سے انکو شیخ کمال الدین محمد سے انکو شمس الدین محمد جزری[4] سے انکو عمر بن حسن سے انکو احمد بن ابراہیم فاروثی[5] سے انکو شیخ اکبر محی الدین ابن العربی سے انکو جمال الدین یونس سے انکو شیخ وقت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے۔

شعبۂ قادریہ مشرعیہ شاہ صاحب کو اجازت ملی شیخ ابوطاہر کروی مدنی سے انکو اپنے والد شیخ ابراہیم کروی سے انکو امام احمد قشاشی سے انکو اپنے والد شیخ محمد مدنی سے انکو شیخ امین ابن صدیق سے انکو شیخ سراج الدین عمر جبریل سے انکو شیخ عبدالقادر سے ان کو اپنے والد

---

[1] قشاشہ ایک دیہات ہے مصر کے قریب (مقالات ص۱۵۶) [2] شعراوی بفتح اول وسکون دوم چونکہ آپ کے بدن پر بال بہت تھے اسوجہ سے یہ لقب مشہور ہوگیا۔ کبھی نسبت کے وقت شعرانی بھی کہتے ہیں ۱۲۔ [3] سُیُوط۔ بضم اول وثانی۔ مصر کے ایک دیہات کا نام ہے [4] جزیرہ ابن عمر کی طرف منسوب ہے۔ [5] فاروث بروزن فاروق۔ شہر واسطہ اور بصرہ کے درمیان ایک دیہات کا نام ہے ۱۲۔

جلید مشرع[1] سے ان کو اپنے والد شیخ احمد ابن موسیٰ یمنی سے ان کو شیخ اسمٰعیل بن صدیق جبرتی[2] سے ان کو شیخ محمد سے ان کو شیخ اسمٰعیل سے ان کو شیخ سراج الدین ابوبکر سے انکو شیخ محی الدین سے انکو شیخ فخر الدین ابوبکر محمد سے انکو شیخ ابو احمد بن محمد سے انکو اپنے والد ابو محمد احمد سے انکو اپنے والد شیخ عبداللہ بن یوسف اسدی[3] سے انکو شیخ عبداللہ بن قاسم سے انکو شیخ ابو محمد عبداللہ بن علی سے انکو شیخ محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی سے۔

نقشبندیہ مجددیہ بنوریہ

خانوادۂ نقشبندیہ کے بہت سے شعبے ہیں، ہندوستان میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ اور امیر ابو العلی کے واسطے سے پھیلا۔ اسی کا ایک شعبہ مجددیہ بنوریہ ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ کو خلافت ملی اپنے والد شیخ عبدالرحیم سے ان کو سید عبداللہ سے انکو شیخ آدم بنوری سے ان کو امام طریقہ شیخ احمد مجدد الف ثانیؒ سے ان کو خواجہ محمد باقی سے ان کو خواجہ امکنگی[4] سے ان کو اپنے والد مولانا درویش محمد سے ان کو مولانا زاہد سے ان کو خواجہ عبیداللہ احرار سے انکو مولانا

---

[1] مشرع۔ بضم میم وبفتح شین وکسر رائے مہلہ مشددہ۔ عمل شراع کی طرف نسبت ہے شراع بادبانی کشتی کو کہتے ہیں ۱۲۔

[2] جبرتی بفتح جیم وفتح موحدہ وسکون رائے مہملہ۔ ایک قبیلہ کی طرف نسبت ہے۔

[3] اسدی۔ بفتح الف وسین مہملہ بعد ازاں دال مہملہ۔ قبیلہ اسد کی طرف منسوب ہے ۱۲

[4] امکنہ، ایک مقام کا نام ہے۔ اسکو انکنہ بھی کہتے ہیں (مقالات صہ ۱۶۱)

یعقوب[1] چرخی سے اور خواجہ علاؤالدین غجدوانی[2] سے ان دونوں کو حضرت خواجہ بہاءالدین نقشبند[3] سے

نقشبندیہ مجددیہ خردیہ | حضرت شاہ صاحبؒ کو خلافت ملی اپنے والد شیخ عبدالرحیم سے ان کو خواجہ خرد بن خواجہ محمد باقی باللہ سے انکو شیخ احمد سرہندیؒ اور خواجہ حسام الدین اور شیخ الہ داد سے ان تینوں حضرات کو حضرت خواجہ محمد باقی باللہ سے الخ

شعبہ ابوالعلائیہ ملائیہ | حضرت شاہ صاحب کو خلافت ملی اپنے والد شیخ عبدالرحیم سے ان کو میر ابوالقاسم اکبرآبادی سے انکو ملا ولی محمد اکبرآبادی سے ان کو امیر ابوالعلا اکبرآبادی سے ان کو اپنے چچا امیر عبید اللہ سے ان کو خواجہ عبدالحق سے ان کو خواجہ یحییٰ سے ان کو اپنے والد خواجہ عبید اللہ احرار سے الخ

شعبہ ابوالعلائیہ نوریہ | شاہ صاحبؒ کو خلافت ملی شیخ عبدالرحیم سے ان کو امیر نورالعلا سے ان کو اپنے والد امیر ابوالعلا اکبرآبادی سے الخ

---

[1] چرخ۔ غزنیں کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں کا نام ہے۔
[2] غجدوان۔ بکسر غین معجمہ، وسکون جیم، بخارا سے تقریباً چھ کوس دور ایک موضع کا نام ہے۔ ۱۲۔
[3] کمخاب بافی کی طرف منسوب ہے۔ حضرت خواجہ کے والد ماجد کا یہی پیشہ تھا ۱۲۔

نقشبندیہ مجددیہ معصومیہ حضرت شاہ صاحب کو خلافت ملی ملا محمد دیل گلیانی[1] سے ان کو میر موسیٰ ہپی کوٹی سے ان کو شیخ محمد معصوم سے ان کو حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی سے الخ

نقشبندیہ جامیہ شاہ صاحبؒ کو خلافت ملی شیخ ابو طاہر مدنی سے ان کو شیخ ابراہیم کردی سے ان کو شیخ احمد قشاشی سے ان کو شیخ احمد شناوی سے انکو شیخ محمد بن محمد سے ان کو مولانا محمد امین ابن اختِ مولانا جامی سے ان کو مولانا غیاث الدین احمد سے انکو مولانا علاء الدین محمد سے انکو مولانا عبد الرحمٰن جامی سے ان کو مولانا سعد الدین کاشغری سے انکو مولانا نظام الدین خاموش سے انکو خواجہ علاؤ الدین عطار سے انکو خواجہ بہاؤ الدین نقشبند سے۔

نقشبندیہ مخذومیہ شاہ صاحبؒ کو خلافت ملی شیخ ابو طاہر مدنی سے ان کو شیخ احمد نخلی سے ان کو میر کلاں بلخی سے انکو ملا محمد عرب بلخی سے انکو ملا اکہ شیر غانی[2] سے انکو ملا خرد عزیزاں سے ان کو مخدوم اعظم ملا خواجگی سے ان کو مولانا محمد قاضی سے انکو خواجہ عبید اللہ احرار سے الخ

نقشبندیہ سنبھلیہ شاہ صاحب کو اجازت ملی شیخ ابو طاہر مدنی سے انکو شیخ عبد اللہ لبصری سے انکو شیخ عبد اللہ مکی سے

---

[1] گلیانی۔ بفتح کاف فارسی اول و تشدید ثانی یہ نسبت ہے ایک قبیلہ کی طرف جو پشاور کے پاس دوآبہ میں آباد تھا قوم یوسف زئی کے بنی اعمام میں سے تھا۔ (مقالات ص ۱۶۴)

[2] شیر غان۔ پیر غان کی تعریب ہے۔ بلخ سے دو منزل کے فاصلہ پر ایک شہر کا نام ہے۔

انکو شیخ تاج الدین سنبھلی سے انکو خواجہ محمد باقی باللہ سے الخ

چشتیہ | خانوادۂ چشتیہ کے بھی بہت سے شعبے ہیں لیکن ان میں تین مشہور ترین ہیں۔ نصیریہ، سراجیہ، اور صابریہ۔

شعبۂ چشتیہ سراجیہ نظامیہ | حضرت شاہ صاحبؒ کو خلافت ملی اپنے والد شیخ عبدالرحیم سے۔ انکو شیخ عظمت اللہ اکبرآبادی سے ان کو اپنے والد شیخ عبدالرسول سے ان کو اپنے والد شیخ عبداللطیف سے انکو شیخ عبدالعزیز سے انکو قاضی خان یوسف ناصحی سے انکو شیخ حسن بن طاہر سے انکو سید راجی حامد شاہ سے انکو شیخ حسام الدین مانکپوری سے انکو خواجہ نور قطب عالم سے انکو اپنے والد شیخ علاؤالحق بن اسعد سے انکو شیخ اخی سراج الدین عثمان اودھی سے انکو سلطان المشائخ نظام الدین اولیا سے انکو شیخ فرید الدین گنج شکر سے انکو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے انکو حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری سے۔

شعبۂ نصیریہ نظامیہ | شاہ صاحبؒ کو خلافت ملی اپنے والد شیخ عبدالرحیم سے انکو اپنے نانا شیخ رفیع الدین محمد سے انکو اپنے والد شیخ قطب العالم سے انکو شیخ عبدالعزیز شکر بار سے ان کو شیخ نجم الحق سے انکو شیخ عبدالعزیز سے انکو سید عبدالوہاب بخاری سے ان کو سید صدرالدین قتال سے انکو اپنے والد شیخ محمود سے ان کو اپنے والد سید جلال الدین مخدوم جہانیاں سے انکو حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی نے ان کو شیخ نظام الدین اولیاء سے انکو فریدالدین گنج شکر سے الخ

چشتیہ قدوسیہ صابریہ شاہ صاحبؒ کو خلافت ملی شیخ عبدالرحیم سے انکو سید عبداللہ سے انکو شیخ آدم بنوری سے ان کو شیخ احمد مجدد الف ثانی سے انکو شیخ عبدالاحد سے انکو شیخ رکن الدین سے انکو اپنے والد شیخ عبدالقدوس گنگوہی سے انکو شیخ محمد بن عارف سے انکو اپنے والد شیخ عارف سے انکو اپنے والد شیخ احمد عبدالحق ردولوی سے انکو شیخ جلال الدین پانی پتی سے انکو شیخ شمس الدین ترک سے ان کو مخدوم علی صابر سے ان کو اپنے ماموں شیخ فریدالدین گنج شکر سے الخ

سہروردیہ طریقہ، سہروردیہ ہندوستان میں مخدوم بہاءالدین زکریا کی جانب سے پھیلا۔ کہتے ہیں کہ خراسان میں شیخ نجیب الدینؒ کی ساعی جمیلہ سے بام عروج پر پہونچا۔ اس کے بھی کئی شعبہ ہیں۔

سہروردیہ زکریائیہ شاہ صاحب کو خلافت ملی شیخ عبدالرحیم سے انکو سید عظمت اللہ اکبرآبادی سے ان کو شیخ عبداللطیف سے ان کو شیخ عبدالرسول سے انکو شیخ عبدالعزیز سے ان کو سید عبدالوہاب بخاری سے ان کو سید صدرالدین سے انکو سید جلال الدین مخدوم جہانیاں سے انکو شیخ رکن الدین ابوالفتح سے ان کو صدرالدین سے انکو اپنے والد بہاؤالدین زکریا ملتانی سے انکو شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی سے۔

سہروردیہ بزغشیہ حضرت شاہ صاحب کو خلافت ملی اپنے استاد شیخ ابوطاہر مدنی سے انکو شیخ ابراہیم کردی سے انکو شیخ احمد قشاشی سے انکو شیخ احمد شناوی سے انکو شیخ علی سے انکو شیخ

عبدالقدوس سے انکو شیخ عبدالوہاب شعراوی سے انکو شیخ الاسلام زکریا بن محمد انصاری
سے انکو شہاب احمد سے انکو شیخ زین الدین سے انکو شیخ نورالدین مصری سے
انکو شیخ جمال الدین یوسف سے انکو حسام الدین اور نجم الدین اصفہانی سے ان
دونوں کو شیخ نورالدین عبدالصمد سے ان کو شیخ نجیب الدین علی سے ان کو
شیخ شہاب الدین سہروردی سے۔

طریقہ کبرویہ شاہ صاحب کو خلافت ملی شیخ ابو طاہر مدنی سے انکو شیخ
ابراہیم کروی سے انکو شیخ احمد قشاشی سے انکو شیخ
احمد شناوی سے انکو شیخ علی سے ان کو شیخ عبدالقدوس سے ان کو شیخ عبدالوہاب
شعراوی سے ان کو شیخ الاسلام زین الدین ذکریا سے ان کو شمس محمد بن عمر واسطی
سے انکو ابوالعباس احمد زاہد سے انکو شہاب دمشقی سے انکو عبدالرحمٰن شرقی سے
ان کو احمد رودبار سے ان کو شیخ رضی الدین علی سے ان کو مجدالدین بغدادی
سے انکو شیخ نجم الدین کبریٰ سے۔

شعبہ کبرویہ نقشبندیہ شاہ صاحب کو خلافت ملی شیخ ابو طاہر مدنی سے
انکو شیخ ابراہیم کروی سے ان کو شیخ احمد قشاشی
سے انکو شیخ احمد شناوی سے ان کو سید غضنفر نہروانی سے ان کو شیخ تاج الدین سے
انکو حافظ نورالدین احمد طاؤسی سے انکو محقق شریف سید علی جرجانی سے انکو خواجہ
علاؤالدین عطار سمرقندی سے انکو خواجہ بہاءالدین محمد نقشبند سے ان کو
شیخ سلطان الدین سے ان کو شیخ احمد مولانا سے ان کو شیخ بابا کمال حیدری سے
انکو شیخ نجم الدین کبریٰ سے

کبرویہ ہمدانیہ شاہ صاحبؒ کو خلافت ملی شیخ عبدالرحیم سے ان کو سید عبداللہ سے ان کو شیخ آدم بنوری سے ان کو شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی سے انکو شیخ یعقوب کشمیری سے ان کو شیخ حسین خوارزمی سے ان کو شیخ حاجی محمد سے ان کو شیخ شاہ علی سے ان کو شیخ رشید الدین محمد سے انکو سید عبداللہ سے انکو شیخ اسحاق سے انکو امیر سید علی ہمدانی سے انکو شیخ شرف الدین محمود سے اور شیخ تقی الدین علی سمنانی سے ان دونوں کو شیخ علاؤ الدولہ احمد بن محمد سمنانی سے ان کو شیخ نور الدین عبدالرحمٰن سے ان کو شیخ جمال الدین احمد سے ان کو شیخ رضی الدین علی سے ان کو شیخ نجم الحق کبریٰ سے۔

طریقہ مدنیہ اس طریقہ کے بھی کئی شعبے ہیں مگران میں مغاربیہ اور عیدروسیہ بہت مشہور ہیں اول الذکر مغرب میں اور ثانی الذکر حضرموت میں پھیلا۔

مدنیہ مغاربیہ شاہ صاحبؒ کو خلافت ملی شیخ ابوطاہر مدنی سے انکو شیخ الحرم مکی شیخ احمد نخلی اور شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے انکو شیخ عیسیٰ مغربی سے ان کو شیخ سعید بن المقری سے ان کو ولی کامل احمد سے انکو شیخ طریقہ صالح موسیٰ سے ان کو شیخ معمر محمد بن مخلص سے ان کو شیخ مغطائی سے ان کو ابو عبداللہ عریان سے ان کو شیخ جماعہ طویل سے انکو شریف ابو محمد سے ان کو قطب ابو محمد صالح سے انکو شیخ ابو مدین مغربی سے۔

مدنیہ عیدروسیہ شاہ صاحب کو خلافت ملی شیخ ابوطاہر مدنی سے انکو شیخ احمد نخلی سے انکو سید عبدالرحمٰن بن علی سے ان کو سید

عبداللہ بن علوی حداد سے ان کو سید محمد بن علوی سے ان کو سید عبداللہ بن علی سے ان کو شیخ بن عبداللہ عیدروس سے ان کو اپنے والد سید عبداللہ بن شیخ سے ان کو اپنے چچا سید ابوبکر عیدروس سے انکو اپنے والد سید عفیف الدین صاحب شعبہ عیدروسیہ سے ان کو سید عمر سے ان کو عبدالرحمٰن بن محمد سے انکو محمد بن علی سے ان کو علوی بن محمد سے انکو محمد بن علی سے ان کو شیخ عبداللہ صالح سے اور شیخ عبدالرحمٰن مغربی سے اور ان دونوں کو شیخ ابومدین مغربی سے

طریقہ شاذلیہ حضرت شاہ صاحب کو خلافت ملی شیخ ابوطاہر مدنی سے ان کو شیخ ابراہیم کروی سے ان کو شیخ احمد قشاشی سے ان کو شیخ احمد شناوی سے ان کو احمد بن قاسم علامہ اور ولی کبیر حسن اور شیخ ابراہیم علقمی سے اور محمد بن زین الدین سے ان سب کو شیخ الاسلام کمال الدین طویل سے ان کو علامہ محمد بن محمد سے ان کو سید تاج الدین سبکی سے انکو سید احمد بن عطاء اللہ الاسکندری سے ان کو ابوالعباس سے ان کو ابوالحسن شاذلی سے۔

شاذلیہ مغلطائیہ شاہ صاحب کو خلافت ملی شیخ ابوطاہر مدنی سے انکو شیخ احمد نخلی سے انکو شیخ عبداللہ بن سالم بصری سے انکو شیخ عیسیٰ مغربیؒ سے انکو ابوعثمان سعید سے ابوعثمان مقری سے انکو العباس احمد سے ان کو ابوسالم تازی سے انکو صالح بن موسیٰ سے انکو شیخ ابوعبداللہ محمد بن محمد سے انکو شیخ علاء الدین مغلطائی سے انکو سید زین الدین ابوبکر اور سید ابوعبداللہ بن سید ابوالحسن شاذلی سے ان دونوں کو ابوالحسن

شاذلی سے۔

طریقہ شطاریہ یہ طریقہ شیخ محمد غوث گوالیاری سے بام شہرت پر پہونچا ان سے پہلے اس ملک میں یہ طریقہ چنداں مشہور نہ تھا۔ ہندوستان میں اس طریقہ کو سب سے پہلے رواج دینے والے شیخ عبداللہ شطار ہیں۔ اس کے بانی شیخ خدا قلی ماوراء النہری ہیں۔

شاہ صاحب کو خلافت ملی شیخ ابو طاہر مدنی سے انکو شیخ ابراہیم کردی سے انکو شیخ احمد قشاشی سے انکو شیخ احمد شناوی سے انکو سید صبغۃ اللہ بروچی سے ان کو شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی سے ان کو شیخ محمد غوث گوالیاری سے

شطاریہ شکریہ شاہ صاحب کو خلافت ملی شیخ ابو طاہر مدنی سے انکو شیخ احمد نخلی سے ان کو سید میر کلاں سے انکو شیخ عیسیٰ سندھی برہانپوری سے انکو شیخ لشکر محمد سے ان کو شیخ محمد غوث گوالیاری سے۔

شطاریہ وجیہیہ شاہ صاحب کو خلافت ملی شیخ سعید لاہوری سے انکو شیخ محمد اشرف لاہوری سے انکو شیخ عبدالملک سے انکو شیخ بایزید ثانی سے ان کو شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی سے ان کو شیخ محمد غوث گوالیاری سے ۔

طریقہ مداریہ ان سلاسل طریقت کے علاوہ ایک سلسلہ مداریہ ہے ۔ صاحب مقالات طریقت نے تصریح کی ہے کہ شاہ صاحب کو مداریہ طریقہ سے بھی فیض پہونچا ہے ۔

شاہ صاحب کو خلافت ملی شیخ ابوطاہر مدنی سے انکو شیخ ابراہیم سے انکو شیخ احمد قشاشی سے انکو شیخ احمد شاوی سے انکو سید صبغۃ اللہ سے ان کو شیخ وجیہ الدین گجراتی سے ان کو محمد غوث گوالیاری سے انکو شیخ ظہور حاجی حضور سے ان کو شیخ ہدایۃ اللہ سرمست سے ان کو شیخ محمد قاضی سے انکو شیخ حسام الدین مدار سے انکو شیخ الوقت بدیع الدین مدار سے انکو شیخ بایزید بسطامی سے ان کو خواجہ حبیب عجمی سے ان کو خواجہ حسن بصری سے انکو سیدنا امیر المومنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے انکو حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم سے[۱]

ہرچہ اسباب جمال است رخ خوب ترا

ہمہ بروجہ کمال است کما لا یخفیٰ (جامی)

اوراد واعمال

تصوف وسلوک میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کا جو مقامِ عالی تھا اس کا اندازہ گزشتہ اوراق سے کسی قدر ہو گیا ہوگا۔ دراصل آپ کی ذاتِ گرامی خود تصوف وسلوک کے لئے نہایت مفید ثابت ہوئی۔ مدرسۂ رحیمیہ اور اسکی مسجد کو آپ نے نہ صرف علوم دینیہ کی نشرواشاعت کا مرکز بنایا بلکہ انھیں تزکیۂ نفوس معرفت وسلوک کا سرچشمہ بھی بنایا تھا۔

مریدین ومسترشدین کی ایک جماعت ذکر واذکار، مراقبۂ ومحاسبہ، اور چلہ کشی میں ہر وقت نظر آتی تھی۔ رمضان المبارک کا مہینہ جو عموماً دینی مدارس میں عطلت کا زمانہ ہوتا ہے سیکڑوں مریدین اپنے قلوب میں جلا پیدا کرنے یقین کو

[۱] مقالات طریقت صفحہ ۱۰۱

قومی بنانے اور اپنے نفوس کو پاک و صاف کرنے کے لئے آپ کے پاس حاضر ہوتے اور مدرسہ کی مسجد میں معتکف ہوکر آپ کے انفاس قدسیہ سے فیضیاب ہوکر اپنے گھروں کو واپس ہوتے ۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں کہ

"دراں ہنگام بزرگانِ بسیار اولیائے بسیار از یارانِ والدماجد ...... معتکف بودند" [۱]

یعنی اس زمانہ میں بہت سے بزرگ اور بہت سے اولیا والد ماجد کے دوستوں میں سے مسجد میں معتکف ہوتے تھے [۱]

اس سلسلہ میں حضرت شاہ صاحبؒ اپنے بعض مخصوص مسترشدین اور مریدین کو رمضان میں اپنے پاس بلانے کی کوشش بھی فرماتے چنانچہ شاہ ابوسعید صاحبؒ کو ایک مکتوب تحریر فرماتے ہیں کہ

اگر گرمی ہوا ابہم رسد اینجا تشریف آوردہ اینجا رمضان گزرانند [۲]

اگر گرمی شوق بہم پہونچے تو پھر رمضان ہمارے یہاں آکر گزاریں ۔

لیکن اس حقیقت سے کم لوگ آگاہ ہوں گے کہ حضرت صاحب قدس سرہٗ اوراد و اعمال دعا، تعویذ کے نہ صرف قائل تھے، بلکہ لوگوں کو ان کی مشکلات میں تعویذ عطا فرماتے، یا کوئی وظیفہ اور عمل تلقین فرماتے جس سے اللہ پاک کے حکم سے ان کی مشکلیں آسان ہوتیں اور ان کی ضرورتیں پوری ہوتیں ۔

---

[۱] ملفوظات ۱۲ ۔ [۲] مکتوب بنام میر ابوسعید حسنیؒ ۔ از افادات مولانا امروہی مدظلہٗ ۱۲

یہ سلسلہ اتنا عام تھا کہ لوگوں کو ان کی طلب پر، تعویذ یا کوئی وظیفہ اور عمل بذریعہ ڈاک ارسال فرماتے۔ ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

یک تعویذ نواسیر برائے بستن... دیگرے برائے شستہ خوردن فرستادہ شد" "ایک تعویذ نواسیر کا باندھنے کے لئے اور دوسرا دھو کر پینے کے لئے بھیجا گیا ہے"

کچھ اوراد و اعمال خاندانی تھے جو سینہ بسینہ منتقل ہوتے تھے۔ وہ آپ کو بطور وراثت کے شاہ عبدالرحیمؒ سے حاصل ہوئے جن کو رفاہِ عام کے لئے آپ نے اپنے ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کا انتخاب پیش کریں، تاکہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے اس فیض سے کوئی بھی محروم نہ رہے۔

برائے کشائش ظاہری و باطنی

روزانہ یَا مُغْنِیُ گیارہ سو بار اور سورۂ مزمل شریف چالیس بار اگر نہ ہو سکے تو گیارہ بار پڑھنا غنائے ظاہری و باطنی کے لئے مجرب ہے۔

ایضاً درود پاک کی مداومت بھی مجرب ہے[1]

برائے دردِ دندان و دردِ سر و دردِ ریاح

ایک پاک تختی یا پٹری لیکر اسپر پاک ریتا ڈالے اور ایک کیل یا لکڑی سے اس پر ابجد، ہوز، حطی، لکھے اور کیل یا لکڑی کو زور سے الف پر دابے۔ اور ایک بار سورۂ فاتحہ پڑھے۔ اور درد والا درد کے مقام پر اپنی انگلی زور سے رکھے رہے۔ پھر اس سے پوچھے

---

[1] شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نے فرمایا کہ ہمنے جو کچھ پایا سب اسی کی بدولت پایا۔

کہ مجھکو آرام ہوگیا؟ اگر درد جاتا رہا ہو تو فبہا ورنہ کیل کو دوسرے حرف ب پر اسی طرح رکھے اور سورۂ فاتحہ پڑھکر پھر اس سے پوچھے کہ مجھکو آرام ہوگیا؟ اسی طرح ہر حرف پر کرے آخری حرف تک شفا ہو جائے گی مجرب ہے۔

برائے رفع حاجت وردِ غائب اکتالیس بار سورۂ فاتحہ فجر کی سنت اور فرض کے درمیان پڑھنے سے حاجت پوری ہوتی ہے اور غائب واپس لوٹ آتا ہے

برائے شفائے مریض اگر کوئی بیمار ہو تو ایک پیالہ میں پانی لیکر چالیس بار سورۂ فاتحہ پڑھکر پانی پر دم کرے پھر مریض کے منہ پر چھینٹا مارے تو حق تعالیٰ شانہٗ اس کو شفا بخشیں گے۔

برائے گزیدن سگِ دیوانہ اگر کسی کو باؤلا کتا کاٹ لے اور اسکے دیوانہ ہو جانے کا خوف ہو تو آیت انھم یکیدون کیدا واکید کیدا فمھل الکافرین امھلھم رویدا ۱۰ روٹی کے چالیس ٹکڑوں پر لکھے اور اس سے کہدے کہ ایک ٹکڑا روز کھایا کرے ان شاء اللہ زہر کا اثر نہ رہے گا اور وہ صحت یاب ہو جائے گا۔

برائے دفع فاقہ روزانہ رات کو سورۂ واقعہ کا پڑھنا فاقہ سے محفوظ رکھتا ہے نیز لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم روزانہ سو بار پڑھنا بھی مجرب ہے۔

برائے بیدار شدن اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سورۂ کہف کے آخر تک پڑھکر سوئے اور

اللہ پاک سے یہ دعا کرے کہ فلاں وقت مجھے بیدار کر دے تو حق تعالیٰ اس کو اسی وقت بیدار کر دیں گے۔

برائے حفظ اطفال بچوں کو نظر بد اور شیطانی شرور سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ دعا لکھکر تعویذ اسکے گلے میں ڈالدینا مجرب ہے۔ دعا یہ ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَعَيْنٍ لَّامَّةٍ تَحَصَّنْتُ بِحِصْنِ اَلْفِ اَلْفِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۝

برائے امان از ہر آفت اگر کوئی اس دعا کو صبح و شام پڑھا کرے تو ہر قسم کی آفتوں اور بلاؤں سے مامون و محفوظ رہے گا دعا یہ ہے۔ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَا لَمْ يَشَاْ لَمْ يَكُنْ اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا وَّاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَآبَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝ اِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

برائے خوفِ حاکم اگر کسی شخص کو کسی حاکم سے خوف و اندیشہ ہو تو اسے چاہیے کہ یوں کہے كٓهٰيٰعٓصٓ كُفِيْتُ

اور داہنے ہاتھ کی انگلیاں بند کرلے یعنی پہلی انگلی کاف کے تلفظ کے وقت اور دوسری ھا کے تلفظ پر اور تیسری یا پر، چوتھی عین پر اور پانچوں صاد پر اور پھر حٓمٓعٓسٓقٓ حُمیثُ کہے اور علی الترتیب ہر حرف پر بائیں ہاتھ کی بند کرتا چلا جائے حتیٰ کہ قٓ پر بائیں ہاتھ کی پانچویں انگلی بند کرے۔ پھر دونوں ہاتھ کی مٹھی بند کئے ہوئے حاکم کے سامنے جاکر کھولدے۔ آزمودہ ہے۔

برائے شفائے مریض

ذیل کی چھ آئیتیں چینی کے برتن پر لکھے اور پانی سے دھو کر مریض کو پلائے جلد شفایاب ہوگا۔ آیات شفایہ ہیں۔ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ٥ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِى الصُّدُوْرِ ٥ وَيَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ ٥ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ٥ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ٥ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاءٌ ٥

گنڈہ برائے چیچک

اگر کسی بچہ کو چیچک نکل آئی ہو یا اس کا اندیشہ ہو تو نیلا تاگا لیکر سورۂ رحمٰن شریف پڑھے اور جب فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پر پہونچے تو اس تاگے میں پھونک کر گرہ لگائے اسی طرح پوری سورہ پڑھے۔ پھر گنڈہ بچے کے گلے میں ڈالدے اگر چیچک نکل آئی ہے تو بہت جلد رفع ہوجائے گی ورنہ اس سے حفاظت رہے گی۔

برائے حفاظت از غرق و آتش زدگی وغیرہ

چوری، غارتگری اور ڈوبنے

جلنے سے محفوظ رہنے کے لئے حضرات اصحاب کہف کے ناموں کے ساتھ دعا کرنا نہایت مفید اور مجرب ہے۔ یوں کہے الٰہی بحرمۃ یملیخا مکسلمینا کشفوططط اذرنط فطیونس کشافطیونس تبیونس یوانس بوس وکلبھم قطمیر وعلی اللہ قصد السبیل ومنھا جائر ۰

برائے حاجت روائی اگر کوئی حاجت درپیش ہوا اور حاجت روائی مشکل معلوم ہو بارہ روز متواتر یابدیع العجائب بالخیر یابدیع ۰ بارہ سو بار پڑھے۔ حق تعالے شانہ اسکی حاجت روائی فرمائیں گے اور مشکل دفع فرمائیں گے۔

ایضاً چار رکعت نفل کی نیت کرے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین ۰ فاستجبنا لہ ونجینٰہ من الغم وکذٰلک ننجی المؤمنین ۰ کو سو بار پڑھے۔ اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین ۰ سو بار پڑھے۔ اور تیسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد افوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد ۰ سو بار پڑھے۔ پھر چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد حسبنا اللہ ونعم الوکیل ۰ سو بار پڑھے اور نماز کے ختم کرنے کے بعد سو بار رب انی مغلوب فانتصر پڑھے تو حاجت ہوگی بالیقین پوری ہوگی۔

برائے دفع جن آسیب زدہ کے بائیں کان میں سات بار یہ آیت ولقد فتنا سلیمٰن والقینا علی کرسیہ

جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝ پڑھے آسیب دفع ہوجائے گا۔

ایضاً دفع آسیب کے لئے یہ عمل بھی مجرب ہے کہ آسیب زدہ کے کان میں سات بار اذان دے اور سورۂ فاتحہ اور معوذتین، آیت الکرسی اور سورۂ طارق۔ اور ھُوَاللّٰہُ الَّذِیْ سے سورۂ حشر کے آخر تک اور سورۂ صافّات پوری پڑھے۔ فی الفور آسیب جل جائے گا۔

ایضاً آسیب زدہ کے کان میں سورۂ مومنین کی یہ آیتیں اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ سے وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ تک پڑھے آسیب زدہ کو افاقہ ہوجائے گا۔

ایضاً اگر کسی مکان یا جگہ پر آسیب کا اثر ہو تو پاک پانی لیکر سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی اور پانچ آیتیں سورۂ جن کی ابتدا کی پڑھے اور پانی پر دم کرے۔ پھر اس کو مکان کے چاروں کونوں میں چھڑک دے آسیب دفع ہوجائے گا اور پھر کبھی نہ آئے گا۔ اور اگر یہی پانی آسیب زدہ کے منھ پر چھڑک دیا جائے تو اسے فوراً ہوش آجائے گا۔

ایضاً گھر میں پتھر گرتے ہوں یا آسیبی اثرات معلوم ہوتے ہوں تو لوہے کی چار کیلیں لیکر ہر ایک پر پچیس پچیس ۲۵ بار یہ آیت پڑھے۔ پھر ان کیلوں کو گھر کے چاروں کونوں میں گاڑ دے۔ آیت یہ ہے۔ اِنَّهُمْ یَكِیْدُوْنَ كَیْدًا ۝ وَّاَكِیْدُ كَیْدًا ۝ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِیْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَیْدًا ۝

ایضاً گھر کی دیواروں پر اصحاب کہف کے نام لکھنا بھی دفع جن و آسیب

کے لئے نہایت مفید ہے۔

تعویذ برائے عقیمہ جس عورت کے بچے نہ ہوتے ہوں۔ ہرن کی جھلی پر زعفران اور گلاب سے یہ آیت لکھکر تعویذ اس کے گلے میں ڈالدے تو اس کا بانجھ پن دور ہو جائے گا۔ آیت یہ ہے۔ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ

ایضاً چالیس لونگوں پر سات، سات بار اس آیت کو پڑھے۔ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّجِّىٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ؕ پھر بانجھ عورت ایام ماہواری کے بعد غسل کرکے روزانہ ایک، ایک لونگ کھائے[1] اور درمیان میں اس کا زوج اس سے صحبت بھی کرتا رہے، انشاء اللہ اولاد پیدا ہوگی مجرب ہے۔

گنڈہ برائے حفاظت حمل اگر کسی عورت کا حمل ساقط ہو جاتا ہو تو اسکے قد کے برابر کسم کا رنگا ہوا تاگا لے اور اسپر نو گرہ لگائے اور ہر گرہ پر قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور یہ آیت پڑھے۔ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ

---

[1] لیکن شرطیہ ہے کہ لونگ رات میں کھائے اور اس پر پانی نہ پئے۔

مَحْسُنُوْنَ ○ پھر وہ عورت گنڈہ اپنے گلے میں یا پیٹ پر باندھ لے انشاءاللہ
حمل ساقط نہ ہوگا۔ آزمودہ ہے۔

برائے دردِزہ | جس عورت کو دردِزہ تکلیف دیتا ہو تو ایک کاغذ پر وَاَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَتَخَلَّتْ ٥ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ اَهْیًا اَشْرَاهِیًا[۱] لکھکر ایک پاک کپڑے میں لپیٹ کر اس کی بائیں ران پر باندھ دے تو بچہ جلد اور سہولت سے جنے گی۔ درد کی تکلیف کم ہو جائے گی۔

برائے اولاد نرینہ | جس عورت کو اولاد نرینہ نہ ہوتی ہو۔ تو اسکے حمل پر تین مہینے گزرنے سے پہلے ہرن کی جھلی پر زعفران اور گلاب سے ان آیتوں کو لکھ کر تعویذ اس کے گلے میں ڈالدے اولاد نرینہ ہوگی انشاءاللہ۔ آیتیں یہ ہیں۔ اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰی وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ٥ كُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ٥ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ ٥ پھر یہ آیت لکھے یٰزَكَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُهٗ یَحْیٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ٥ پھر یہ لکھے یحیٰ مریم وعیسیٰ اِنَّا صَالِحًا طَوِیْلَ الْعُمُرِ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ۔

---

[۱] حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ مجھکو یاد ہے کہ درمنثور میں بروایت اعمش منقول ہے کہ یہ کلمہ یعنی اَهْیًا اَشْرَاهِیًا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا ہے جس کے معنی ہیں" اے زندہ قبل ہر چیز کے اور اے زندہ بعد ہر چیز کے۔

ایضاً جس کے اولاد نرینہ نہ ہوتی ہو اس عورت کے پیٹ پر ستر بار گول دائرہ انگلی سے بنائے اور ہر بار دائرہ بناتے وقت یا متین کہے۔

برائے زینکہ اولاد او نہ زیند جس عورت کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں تو سیاہ مرچ اور اجوائن لے کر دونوں چیزوں پر دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت چالیس بار سورۃ الشمس پڑھے اس طور پر کہ ہر بار درود شریف سے شروع کرے اور درود شریف پر ختم کرے۔ پھر اسکو عورت ہر روز کھایا کرے یعنی حمل کے دنوں سے بچہ کے دودھ چھڑانے تک۔

عمل برائے نظر اگر کسی بچہ کو کسی ڈائن عورت کی نظر لگ گئی ہو تو چھری سے ایک گول دائرہ بنائے۔ پھر آیت الکرسی پڑھکر یہ آیتیں پڑھے۔ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهٖ إِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اسکے بعد یہ دعا پڑھے أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّعَيْنٍ لَامَّةٍ يَا حَفِيْظُ يَا رَقِيْبُ يَا وَكِيْلُ يَا كَفِيْلُ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ پھر چھری کو دائرے کے بیچ میں گاڑ دے اور یوں کہے کہ میں نے چھری ٹھونک دی نظر لگانے والے کے دل میں پھر اسکو رکابی یا طباق سے ڈھانک دے۔ انشاء اللہ نظر بد کا اثر بالکل زائل ہو جائے گا۔ اور بچہ تندرست

وصحت یاب ہو جائے گا۔

ایضاً جادوگر یا نظر لگانے والے کا نام لیکر پکارے جس وقت وہ نظر لگا رہا ہو یعنی یوں کہئے کہ اے فلاں تو اس کا اثر باطل ہو جائے گا۔

ایضاً[۱] اگر یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں کی نظر لگی ہے تو اس کے منہ ہاتھ پیر اور اس کی شرمگاہ کے دھوئے ہوئے پانی کو نظر لگے ہوئے پر چھڑک دے فوراً اچھا ہو جائے گا۔ مجرب ہے۔

برائے شفائے مریض اگر کسی پر جادو کا اثر ہو یا کوئی ایسا مریض ہے کہ اس کی بیماری نے اطباء کو عاجز کر دیا ہو تو سفید چینی کے برتن پر یہ لکھے۔ یَا حَيُّ حِیْنَ لَاحَيَّ فِیْ دَیْمُوْمَةِ مُلْکِہٖ وَبَقَائِہٖ یَا حَيُّ۔ پھر اسکو پانی سے دھو کر پلائیں۔ یہ عمل چالیس روز تک کیا جائے گا۔

اگر اس کے ساتھ سورۂ فاتحہ بھی لکھیں تو بیحد مفید ہے۔

برائے ردِّ غائب اگر کسی کا غلام یا لڑکا بھاگ گیا ہو اور اس کو واپس کرنا منظور ہو تو ایک کاغذ میں سورہ فاتحہ اور آیت الکرسی لکھکر یہ دعا لکھیں۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَنْ فِیْھِنَّ فَاجْعَلِ اللّٰھُمَّ السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا فِیْھِمَا عَلٰی عَبْدِكَ فُلَانٍ[۲] ابْنِ فُلَانَةَ اَضْیَقَ مِنْ حَلْقِہٖ حَتّٰی یَرْجِعَ

---

[۱] حضرت شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ یہ عمل حدیث سے ثابت ہے۔

[۲] فُلَانٍ کی جگہ بھاگے ہوئے کا نام، اور فُلَانَة کی جگہ اسکی ماں کا نام لکھیں ۱۲

اِلیٰ مَوْلَاہُ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ○ اس کے بعد یہ لکھیں اَوْکَظُلُمَاتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشَاہُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِہٖ سَحَابٌ ○ ظُلُمَاتٌ بَعْضُھَا فَوْقَ بَعْضٍ ط اِذَآ اَخْرَجَ یَدَہٗ لَمْ یَکَدْ یَرٰھَا وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ ○ وَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ○ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَہٗ ط وَاللّٰہُ مِنْ وَّرَآئِھِمْ مُّحِیْطٌ ○ بَلْ ھُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ○ پھر تعویذ بنا کر کسی پاک کپڑے میں لپیٹ کر اندھیری جگہ میں دو پتھروں کے درمیان رکھ دیں۔ بہت جلد واپس آئے گا مجرب ہے۔

برائے حاجت

فجر کی سنت و فرض کے درمیان سورۂ فاتحہ کو اس طرح پڑھے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی میم الحمد کے لام سے مل جائے۔ یہ عمل یکشنبہ سے شروع کرکے پہلے روز ستر بار دوسرے دن اسی وقت ساٹھ بار تیسرے دن پچاس بار۔ اسی طرح ہر روز دس دس بار کم کرتا جائے حتیٰ کہ شنبہ کے روز دس مرتبہ رہ جائے گا۔ جس حاجت کے لئے پڑھا جائے گا۔ انشاء اللہ وہ پوری ہوگی۔ مجرب ہے۔

اگر کوئی شخص کسی مصیبت اور تنگی میں مبتلا ہو اور اس سے چھٹکارے کی کوئی صورت نظر نہ آرہی ہو اور وہ خواب میں اس سے چھٹکارے کی صورت معلوم کرنا چاہتا ہو تو اسے چاہیئے کہ پاک وصاف ہو کر وضو کر کے سنت کے مطابق داہنی کروٹ قبلہ رو لیٹ جائے اور سورۂ والشمس سات بار، سورۂ واللیل سات بار قل ہو اللہ سات بار پڑھے۔ پھر یہ دعا مطلب

سمجھ کر پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنِی فِی مَنَامِی کَذَا اَوْ کَذَا[1] وَاجْعَلْ لِّی مِنْ اَمْرِی فَرَجًا وَّمَخْرَجًا وَّاَرِنِی فِی مَنَامِی مَا اَسْتَدِلُّ بِہٖ عَلٰی اِجَابَۃِ دَعْوَتِی۔

اگر اسی رات کو خواب میں چھٹکارے کی صورت نظر آجائے تو فبہا ورنہ دوسری شب بھی یہی عمل کرے۔ حتیٰ کہ سات راتوں تک۔ انشاء اللہ سات روز سے زیادہ نہوں گے کہ حال کھل جائے گا۔ اس عمل کے بارے میں حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ ہمارے اصحاب کا مجرب ہے۔

برائے تپ | جسکو بخار آتا ہو، ایک کاغذ میں ذیل کے کلمات لکھکر اسکے بازو پر باندھ دے، مریض انشاء اللہ بہت جلد اچھا ہو جائے گا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۃ بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ اِلٰی اُمِّ مِلْدَمٍ[3] الَّتِیْ تَاْکُلُ اللَّحْمَ وَتَشْرَبُ الدَّمَ وَتَھْشِمُ الْعَظْمَ اَمَّا بَعْدُ یَا اُمَّ مِلْدَمٍ اِنْ کُنْتِ مُؤْمِنَۃً فَبِحَقِّ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاِنْ کُنْتِ یَھُوْدِیَّۃً فَبِحَقِّ مُوْسٰی الْکَلِیْمِ عَلَیْہِ

---

[1] ترجمہ یہ ہے۔ خدا وندا مجھکو میرے خواب میں ایسا، ایسا (جسکے بارے میں یہ عمل کر رہا ہے اسکو بیان کرے ۱۲) دکھلا دے اور میرے اس حال میں کشادگی اور چھٹکارے کی صورت پیدا کر دے اور میرے خواب میں مجھکو وہ چیز دکھا دے جس سے میں اپنی دعا کے قبول ہونے کو معلوم کر لوں [2] بجائے کذا کذا کے جسکے بارے میں یہ عمل کر رہا ہو اسکو کہے [3] اُمِّ مِلْدَمْ لغت عرب میں تپ (بخار) کی کنیت ہے

السَّلَامُ وَإِنْ كُنْتِ نَصْرَانِيَةً فَبِحَقِّ الْمَسِيْحِ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ أَنْ لَا أَكَلْتِ لِفُلَانِ بْنِ فُلَانَةَ لَحْمًا وَلَا شَرِبْتِ لَهُ عَظْمًا وَتَحَوَّلِي عَنْهُ إِلَى مَنِ اتَّخَذَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَالْآفَاتُ بَرِيْئَةٌ مِّنَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاللّٰهُ تَعَالٰى بَرِيْئٌ مِّنْهُ وَحَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۝ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ ۝

برائے خنازیر اگر کسی کی گردن میں کنٹھ مالا ہو۔ تو ایک باریک چمڑا مریض کے قد کے برابر لے اور اس پر اکتالیس گرہ لگائے اور ہر گرہ پر یہ دعا پڑھ کر پھونکے اور پھر اس چمڑے کے گنڈے کو مریض کے گلے میں ڈال دے انشاء اللہ اس موذی مرض سے شفائے کامل نصیب ہو گی۔ دعا یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ أَعُوْذُ بِنُوْرِ اللّٰهِ وَقُدْرَةِ اللّٰهِ وَقُوَّةِ اللّٰهِ وَعَظَمَةِ اللّٰهِ وَبُرْهَانِ اللّٰهِ وَسُلْطَانِ اللّٰهِ وَكَنَفِ اللّٰهِ وَجَوَارِ اللّٰهِ وَأَمَانِ اللّٰهِ وَحِرْزِ اللّٰهِ وَصُنْعِ اللّٰهِ وَكِبْرِيَاءِ اللّٰهِ وَنَظَرِ اللّٰهِ وَبَهَاءِ اللّٰهِ وَجَمَالِ اللّٰهِ وَكَمَالِ اللّٰهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُهٗ ۝

---

[۱] فلاں۔ کی بجائے مریض کا نام فلانۃ، کی جگہ اسکی ماں کا نام لکھنا چاہیئے۔ ۱۲

برائے مادہ سُرخ اگر کسی کے بدن پر سرخ مادہ ظاہر ہو تو سات بار ذیل کی دعائیں پڑھے اور پڑھنے کے وقت چھری سے اشارہ کرتا جائے انشاء اللہ شفا ہوگی دعا یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ۝ اَللّٰہِ بِسْمِ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ الْحَکِیْمِ الْکَرِیْمِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اللّٰہِ الْعِزَّۃِ وَقُدْرَتِہٖ وَسُلْطَانِہٖ اَیَّتُھَا الْحُمْرَۃُ جَاءَتْكِ جُنُوْدٌ مِّنَ السَّمَاءِ وَقَالَ سُلَیْمٰنُ اَیَّتُھَا الرِّیْحُ اَجِیْبِیْ دَاعِیَ اللّٰہِ وَمَنْ لَّمْ یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰہِ فَمَالَہٗ مِنْ مُّلْجَاءٍ وَّمَالَہٗ مِنْ ظَھِیْرٍ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ وَبِالثَّنَاءِ الطَّیِّبِ عَلَی اللّٰہِ اَللّٰہُ یَکْفِیْكَ مِنْ کُلِّ دَاءٍ یُّؤْذِیْكَ وَمِنْ کُلِّ اٰفَۃٍ تَعْتَرِیْكَ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا بِرَحْمَتِكَ یَااَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ۝

برائے ضعف بصر جس کی بینائی کمزور ہو گئی ہو وہ ہر فرض نماز کے بعد یہ آیت پڑھا کرے انشاء اللہ اسکی بینائی قوی ہو جائے گی۔

فَکَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ ۝

برائے صرع اگر کوئی مرگی کی بیماری میں مبتلا ہو تو تانبے کی ایک تختی لیکر یکشنبہ کے دن پہلی ساعت میں اس میں ایک جانب یہ کھدوائے۔ یَامُذِلَّ کُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ بِقَھْرِ عَزِیْزِ سُلْطَانِہٖ

یَامُذِلُّ ۔اور دوسری طرف یَا قَہَّارُ اَنْتَ الَّذِیْ لَایُطَاقُ اِنْتِقَامُہٗ یَاقَہَّارُ ٥ اور اس تختی کو مریض کے گلے میں لٹکا دے انشاءاللہ مرگی دفع ہو جائے گی۔

برائے خفقان جس کسی کو دل کی گھبراہٹ کا مرض ہو۔اس کے لئے ایک ہزار بار یَا حَمِیْدُ پڑھنا مفید ہے۔ خواہ ایک جگہ بیٹھ کر پڑھے خواہ متفرق طور پہ پانچوں نمازوں کے بعد پڑھے

رد بدعت

حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے زمانہ میں صوفیائے خام، اور زمانہ ساز علماء دین کے نام پر بدعات کو فروغ دے رہے تھے جھوپڑوں سے لیکر محلات شاہی تک خلاف شرع رسوم رائج تھیں۔ ایسی صورت میں ان کے خلاف آواز اٹھانا نہایت مشکل امر تھا لیکن آپ نے بڑی جرأت وہمت سے بدعات کے قلع قمع کرنے کی کوشش فرمائی آپ کے خیال میں دین کے اندر بدعات اور نئے امور کا پیدا ہوجانا عقل وقیاس سے بعید بات نہیں بلکہ ان کی مثال بالکل اس طرح سے ہے کہ کسان بیج بوتا ہے اور پھر اس میں پانی اور کھاد وغیرہ ڈالتا ہے اس سے اس کا مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ بویا ہوا بیج اگے لیکن ہوتا یہ ہے کہ اسکے مقصود اور مطلوب کے ساتھ کچھ پودے گھاس، پھوس اگ آتے ہیں جو خود رو ہوتے ہیں، ان سے فائدہ پہونچنے کے بجائے کھیتی کو نقصان پہونچتا ہے، ایسے وقت میں کسان پر ضروری ہوتا ہے کہ اپنی کھیتی کو نقصان سے بچانے کے لئے ان خود رو پودوں سے کھیتی کو پاک وصاف کرے۔

ٹھیک اسی طرح سے دین میں بھی ایسی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں جو مقصود

اور مطلوب سے سوا ہوتی ہیں ان کو ختم کرنا اور مٹانا ایسا ہی ضروری ہوتا ہے جیسا کہ ان خود رو پودوں کا کاٹنا۔ ورنہ وہ باتیں دین و ایمان میں نقص کا باعث ہوں گی۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔

ان ہٰؤلاء المتصوفۃ الضالۃ المضلۃ فی زماننا ہذا اشہد للّٰہ باللّٰہ علیہم انہم فرقۃ نابتۃ فی الاسلام لیست من اصل الاسلام کما ان الزارع یزرع المحبوب الغاویۃ ثم یسقیہ الماء فینبت من غزارۃ الماء وسہولۃ الارض الزاع من الکلأ والعشب لایتم امر الزارع الا بقطعہا وآثالہا۔[ا]	میں بخدا یہ کہتا ہوں کہ ہمارے زمانے کے گمراہ اور گمراہ کن متصوفین کا گروہ اسلام میں خودرو گروہ ہے۔ اصل اسلام سے اسکا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کسان غلہ بوتا ہے پھر پانی ڈالتا ہے تو پانی کی نمی سے اور زمین کی نرمی سے قسم قسم کی گھاس پھوس اگ آتی ہے۔ ایسی صورت میں بغیر ان کو کاٹے اور ختم کئے کسان کا کام ناتمام رہتا ہے۔

بدعت کی حقیقت | ایک جگہ بدعت کی حقیقت کو یوں بیان فرماتے ہیں

والبدعات امور کانت من تحاریف الناس بعد الانبیاء احسبوھا عبادۃ او اتخذوھا عادۃ مسلوکۃ[۲]	بدعات ایسے امور ہیں جنکو لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کے بعد تحریف کر ڈالا اور انھیں کار ثواب سمجھ لیا یا ان کے

[ا] تفہیمات ص ۲۵/۲ [۲] تفہیمات ص ۶۴/۲

عادی ہو گئے۔

اپنے بزرگوں اور مشائخ کی پیروی کرنا امر محمود ہے لیکن حد شرع سے تجاوز نہ ہو۔ اگر اتباع مشائخ میں اللہ پاک کی خلاف ورزی ہو۔ یا ان کی اتنی تعظیم کرنا جو حد جواز سے گذر کر ہو مثلاً ان کی قبروں اور مزاروں کو سجدہ گاہ بنالینا یہ سب امور ان تحریفات اور بدعات میں سے ہیں جن کا ارتکاب یہود و نصاریٰ نے کیا تھا۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرا بشبر و ذراعاً بذراع حتیٰ لو دخلوا جحر ضب لتبعتموہم قلنا یا رسول اللہ الیہود والنصاریٰ قال فمن اخرجہ البخاری ومسلم۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم اپنے سے پہلے لوگوں کے قدم بقدم چلو گے حتیٰ کہ اگر وہ (بالفرض) گوہ کے سوراخ میں داخل ہوئے ہوں گے تو اس میں بھی تم ان کی پیروی کرو گے جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ پہلوں سے کیا یہود ونصاریٰ مراد ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ پھر اور کون؟

اس حدیث پاک کو نقل کرنیکے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

صدق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقد رأینا رجالا من ضعیفی المسلمین یتخذون

بالکل سچ فرمایا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بیشک ہمنے بہت سے

الصلحاء اربابا من دون اللہ ویجعلون قبورہم مساجد کما کان الیہود والنصاریٰ یفعلون ذالک ۱؎

ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کو دیکھا ہے جنھوں نے اللہ کے علاوہ صالحین کو ربی رساں اور پرورش کرنیوالا بنالیا ہے اور ان کی قبروں کو سجدہ گاہ ۔ ٹھیک اسی طرح سے یہود و نصاریٰ نے کیا تھا۔

عظیم ترین بدعت

حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے نزدیک عظیم ترین بدعت یہ ہے کہ لوگ قبروں کو عبادت کی جگہ بنالیں وہاں کھیل تماشہ کو رواج دیدیں نیز عبادات مقررہ کو چھوڑ کر بزرگوں اور مشائخ کے بتائے ہوئے اوراد وظائف میں وقت صرف کرنے لگیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔

ومن اعظم البدع ما اخترعوہٗ فی امر القبور واتخذوھا عیدا۔ وفی العبادات الموقتۃ اوراد اورادا لمشائخ ۲؎

اور عظیم ترین بدعات میں سے ایک وہ بھی ہے جو قبروں کے سلسلہ میں لوگوں نے ایجاد کر رکھی ہے اور انکو تماشا گاہ بنالیا ہے نیز یہ بھی عظیم ترین بدعت ہے کہ عبادات کے مقررہ اوقات کی جگہ کو پیروں کے وظائف نے گھیر لیا ہے۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے زمانہ میں جاہل صوفیاء کا ایک ایسا گروہ تھا جسکے طرز عمل سے امت کے ایک خاص طبقہ میں قوت عمل، احترام

۱؎ تفہیمات ص ۱۳۴/۲ ۲؎ تفہیمات ص ۲۳۶/۲

شرع مفقود ہو رہا تھا۔ کیونکہ یہ گمراہ مقتدا اپنے مریدوں کو اس بات کا یقین دلایا کرتے تھے کہ نیک لوگ اللہ کے لئے ہیں اور برے لوگ ہمارے لئے ہیں یعنی گنہگار اور برے لوگوں کو ہم بخشوائیں گے اور ان کی شفاعت کریں گے حضرت شاہ صاحب نے بتایا کہ یہ خیال باطل ہے اور دین میں اس طرزِ فکر کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ ایسا خیال کرنا تحریف فی الدین میں داخل ہے۔

فرماتے ہیں۔

وقد رائینا رجالاً منہم یحرفون الکلم عن مواضعہ یقولون الصالحون للّٰہ والطالحون لی کما قال الذین من قبلہم لن تمسنا النار الا ایاماً معدودۃ[1]	ہم نے کچھ لوگوں کو دیکھا ہے جو باتوں کو ان کے محل سے بدلتے ہیں کہتے ہیں کہ صالح لوگ تو اللہ کے لئے ہیں اور برے لوگ ہمارے لئے ہیں یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں (یہودیوں) نے کہا تھا کہ ہرگز نہ چھوے گی ہم کو آگ مگر معدودے چند روز۔

تحریف کے اس مہلک مرض میں معقولی اور شعراء، اصحاب ثروت اور عام مسلمان سبھی گرفتار تھے حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ متنبہ فرماتے ہیں۔

اما اصحاب المعقول والشعراء واصحاب الثروۃ من الناس والعامۃ الذین	معقولی، شعراء اور امراء اور عام مسلمان طاغوتوں کی عبادت کرتے

---

[1] تفہیمات ص ۳۹ / ۲ج

یعبدون الطواغیت ویتخذون قبور الصلحاء مساجد او عیدا الیٰ این یذکر ماہم من الغوایۃ لہ ہیں۔ اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ اور کھیل تماشہ کی جگہ بناتے ہیں، کہاں تک ان کی گمراہی کا ذکر کیا جائے۔

یہ مرض اتنا عام ہوچکا تھا کہ کوئی طبقہ اس سے محفوظ نہ تھا۔

وان سألت الحق فقد فشی التحریف فی کل طائفۃ۔ اگر سچ پوچھو تو ہر گروہ اور ہر طبقہ میں تحریف کا یہ مرض عام ہوگیا ہے

عاشورار کی بدعات

عاشورار کا دن اسلامی شریعت میں نہایت برکت اور فضیلت والا ہے لیکن لوگ اسکی حقیقت کو فراموش کرکے طرح طرح کی خرافات میں مبتلا ہوگئے تھے انھوں نے اس دن کو غم اور ماتم کے لئے مخصوص کرلیا تھا۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ ان باطل خیالات سے دین میں تغیر پیدا ہوجاتا ہے۔

یا معشر بنی آدم اتخذتم رسوماً فاسدۃ تغیر الدین۔ اجتمعتم یوم عاشورار فی الاباطیل۔ فقوم اتخذہ ماتماً اما تعلمون ان الایام، ایام اللہ والحوادث من مشیۃ اللہ۔ وان کان الحسین رضی اللہ عنہ قتل فی ہذا الیوم فای یوم لم یمت فیہ محبوب من المحبوبین۔ وقوم اے لوگو تم نے ایسی فاسد رسومات گڑھ لی ہیں کہ ان سے دین کی شکل و صورت ہی بدل گئی ہے تم یوم عاشورار کو باطل چیزوں میں جمع ہوتے ہو ایک گروہ نے تو اسے ماتم کا دن بنا رکھا ہے کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ سارے دن اللہ ہی کے بنائے ہوئے ہیں۔ اور

لہ تفہیمات ص ۱۳۵ ج ۱

اتخذه لعبا بجراہم وسلاحہم وقوم اتخذه نسکا[۱]

ساری باتیں اسی کی مشیت سے ہوتی ہیں یہ صحیح ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس روز شہید ہوئے تو آخر کون سا ایسا دن ہے جس میں اللہ کا کوئی محبوب فوت نہ ہوا ہو اور ایک گروہ نے اسے اپنے ہتھیاروں سے کھیلنے کا دن بنا لیا ہے اور ایک گروہ نے اسے عبادت کیلئے خاص کر لیا ہے۔

شب برأت کی بدعات

شب برأت کی فضیلت، اس میں عبادت کا ثواب مسلم ہے لیکن لہو لعب کھیل تماشہ، نیز مردہ لوگوں کے لئے اس رات کو مخصوص طور پر کھانا پکانا اور پھر اسکو ضروری تصور کرنا یہ سب چیزیں بھی حضرت شاہ صاحب رسوم فاسدہ کے تحت میں شمار کرتے ہیں۔

چنانچہ فرماتے ہیں۔

اف بصنیعکم۔ اجتمعتم یوم البرأت بلعب قوم

تف ہے تمہاری حرکت پر تم نے برأت کے دن ایک خاص قوم (مجوسی) کے کھیل تماشہ پر اجتماع کر لیا ہے (یعنی آتشبازی وغیرہ میں مشغول ہوتے ہو۔

ویزعم قوم انہ یجب اکثار الاطعمة

اور ایک گروہ نے تو یہ باطل خیال

۱؎ تفہیمات ص۲۱ ج۲

للموتی قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین[1]

باندھ لیا ہے کہ اس روز مردوں کے لئے کھانوں میں کثرت کرنا واجب ہے ان سے کہو، اپنی دلیل پیش کریں اگر سچے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے زمانہ میں پیر پرستی کی وبا اتنی زیادہ پھیل چکی تھی کہ لوگ بزرگوں کی قبروں پر جاکر حاجت روائی کی التماس کرتے تھے۔ ان کا عقیدہ ہوتا تھا کہ یہی مشکل کو حل کرتے ہیں آپ نے جس مجدّدانہ انداز میں اسکی تردید فرمائی اس کے سننے کے لیئے آج بھی غیر معمولی تحمل درکار ہے۔ فرماتے ہیں۔

کل من ذہب الی بلدۃ اجمیر او علی قبر سید سالار مسعود او ماضاھاھا لاجل حاجۃ یطلبھا فانہ اثم اثما اکبر من القتل والزنا الیس مثلہ الا مثل ماکان یعبد المصنوعات او مثل من کان یدعوا للات والعزیٰ الا انا لانصرح بالتکفیر لعدم النص من الشارع فی ہذا الامر المخصوص[2]۔

جو شخص اجمیر یا سید سالار مسعود کی قبر یا ان کے شل کسی اور جگہ حاجت روائی کے لئے گیا تو اسنے گویا ایسا گناہ کیا جو قتل اور زنا سے بھی عظیم ترین ہے کیا اسکی مثال ٹھیک اس جیسی نہیں ہے جو بتوں کی عبادت کرتا ہے یا پھر مثل اس شخص کے نہیں ہے جو لات اور عزیٰ کو پکارتا ہے۔ لیکن ہم ایسے شخص کے کفر کی تصریح نہیں کرتے کیونکہ شارع

---

[1] تفہیمات [2] تفہیمات ص ۴۵/۲

کی کوئی نص صریح اس مخصوص امر میں
موجود نہیں ہے۔

اتباع شیخ، مرید کے لئے ضروری ہے لیکن حدود شرع کے اندر، اندر اگر پیر اپنے مرید کو خلاف شرع امر کرنے کو کہے تو مرید کو چاہیئے کہ اسکی انجام دہی سے صاف لفظوں میں انکار کردے۔ البتہ اتنی گنجائش پھر بھی ہے کہ اپنے شیخ کو برا بھلا کہنے سے باز رہے کیونکہ ممکن ہے کہ پیر نے وہ حکم کسی مصلحت کیوجہ سے دیا ہو۔ اور بظاہر مرید کی سمجھ سے بالاتر ہو۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

اذا امر عارف رجلا مریدا ان یشتری الخمر وغیر ذالک مالم یبحہ الشارع کما وقع لشمس الدین التبریزی مع مولانا الرومی فینبغی للما موران لا یفعلہ و لیعتذر عذرا بینا ولا یشتمہ ولا یسبہ فلعل تحت ذالک طائلا غلا فالاکثر الصوفیہ

اگر کوئی عارف کسی مرید کو شراب کے خریدنے کا حکم کرے یا اسکے علاوہ کسی ایسی چیز کا امر کرے جسکو شارع نے مباح نہیں کیا ہے، جیسا کہ شمس الدین تبریزیؒ کا واقعہ مولانا رومیؒ کے ساتھ پیش آیا تو مرید کو چاہیئے کہ ایسے حکم کو بجا نہ لائے اور صاف لفظوں میں معذوری ظاہر کردے۔ ہاں اس عارف کو برا بھلا نہ کہے۔ ہوسکتا ہے اس حکم کے تحت کوئی مصلحت ہو۔ اکثر صوفیا اسمیں خلاف کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسے شخص کو برابھلا

کہنے میں کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ فوائد ہیں "

بدعات کی اکثر صورتیں شرک تک پہونچا دیتی ہیں حضرت شاہ صاحب نے شرک کو متعدد قسموں پر تقسیم فرمایا ہے پھر ہر ایک قسم کی جدا جدا حقیقت بیان فرمائی۔

شرک فی العبادۃ

امراض قلب میں شرک فی العبادۃ بدترین اور مہلک ترین مرض ہے جب یہ مرض پیدا ہو جاتا ہے تو دین و ایمان رخصت ہو جاتا ہے۔ یہ مرض ہندوستان کے مسلمانوں میں ہندوؤں کی دیکھا دیکھی پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

حدہٗ تعظیم لغیر اللہ یقصد بہ الزلفیٰ من اللہ تعالیٰ او النجاۃ فی الدار الآخرۃ ومن اعظم الامراض فی زماننا ہٰذا عبادتہم لشیوخہم احیاءً ولقبورہم امواتاً۔ والجہلۃ یقتدون بکفرۃ الہند فی عبادتہم اصنامہم فی فعالہم[1]

شرک فی العبادۃ یہ ہے کہ غیر اللہ کی تعظیم اس مقصد سے کیجائے کہ اللہ کا قرب یا آخرت میں نجات حاصل ہوگی۔ اور ہمارے زمانے میں عظیم ترین مرض یہ ہے کہ اپنے زندہ مشائخ کی عبادت کرتے ہیں اور جب، وہ وفات پا جاتے ہیں تو ان کی قبروں کی پوجا کرتے ہیں اور جاہل لوگ ہندوستان کے کفار کی اقتدا کرتے ہیں یعنی جس طرح وہ اپنے

---

[1] تفہیمات ص ۶۳ ج ۲

اصنام کی پوجا کرتے ہیں اسی طرح سے
یہ قبروں کی۔

شرک فی الاستعانت

شرک فی الاستعانت بھی انھیں گناہوں میں سے ایک ہے جو ایمان کے لئے سم قاتل ثابت ہوتے ہیں۔

فحدہٗ ان یطلب من احد حاجتہ عالما بان فیہ قدرۃ انجاجہا من صرف الارادۃ النافذۃ کالشفاء فی المرض والاحیاء والاماتۃ والرزق وخلق الولد وغیرہا مما تیضمنہ اسماء اللہ تعالیٰ[۱]

شرک فی الاستعانت یہ ہے کہ آدمی کسی سے اپنی حاجت روائی کا مطالبہ کرے اور یہ سمجھے کہ اسکو مقدرات کے ٹالنے کی قدرت ہے مثلاً مرض میں شفا دینا، زندہ کرنا، مارنا، رزق دینا، بچہ پیدا کرنا وغیرہ ان صفات کا قائل ہونا جنکو اسماء اللہ متضمن ہیں۔

شرک فی الدعاء

اسی طرح سے شرک فی الدعا بھی نہایت مہلک مرض ہے حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے زمانہ میں اسکا رواج عام ہو چکا تھا۔ موجودہ دور میں بھی اس کی مثالیں عام ہیں۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

فحدہٗ ان یذکر غیر اللہ عالما بان فعلہٗ ذالک نافع لہٗ فی معادہ او قربتہ

شرک فی الدعا یہ ہے کہ آدمی غیر اللہ کو یہ سمجھکر یاد کرے کہ اس کا یہ فعل

---

[۱] تفہیمات صفحہ ۶۴ ج ۲

الی اللہ تعالےٰ کمایذکرون شیوخہم اذا اصبحوا[1]

آخرت میں نفع بخش ہوگا۔ یا اس کا یہ عمل قربت الی اللہ ہوگا جیسے کہ (جاہل) لوگ صبح بیدار ہوکر اپنے پیروں کو یاد کرتے ہیں۔ (جیسے یا خواجہ یا وارث وغیرہ)

شرک فی الذبح

جانور کو غیر اللہ کے نام پر چھوڑنا یا اسکو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔ اور یہ عقیدہ ہوکہ اگر یہ جانور فلاں پیر، فقیر کے نام ذبح نہ کیا گیا تو حاجت روائی نہ ہوگی یہ باطل عقیدہ ہے ایام جاہلیت میں اس قسم کے عقائد کا بڑا رواج ہو چکا تھا۔ اسلام نے سختی سے اسکی تردید کی۔ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کے زمانہ میں جہاں اور بہت سی مشرکانہ بدعات چل نکلی تھیں وہیں جانوروں کو کسی شکل میں، پیروں، فقیروں کے نام پر ذبح کرنیکو کار ثواب اور حل مشکلات کا ضامن سمجھتے تھے۔ آپ نے اسکو شرک کے اقسام میں شمار فرمایا ہے۔

نحرہ ان یذبح اولیسیب حیوانا لاحد بحیث ان لم یذبح ہذا الحیوان لم یکشف الحاجۃ التی فی صدرہ[2]

شرک فی الذبح یہ ہے کہ کسی کے نام پر چھوڑا جائے یا اسے ذبح کیا جائے اس عقیدے کے ساتھ کہ اگر اسے ذبح نہ کیا جائیگا تو اس کی مراد پوری نہ ہوگی۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ اجتناب بدعت اور اتباع سنت پر بڑا زور دیا کرتے تھے اپنے ایک مرید اور شاگرد خاص کو خلافت اور اجازت درس

---

[1] تفہیمات ص ۶۴ ج ۲

[2] تفہیمات ص ۶۴ ج ۲

عطا فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

واشترط علیہ الحرص علی السنۃ و الاجتناب عن البدعۃ فان وفی الشرط فذالک ظنی بہ وان نکث فسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون لہ

اور میں حرص علی السنۃ اور اجتناب عن البدعۃ کو (اجازت نامے کیلئے) شرط قرار دیتا ہوں، اگر انھوں نے شرط پوری کی تو ان کے متعلق میرا یہی گمان ہے اور اگر شرط کو پورا نہ کیا تو عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا جنھوں نے ظلم کیا ہے کہ ان کو کیسی جگہ لوٹ کر جانا ہے۔

لہ تفہیمات ص ۲۳۹ ج ۲

ردشیعیت

مغلیہ حکومت کا دوبارہ قیام، دراصل ایران کے صفوی خاندان کا رہینِ منت تھا۔ ہمایوں کو جب شیرشاہ سوری نے شکست دی تو اس نے ایران میں عباس صفوی کے پاس جاکر پناہ لی۔

عباس صفوی اور اس کا باپ اسماعیل اور دادا حیدر یہ سب نہایت متعصب قسم کے شیعہ تھے۔

اسماعیل اور حیدر اگرچہ سید زادے تھے اور شیخ بہاء الدین اردبیلیؒ کی اولاد سے تھے لیکن انھوں نے اپنا مذہب تبدیل کرکے شیعیت اختیار کرلی تھی۔ چنانچہ مورخین نے لکھا ہے کہ

مذہب اثنا عشری در ایران از وقت سلطان اسماعیل صفوی جا بجا رواج و رونق پذیرفت [۱]	ایران میں اثنا عشری مذہب سلطان اسماعیل صفوی کے وقت سے جابجا رائج اور رونق پذیر ہوا۔

ایران کی سرحدیں اگر ایک جانب ہندوستان اور افغانستان سے ملتی تھیں جہاں سنی اقتدار قائم تھا تو دوسری طرف ترکی سے ملتی تھیں جو

[۱] عماد السعادۃ ص۱۰۱

خلافت عثمانیہ کا مرکز تھا۔ چنانچہ آئے دن ترکی سے سرحدی جھڑپیں ہوا کرتی تھیں جن میں کبھی ترکیوں کو کامیابی ہوتی تھی تو کبھی ایرانیوں کو۔ زیادہ تران جھڑپوں کا سبب اختلاف مذہب ہی ہوا کرتا تھا۔

ظاہر ہے کہ ان حالات میں ایران کو ہندوستان کی جانب سے مزید خطرہ مول لینا۔ کسی طرح مناسب نہ تھا۔

ہمایوں جب دوبارہ ہندوستان کا رخ کرتا ہے تو ایک جانب اگر اس کی گردن ایرانی مراحم خسروانہ سے جھکی ہوئی تھی تو دوسری جانب اس کے ساتھ رفض و تشیع کے مہلک جراثیم بھی ہندوستان آتے ہیں۔

اب ہمایوں کے واسطے ہندوستان پر حکومت کرنے کے لئے بس ایک یہی صورت تھی کہ وہ یہاں کے ہندوؤں اور ایران کی شیعہ حکومت سے ملکر اپنی طاقت بڑھائے اور اپنے اقتدار کی بنیادوں کو مستحکم کرے لیکن اتفاق سے اسے زیادہ دنوں حکومت کرنے کا موقع ہی فراہم نہوا اور اسنے داعیِ اجل کو لبیک کہا۔

ہمایوں کے بعد اکبر جب تخت شاہی کا وارث ہوتا ہے۔ تو دیکھا جاتا ہے کہ اسکے دربار میں شیعہ امراء کو ایک مقام خاص حاصل ہے۔ جس کے نتیجہ میں یہاں شیعوں کا اقتدار قائم ہو جاتا ہے۔

جہانگیر اپنے آخری زمانہ میں اگرچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا عقیدتمند ہو جاتا ہے مگر اسکے عہد حکومت کے ابتدائی بیس سال ایسے گزرتے ہیں جن میں حکومت کی باگ ڈور گویا شیعوں کے ہاتھوں میں تھی۔ اس کے دور

حکومت میں اگر مرزا غیاث الدین وزیر اعظم اور اس کا بیٹا آصف خاں وکیل مطلق نظر آتا ہے تو اس کی بیٹی نورجہاں بیگم سیاہ و سفید کی مالک دکھائی دیتی ہے۔
خود جہانگیر لکھتا ہے۔

دولت و بادشاہی من حالا در دست ایں سلسلہ است پدر دیوان کل پسر وکیل مطلق۔ دختر ہمراز و مصاحب[۱]	یعنی میری حکومت اور بادشاہی اس وقت اس سلسلہ کے ہاتھ ہے باپ (مرزا غیاث الدین) دیوان کل بیٹا (آصف خاں) وکیل مطلق اور بیٹی نورجہاں ہمراز و مصاحب۔

بقول حضرت امام اہلسنت مولانا عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ "جب نورجہاں تخت و تاج کی مالک ہو اور مرزا غیاث الدین وزیر اعظم، تو پھر شیعوں کا بول بالا کیوں نہو۔ اس شیعہ گردی کا ادنیٰ کرشمہ یہ تھا کہ نور اللہ شوشتری جیسا بیباک شیعہ سلطنت کا قاضی القضاۃ بنایا گیا"

نورجہاں بیگم کا جادو، جہانگیر پر ایسا چلا کہ وہ برائے نام بادشاہ تھا۔ چنانچہ جہانگیر کے بخشی، معتمد خاں۔ کا بیان ہے کہ

رفتہ رفتہ کار بجائے کشید کہ از بادشاہی بجز نامے نماند	رفتہ رفتہ معاملہ یہانتک پہونچ گیا کہ بادشاہت کا صرف نام باقی رہ گیا۔
مکرر می فرمودند کہ من سلطنت را بنورجہاں بیگم ارزانی داشتم بجز یک سیر	بار بار فرمایا کرتے تھے کہ میں نے سلطنت نورجہاں بیگم کو بخشدی ایک سیر شراب

---
۱ تزک جہانگیری۔

شراب ونیم سیر گوشت مرا بس درنخی   اور آدھ سیر گوشت کے سوا مجھے اور
باید لہ   کچھ نہ چاہیئے۔

لیکن جہانگیر نے اپنے آخری ایام میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے عقیدتمندوں میں داخل ہوکر شراب وکباب کی زندگی سے توبہ کی۔

اسکے بعد اس کا بیٹا شاہزادہ خرم (شاہجہاں) اور پوتا محی الدین اورنگ زیب دونوں چونکہ سلسلہ مجددی سے منسلک تھے اس لئے ان کے زمانہ میں شیعوں کو پہلے جیسا عروج نہ حاصل ہوسکا۔

لیکن تاریخ کا یہ مسئلہ نہایت حیران کن ہے کہ اورنگ زیب جیسے خالص مذہبی اور صحیح العقیدہ سنی کے بعد جب اس کا بیٹا تخت شاہی پر رونق افروز ہوتا ہے تو اپنے مذہب سنی کو تبدیل کرکے کھلم کھلا تشیع کا اعلان کرتا ہے۔ اس کی توجیہ سوائے اس کے اور کیا ہوسکتی ہے کہ اورنگ زیب کے رعب وجلال کیوجہ سے اگرچہ شیعیت کو کھلے بندوں وہ فروغ نہ حاصل ہوسکا جو ہمایوں، اکبر اور جہانگیر کے زمانے میں حاصل تھا لیکن پوشیدہ طور پر روافض اپنے کام سے غافل نہ ہوئے تھے حتیٰ کہ خود اورنگ زیب کی اولاد بھی ان کے دام تزویر سے محفوظ نہ تھی۔

۱۱۲۲ھ میں بہادر شاہ اول نے جب رفض کا اعلان کیا اور اپنے قیام لاہور کے زمانہ میں وہاں کی جامع مسجد کے خطیب کو حکم دیا کہ وہ شیعوں کی طرح خطبہ میں، علی وصی رسول اللہ، ولی رسول اللہ، کا اضافہ کرے۔ بیچارہ

لہ شاہ ولی اللہ اور شیعیت از مولانا محمد میاں صاحب ۱۲

خطیب رضامند ہوگیا لیکن قبل اس کے کہ وہ حکم شاہی کی بجا آوری کر سکے مجمع نے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔

اسی طرح احمد آباد میں بھی جامع مسجد کے خطیب کو طوعاً وکرہاً آمادہ کیا گیا مگر وہاں بھی خود دار سینوں نے اسکو برداشت نہ کیا اور خطیب کو قتل کر دیا۔ اور پھر علمائے ربانی کے لئے قید و بند کا ایک لا متناہی سلسلہ کا آغاز ہوا۔

حنفی اور سنی العقیدہ مسلمانوں کو جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑا ان کا اندازہ طباطبائی کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے کہ

اعاظم مذہب حنفی دعوتہا وختمہا برائے دفع بہادر شاہ واستمد اواز ہر برو فاجر ومسلم وکافری نمودند۔

یعنی مذہب حنفی کے بڑے بڑے لوگ بہادر شاہ اول کو دفع کرنیکے لئے ختم وغیرہ کرتے تھے اور اس سلسلہ میں ہر نیک و بد مسلم و کافر سے امداد کے طالب ہوتے تھے۔

وبہادر شاہ بدستور اصرار بریں کار داشتہ وترویج وتقویت مذہب شیعہ میکوشید۔ ومدتہائے دراز درمباحثہ باعلما باز بودلہ

لیکن بہادر شاہ بدستور اپنے نظریات پر جما ہوا تھا۔ اور مذہب شیعہ کی تقویت اور ترویج میں کوشاں تھا۔ اور ایک مدت دراز تک اس نے علما اہلسنت سے مناظرہ اور مباحثہ کا دروازہ کھولے رکھا۔"

لہ سیر المتاخرین ص

بہادرشاہ اول کے بعد شاہ عالم، معزالدین جہاندار بالخصوص فرخ سیر کے زمانے میں تو شیعہ اقتدار کا آفتاب نصف النہار پر پہونچ گیا تھا۔ یہ وہ زمانہ ہے جبکہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی مذہبی اور علمی خدمات کا آغاز تھا۔ آپ کی عمر اس وقت تقریباً سولہ سال کی تھی۔

محمد شاہ (رنگیلا) کی تخت نشینی بھی سید برادران کی رہین منت تھی اس کے زمانہ میں نادر شاہ درانی (جو شیعہ تھا) کا قضیۂ ہائلہ بھی ملک کے بعض شیعہ امراء کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھا۔

پھر مرزا محمد مقیم صفدر جنگ کا پیاپے دلی پر حملہ آور ہونا اور اسکے بعد اس کے بیٹے شجاع الدولہ کا مرہٹوں اور انگریزوں سے سازباز کر کے روہیلو کی حکومت کو تباہ کرنا یہ سب وہ واقعات ہیں جنکے پیچھے شیعہ تعصب کارفرما تھا۔

اصلاح کی کوشش

حضرت شاہ صاحبؒ کے زمانہ میں رفض وتشیع کا مسئلہ غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا آپ نے شیعیت اور شیعوں کے مقابلے میں جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ درحقیقت آپ کے بعد اس سلسلہ میں جتنا کچھ بھی کام ہوا ہے یا ہو رہا ہے سب آپ ہی کی رہنمائی میں انجام پارہا ہے۔

آپ نے ایک طرف اہل سنت کی حمایت اور شیعیت کی تردید میں ایسا ستھرا لٹریچر تیار کیا جو نہایت مدلل اور پرتاثیر تھا۔ آپ کی کتاب ازالۃ الخفا اور قرۃ العینین کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شیعہ عقائد کے تارو پو بکھیر کر رکھدئے ہیں۔ آپ نے یہ عظیم سرمایہ اس زمانہ کی سرکاری زبان فارسی میں جمع فرمایا۔ تاکہ اس کی افادیت عام ہو۔

دوسری طرف آپ نے تعلیم وتربیت کے ذریعہ ایک ایسی جماعت تیار کردی جو آپ کے بعد آپ کے اصولوں کے مطابق اس خاص موضوع پر کام کرسکے۔

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیزؒ مولانا ثناء اللہ پانی پتیؒ اور ان کے تلامذہ میں مولانا حیدر علیؒ، شاہ محمد اسماعیلؒ وغیرہم نے جو کام کیا ہے وہ آپ ہی کا بلا واسطہ یا بالواسطہ فیض ہے۔

خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے معنی

ازالۃ الخفا میں آپ نے تحریر فرمایا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی مستقل الگ حیثیت نہیں ہے بلکہ ان کی شان بالکل ایسی ہے جیسی بانسری بجانے والے کے منہ میں بانسری کی۔ کہ بانسری کی اپنی آواز نہیں ہوتی، بجانے والا جس انداز پر اسے بجاتا ہے اس سے ویسی آواز پیدا ہوتی ہے یعنی حضرات شیخین حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہی کی صدائے مبارک پہونچاتے تھے اور فنا کے اس مقام پر فائز تھے جہاں اپنی ہستی بالکل کالعدم شمار ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی مرضی کو مرضی رسول، ان کی صدا کو صدائے رسول اور ان کی جدوجہد کو تتمۂ نبوت کہنا زیادہ درست ہوگا۔ خلافت علیٰ منہاج النبوت، اور خلافتِ رحمت کے یہی معنیٰ ہیں۔

نیز حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافت گو راشدہ ہی تھی مگر اس کی مثال آئینہ جیسی ہے کہ اگرچہ وہ، آفتاب سے نور حاصل کرتا ہے مگر اس کے عکس میں اسکی اپنی صورت کو بھی دخل ہے۔ گول آئینہ کا عکس گول ہوگا۔ مربع اور مثلث کا مربع یا مثلث ہوگا۔ اسی طرح سے اگر آئینہ میں کہیں خرابی ہوئی تو اس کا اثر اس کے عکس میں بھی ضرور ہوگا۔

آپ کی اصطلاح کے اعتبار سے حضرات شیخین کی خلافت راشدہ، خاصہ منتظمہ تھی اور حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی خلافت راشدہ مطلقہ تھی آپنے خلافتِ راشدہ خاصہ کے لوازم کو قرآنِ حکیم کی آیات سے ثابت کرنے

کے بعد ان کو حضرات شیخین پر منطبق فرمایا ہے۔
اسی طرح سے قرآن حکیم کے قصۂ طالوت سے نظیر پیش کی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ جب کسی قوم یا امت پر کفار کا غلبہ ہوتا ہے اور وہ تنزل و انحطاط کے آخری درجہ پر پہونچ جاتی ہے اور اسکے لئے ترقی کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں کیونکہ اس کے پاس کفار پر غلبہ حاصل کرنے اور ترقی کی جانب قدم بڑھانے کے لئے مناسب سامان موجود نہیں ہوتا تو اللہ پاک کسی ایسے بندے کو منتخب فرماتے ہیں جو سیادت و قیادت کی جملہ صلاحیتوں سے مالامال ہوتا ہے۔ وہ اپنی رہنمائی میں قوم کو غلبۂ کفار سے نجات دلاکر بام ترقی تک پہونچاتا ہے۔ اس شخص میں خاندانی فضیلت اور نسبی شرافت کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ اسکے سیاسی تدبر اس کی جنگی قابلیت اور اس کے تجربات وغیرہ کا لحاظ کیا جاتا ہے۔
آپ نے فرمایا کہ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ اگرچہ نسب کے اعتبار سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے برابر نہیں تھے لیکن نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت کے لئے جن امور کی ضرورت تھی وہ آپ میں باحسن وجوہ موجود تھے۔ لہذا آپ ہی اسکے زیادہ لائق تھے کہ حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے خلیفہ ہوں۔
آپ نے جہاں عقائد حقہ کا تذکرہ کیا ہے وہیں یہ بھی تحریر فرمادیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہٗ امام حق تھے۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ پھر حضرت علیؓ امام حق تھے

پھر ان حضرات کے بعد بادشاہت ہوگئی
فرماتے ہیں۔

والو بکر الصدیق امام حق بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہم ثم تمت الخلافۃ وبعدہٗ ملک عضوض [۱]	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد امام برحق تھے پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہم امام برحق تھے ان کے بعد خلافت ختم ہوگئی اور ان کی جگہ ملک عضوض نے لے لی۔

آپ نے ازالۃ الخفا میں متعدد آیتوں سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو ثابت فرمایا اور تحریر فرمایا کہ یہ خصوصیات انبیاء علیہم السلام کے علاوہ کسی اور میں نہیں پائی جاتیں۔ لیکن سارے صحابۂ کرام میں حضرت حضرات شیخین ہی ایسے ہیں جو ان خصوصیات کے اعتبار سے حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ لہذا حضرات شیخین ہی اس لائق تھے کہ حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ مقرر ہوں کیونکہ یہی مشابہت فضیلتِ کلیہ کا معیار ہے۔

آپ سارے صحابۂ کرام سے حضراتِ شیخین کو افضل ترین سمجھتے تھے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ انھیں ہر ہر وصف میں دیگر صحابہ پر فوقیت حاصل ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہوتا کہ ان کی ذات اسلام کے لئے زیادہ نفع بخش

---

[۱] تفہیمات ج ۱ ص ۱۴۰

تھی اور وہ اشاعتِ حق میں سارے صحابہ کرام سے عالی ہمت تھے۔
چنانچہ فرماتے ہیں۔

والبوبکر رضی اللہ عنہ افضل الناس بعد رسول اللہ ثم عمر ولانعنی الافضلیۃ من کل الوجوہ حتی لم النسب والشجاعۃ والقوۃ والعلم وامثالہا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں سب سے زیادہ افضل ہیں ان کے بعد حضرت عمرؓ ہیں۔ اور افضلیت سے ہماری مراد من کل الوجوہ افضلیت نہیں کہ نسب، بہادری، قوت اور علم وغیرہ کو عام ہو۔

بل ہی بمعنی عظم نفعہ فی الاسلام فامیر الملۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم ووزیراہ ابوبکر وعمر باعتبار الہمۃ البالغۃ فی اشاعۃ الحق [1]

بلکہ افضلیت اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ ان کی ذات سے اسلام کو نفع عظیم تھا پس ملت کے امیر تو حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ کے وزیر ابوبکر اور عمر تھے اس لحاظ سے کہ حق کی اشاعت میں وہ سب سے عالی ہمت تھے۔

ازالۃ الخفا میں آپ نے سو سے زائد آیات سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل اور مناقب ثابت فرمائے اور پھر اس کے بعد تحریر فرمایا کہ

[1] تفہیمات ج ۱ ص ۱۲۳

جس مقدس جماعت کی فضیلت پر قرآن حکیم میں سو سے زائد آیتیں نازل ہوئی ہوں بھلا اسکو کیونکر ضال و مضل کہا جا سکتا ہے۔

تفہیمات میں آپ نے عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ صحابۂ کرام کے بارے میں بجز خیر کے لب کشائی نہ کرنا چاہیئے۔ اہل حق کا یہی طریقہ ہے صحابہ کرام ہمارے دینی امام و مقتدا ہیں ان کو سب و شتم کرنا حرام ہے وہ ہمارے لئے واجب التعظیم ہیں۔

فرماتے ہیں۔

ونکف السنتنا عن ذکر الصحابۃ الا بخیر وہم ائمتنا وقادتنا فی الدین وسبہم حرام، تعظیمہم واجب[۱]	یعنی ہم صحابہ کرام کا صرف ذکر خیر ہی کریں۔ وہ ہمارے دینی امام اور مقتدا ہیں۔ ان کو سب و شتم کرنا حرام ہے اور ان کی تعظیم کرنی واجب ہے

آپ نے متعدد تحریروں میں بالخصوص وصیت نامہ میں ارشاد فرمایا کہ مشاجرات صحابہ میں پڑ کر اگر سب و شتم اور لعن طعن کا دروازہ کھولا گیا تو سلسلۂ روایت حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے منقطع ہو جائے گا اور پھر اس صورت میں دین کا جو حشر ہوگا وہ معلوم!

فرماتے ہیں۔

اما ما موریم بکف لسان از مساوی	لیکن ہمکو حکم ہے کہ ان کی برائی زبان

[۱] تفہیمات ج ۱ ص ۱۴۷

ایشان وممنوعیم از سب وطعن ایشاں
تعبداً برائے مصلحتے وآں مصلحت آں
است کہ اگر فتح باب جرح در ایشاں
شود روایت از حضرت پیغامبر صلے
اللہ علیہ وسلم منقطع گردد۔
ودر انقطاع روایت برہم شدن
ملت است۔
وچوں روایت از ہر صحابی برداشتہ
می شود اکثر احادیث مستفیض باشد
وتکلیف امت بحجتے قائم گردد جرح
بعض در ان نقل خلل نکند [۱]

پر نہ لائیں اور بے ادبی سے پیش نہ آئیں
اور اس میں ایک مصلحت ہے اور وہ یہ
کہ اگر ان پر جرح کرنے لگیں تو آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت منقطع
ہو جائے گی۔
اور جب آنحضرت سے روایت منقطع
ہو جائے گی تو دین خراب ہو جائیگا
اور جب روایت ہر صحابی سے لی
جائے گی تو اکثر حدیثیں مستفیض ہونگی
اور امت کیلئے حجت قائم ہوگی اور
اس صورت میں بعض کی جرح سے خلل
نہیں ہوگا۔

آپ نے تشیع اور رفض کے بارے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روحانی سوال کیا کہ حضرت! شیعہ اور رافضی اپنے آپ کو محب اہلبیت کہتے ہیں اور صحابۂ کرام کو برا بھلا بھی کہتے ہیں ان کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے آپ کو جواب ملا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور ان کے مذہب کا بطلان لفظ "امام" سے ظاہر ہوتا ہے

---

[۱] وصیت نامہ

چنانچہ فرماتے ہیں۔

سألتہ صلے اللہ علیہ وسلم سوالاً روحانیاً عن الشیعۃ فاوحیٰ الی ان مذہبہم باطل وبطلان مذہبہم یعرف من لفظ الامام

....

....

ولما افقت عرفت ان الامام عندہم ہو المعصوم المفترض طاعتہ، الموحی الیہ وحیا باطنیا وہذا ہو معنی النبی فمذہبہم یستلزم انکار ختم النبوۃ (قبحہم اللہ تعالیٰ)

میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے شیعہ کے بارے میں روحانی سوال کیا آنحضرت کی جانب سے اشارہ کیا گیا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور لفظ امام سے ان کے مذہب کا بطلان معلوم ہوتا ہے مجھے جب اس کیفیت سے افاقہ ہوا تو معلوم ہوا کہ شیعہ کے نزدیک امام وہ ہے جو معصوم اور مفترض الطاعۃ ہو، اسپر باطنی وحی آتی ہو یہی معنی نبی ہونے کا ہے تو ان کا مذہب دراصل ختم نبوت کے انکار کو مستلزم ہے (اللہ انھیں ذلیل وخوار کرے)

غرضکہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تشیع اور رفض کے غلط عقائد کا رد نہایت موثر اور سادہ عبارت میں فرمایا۔ دہلی میں شیعہ اقتدار کی وجہ سے آپکو اس سلسلہ میں بڑی تکالیف اور مصائب سے دوچار ہونا پڑا لیکن آپ نے انکو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ اور پائے ثبات میں ذرہ برابر لغزش نہ ہونے دی۔ ارواح ثلثہ میں حضرت امیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت منقول ہے کہ "دہلی میں مرزا نجف خان کا تسلط تھا وہ شیعہ تھا۔ آپ کی ان کوششوں کو دیکھکر اس نے آپ کے پہونچے اتروا دیے تاکہ آپ کوئی کتاب نہ لکھ سکیں" الخ

یہ روایت تاریخی حیثیت سے غور طلب ہے کیونکہ مرزا نجف خاں پہلی بار مغل بادشاہ شاہِ عالم کے ساتھ ۱۷۷۲ء میں دہلی آتا ہے اس اعتبار سے دہلی میں اس کا اقتدار اس تاریخ کے بعد شروع ہوتا ہے اور عجیب اتفاق ہے کہ اس سے پورے دس سال قبل ۱۷۶۲ء میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کا وصال ہوجاتا ہے۔ شائد اسی وجہ سے حضرت شاہ صاحب کے زمانے کے کسی تاریخ نگار نے اور بعد کے عام مورخین نے اس قسم کی کوئی روایت نقل نہیں کی ہے۔

عہد ولی اللّٰہی کا سیاسی ماحول

حکیم الہند حضرت شاہ صاحبؒ کا تقریباً اکسٹھ سالہ دور حیات سیاسی اعتبار سے بڑا پرآشوب اور ہنگامہ خیز تھا آپ نے دس سلاطین کا عہد جہانبانی اپنی آنکھوں سے دیکھا آپ کی پیدائش عہد عالمگیرؒ میں ہوئی۔ آپ کی عمر چار سال کی تھی کہ سلطان اورنگ زیب عالمگیر کا انتقال ہوگیا ان کے بعد ان کا لڑکا بہادر شاہ اول تخت حکومت کا مالک ہوا پھر یکے بعد دیگرے معزالدین جہاندار شاہ، فرخ سیر، رفیع الدرجات، رفیع الدولہ، محمد شاہ، عالمگیر ثانی، اور شاہ عالم ثانی، تخت حکومت کے وارث ہوئے۔

ان سلاطین کے زمانہ میں ملت اسلامیہ کو جن لرزہ خیز واقعات و حوادث سے گذرنا پڑا ان کی داستان طویل ہے۔ سادات بارہہ کا تسلط، ان کے ہاتھوں فرخ سیر کی بیکسانہ موت، اور پھر تورانی امرا کے ہاتھوں ان کا زوال مرہٹوں کی بغاوت اور پھر ان کا عروج، قوم سکھ کی بغاوت اور ان کا انسانیت سوز سلوک، نادر شاہ کا حملہ اور دلی کے کوچہ و بازار میں قتل عام، احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر حملے، مرہٹوں اور ابدالی کے درمیان پانی پت کا میدان جنگ، ایرانی اور تورانی امرا میں سیاسی رقیبانہ کش مکش، اور اس کے مہلک نتائج،

بہار و بنگال میں انگیزوں کا عمل دخل، یہ سارے وہ واقعات ہیں جو تاریخ کے طالب علم کی توجہ اپنی جانب مائل کراتے ہیں یہ سارے حوادث اور واقعات حضرت شاہ صاحب کے سامنے گزرے تھے۔

سادات بارہہ[۱]

حضرت شاہ صاحبؒ کی عمر صرف چار سال کی تھی کہ عالمگیرؒ کی وفات ہوگئی اور ان کی جگہ ان کا بیٹا بہادر شاہ اول تخت نشیں ہوا۔ اور علی الاعلان رفض اختیار کرلیا۔ اس نے مذہب شیعہ کی ترویج اور اسکی تقویت میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا لیکن کچھ عرصہ بعد بادشاہ کو جنون ہوا جسکے نتیجہ میں اسنے حکم دیاکہ شہر کے سارے کتے شہر سے باہر نکالدئے جائیں اور ہندو اپنی داڑھی منڈائیں اور آئندہ کوئی ہندو داڑھی نہ رکھے، پھراسی جنون ہی کی حالت میں ۱۹ ارمحرم ۱۱۲۳ھ[۲] کو اس جہاں سے رخصت ہوا۔

اس کے انتقال کے بعد معزالدین جہاندار شاہ اور فرخ سیر میں جنگ ہوئی چونکہ سادات بارہہ یعنی حسین علی خاں اور حسن علی خان کی مدد سے فرخ سیر کو کامیابی حاصل ہوئی اسلئے فرخ سیر کے عہد حکومت میں ان دو بھائیوں کا اقتدار قائم ہوگیا بادشاہ ان بھائیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنگیا بظاہر بادشاہ فرخ سیر تھا لیکن درحقیقت زمام حکومت انھیں دو بھائیوں کے ہاتھوں میں تھی۔

[۱] بارہہ ضلع مظفر نگر (یوپی) میں ایک قصبہ ہے۔ سادات بارہہ سید ابوالفرح واسطی کی اولاد ہیں جو دور اکبری سے پہلے عراق کے مشہور شہر واسطہ سے پٹیالہ پنجاب کے گرد و نواح میں آباد ہوئے اور پھر ان کی اولاد دوآبہ ضلع مظفر نگر میں آباد ہوئی۔

[۲] شاندار ماضی حصہ اول ص۲۰۲

لیکن فرخ سیر بہر حال ایک سنجیدہ طبع انسان تھا۔ وہ ان حالات سے کسی طرح مطمئن نہ تھا اس کو اس بات کی فکر ہوئی کہ کسی صورت سے سید برادران سے چھٹکارا حاصل کرے اس کی تبدیلی سے سید برادران کو اپنا مستقبل تاریک اور بنا بنایا کھیل بگڑتا دکھائی دیا۔ آخر کار ان میں اور فرخ سیر میں ان بن ہو گئی۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرخ سیر اور سید برادران کی چپقلش کا تذکرہ انفاس العارفین میں کیا ہے اور یہ تحریر فرمایا ہے کہ جب شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی خدمت میں اس چپقلش کا حال بیان کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ۔

"درواقعہ دیدم کہ گویا مسند فرخ سیر را مردم می خواہند کہ برہم زنند۔"	میں نے (کشف) واقعہ میں دیکھا کہ فرخ سیر کی مسند کو لوگ الٹ دینا چاہتے ہیں۔

اور اس کے بعد ایک عجیب وغریب بات یہ بھی لکھی ہے کہ جو لوگ عالم واقعہ میں بادشاہ کی مسند کو الٹنا چاہتے تھے ان سے والد صاحب نے فرمایا کہ

"برائے من ایں را ہم چنیں بگذارید۔"	میری خاطر اس بادشاہ (فرخ سیر) کو اسی حال پر چھوڑ دو (یعنی اس پر ظلم وزیادتی نہ کرو

حضرت شاہ صاحبؒ کا بیان ہے کہ جب تک والد صاحبؒ بقید حیات رہے فرخ سیر پر آنچ تک نہ آئی لیکن

"بعد پنجاہ روز از وفات حضرت ایشاں ایشاں اسیر شد۔"	آپ کی وفات کے پچاس دن کے بعد فرخ سیر قید ہو گیا۔

آخر کار انجام یہ ہوا کہ ان ہی سید برادران کے ہاتھوں فرخ سیر نہ صرف قید و بند کے مصائب میں گرفتار کیا گیا بلکہ اس کی آنکھوں میں سلائی پھر دینا اس کی نظریں

تاریک کردی گئی قلعہ کے اندر ایک قید خانے میں جو قبر کی صورت کا بنا ہوا تھا بادشاہ کو قید کیا گیا ایک طشت اور ایک آفتابہ قضائے حاجت کے لئے اور ایک صراحی پانی اس کے پاس رکھد یا گیا۔ اور پھر انتہائی بیدردی اور قساوت قلبی کے ساتھ تسمہ میں اس کی گردن کھینچ دی گئی[۱]

فرخ سیر کا قتل ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء میں ہوا۔ اس وقت حضرت شاہ صاحبؒ کی عمر ٹھیک ۱۶ سال کی تھی یہی وہ زمانہ تھا جبکہ آپ مدرسہ رحیمیہ میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم کی مسند درس پر جلوہ افروز ہوئے تھے۔ حضرت شاہ صاحب ہی کا بیان ہے کہ فرخ سیر کے دردناک قتل سے عام بے چینی اور برہمی پیدا ہو گئی جس کے نتیجہ میں بقول حضرت شاہ صاحبؒ ہرج و مرج عظیم دست داد" یعنی سخت کشت و خون کی گرم بازاری ہوئی۔

تورانی امراء اس حادثہ سے بیحد برہم ہوئے آصف جاہ اول جو تورانی امراء کے سردار تھے اور ترک دنیا کر کے گوشۂ عافیت میں بیٹھ گئے تھے بہت مشتعل ہوئے۔ سید برادران نے اس بات کی بڑی کوشش کی کہ ان کو کسی طرح سے رام کر لیا جائے لیکن انھوں نے حالات کا اندازہ کر لیا اپنا فقیرانہ لباس اتار دلی چھوڑ کر مالوہ اور دکن میں لوگوں کو سید برادران کے خلاف ابھارنا شروع کر دیا۔ حسین علی خاں نے حالات کی نزاکت کو پورے طور پر محسوس کر لیا اور بڑی

---

[۱] آصف جاہ اول کے استاد مرزا بیدل عظیم آبادی نے تاریخ لکھی۔

دیدی کہ چہ با شاہ گرامی کردند ۔۔۔ صد جور و جفا از رہ خامی کردند
تاریخ چوں از خرد بجستم فرمود ۔۔۔ سادات بوے نمک حرامی کردند
۱۱۳۱ھ

منت وسماجت کے ساتھ ایک خط ان کو مالوہ لکھا جسکے جواب میں انھوں نے صرف یہ شعر تحریر کردیا ؎

من بے وفانیم بوفامی خورم قسم
من چوں شمانیم بشما می خورم قسم

ادھر دلی میں فرخ سیر کے قتل کے بعد جو بےچینی اور ہنگامہ ہو رہا تھا اسکے فرو کرنے کے لئے کسی شاہزادے کو تخت نشین کرنا ناگزیر تھا چونکہ شاہی خاندان کے شاہزادے پہلے ہی چن چن کر قتل کیئے جا چکے تھے اس لئے انھوں نے ایک مرض دق میں مبتلا شاہزادہ رفیع الدرجات[1] کو (جو قلعہ معلیٰ میں قید و بند کی صعوبت برداشت کر رہا تھا) تخت پر بٹھایا جس سے شہر کے اضطراب میں کچھ سکون پیدا ہوا مگر یہ شاہزادہ خود بدقوق تھا صرف تین ماہ دس[2] روز زندہ رکر انتقال کر گیا اس کے بعد اسکے بھائی رفیع الدولہ کو قید سے نکال کر تخت شاہی پر بٹھایا لیکن وہ بھی چند روز کے بعد مرض اسہال میں مبتلا ہوکر ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ میں اس جہان فانی سے رخصت ہوگیا ہفت عشرہ تک اس کی موت کو اسلئے پوشیدہ رکھا گیا کہ سید برادران کو تخت شاہی پر بٹھانے کیلئے کوئی شاہزادہ نہیں ملتا تھا حتیٰ کہ بیدہ ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ مطابق ستمبر ۱۷۱۹ء کو روشن[3] اختر نے جو اپنی ماں کے ساتھ فتح پور میں قید تھا فتحپور میں تاج شاہی زیب سر کیا اور ابوالفتح ناصر الدین محمد شاہ لقب تجویز ہوا۔

---

[1] رفیع الدرجات کا نام شمس الدین تھا اور رفیع الشان بن شاہ عالم بن عالمگیر کا بیٹا تھا

[2] شاہنامہ ماضی ص ۲۶

[3] روشن اختر شاہ عالم پسر عالمگیر کے سب سے چھوٹے اور چہیتے بیٹے خجستہ اختر کا بیٹا تھا۔

چونکہ برادران کو سب سے زیادہ خطرہ آصف جاہ اول سے تھا اسلئے انھوں نے محمد شاہ کو تخت پر بٹھاتے ہی یہ سمجھانا شروع کیا کہ تخت شاہی کے لئے سب سے بڑا خطرہ "آصف جاہ" ہے۔ لہٰذا اس خطرے سے نجات حاصل کر لینا بہت ضروری ہے۔

چونکہ محمد شاہ کی حکومت بھی انھیں دو بھائیوں کی رہین منت تھی اس لئے اس کے اندر بھی ان کی رائے سے سرتابی کی ہمت نہ تھی وہ اپنے پہلوں کا انجام دیکھ چکا تھا اس کا ان دو بھائیوں سے خائف ہونا ایک طبعی امر تھا یہی وجہ ہے کہ جب محمد شاہ کو انھوں نے یہ مشورہ دیا کہ وہ آصف جاہ کے خلاف لشکر کشی کرے تو وہ فوراً آمادہ ہوگیا۔ اور حسین علی خاں کی معیت میں ایک فوج لیکر دکن کی سمت روانہ ہوگیا۔ ابھی دہلی سے چند ہی منزل آگے بڑھے تھے کہ آصف جاہ کے چچازاد بھائی امین خان کے اشارے سے میر حیدر کاشغری نے حسین علی خاں کا کام تمام کر دیا اس کی امیرانہ اور رئیسانہ زندگی کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب اس حالت سفر میں اس کی بارگاہ لوٹی گئی تو ایک کروڑ روپیہ دستیاب ہوا۔

حسین علی خاں کا قتل دراصل ایرانی امرار کے بازو ٹوٹنے کے مرادف تھا چنانچہ زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ اس کا دوسرا بھائی حسن علی خاں قطب الملک، محمد شاہ کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ اور پھر قید خانہ ہی میں اس نے اپنی آخری سانسیں پوری کیں۔

مغل دربار میں ایک مدت سے ایرانی امرار کا طوطی بول رہا تھا بادشاہوں کا عزل و نصب انھیں کی چشم و ابرو کے اشاروں کا رہین منت تھا۔ ان کے

اقتدار کا یہ عالم تھا کہ جسے چاہتے تخت شاہی پر بٹھاتے اور جب اسکو اپنی مصلحت اور اپنے اقتدار کے لئے مضر پاتے معزول کر کے ذلت و رسوائی کی آخری حدود پر پہونچا دیتے ان کے سامنے بیچارہ بادشاہ ایک عضو مفلوج سے زیادہ حیثیت کا مالک نہ ہوتا سید برادران کا خاتمہ دراصل ایرانیوں کے مقابلہ میں تورانی امراء کی زبردست فتح تھی اس موقع سے کافی فائدہ حاصل کیا جا سکتا تھا لیکن ملک کی بدنصیبی سے بہت جلد یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا۔

سید برادران کے ختم ہونے کے بعد محمد شاہ نے نظام الملک کو دکن سے بلاکر وزیر اعظم بنایا لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد حالات بالکل بدل گئے بعض خود غرض اور جاہ پرست امراء نے محمد شاہ بادشاہ کو بجائے تورانیوں کے ایرانیوں کے زیر اثر کر دیا۔ یہ صحیح ہے کہ محمد شاہ نے تشیع تو نہیں اختیار کیا۔ لیکن اس کے حالات میں زمین آسمان کا فرق ہو گیا تھا عیش و عشرت کا دلدادہ ہو گیا تھا ارسلاہ اس کا لقب ٹھہرا۔ اسنے یہ عام حکم دے رکھا تھا کہ ادھر ہمالہ کے دامن سے گھٹا اٹھے۔ بادل گرجے اور فوراً خیمہ باہر جنگل کی کھلی فضا میں نصب کیا جائے اور پھر ہر طرف۔

می وہ صبح کلہ بستہ سحاب — الصبوح الصبوح یا اصحاب

ژالہ بارید بر رخ لالہ — المدام، المدام یا احباب

کا شور بلند ہوتا۔ بادشاہ کی غفلت اور عیش پسندی نے زوال اور انحطاط کی رفتار تیز سے تیز تر کر دی۔ آصف جاہ نے بادشاہ اور بعض امراء کی ناروا حرکتوں سے ملول ہو کر پھر دکن کا رخ کیا۔

غرضکہ یہ تمام فتنہ وفساد، ایرانی او تورانی امراء کے آپس کے جھگڑوں کا نتیجہ تھا۔

حتیٰ کہ بعض مورخین کا یہ خیال ہے کہ سلطنتِ مغلیہ کے آخری دور کی تاریخ صرف ان ہی دو پارٹیوں کی نبرد آزمائی کا نام ہے [۱]

---

[۱] دی مغل امپیریل ص ۱۳

سکھ تحریک

اگر ایک طرف اندرونی فتنوں اور سازشوں سے مغلیہ سلطنت کی بنیادیں ہل گئیں اور بقول حضرت شاہ صاحب امور سلطنت میں عظیم انتشار اور بدنظمی پیدا ہوگئی تھی۔ تو دوسری طرف کچھ ایسی تحریکیں نمودار ہوئیں جن کا تمام تر رخ مسلمانوں کی جانب تھا۔ ان ہی تحریکوں میں ایک سکھ تحریک بھی تھی۔

یہ صحیح ہے کہ گرونانک (۱۴۹۶ء) بڑے وسیع المشرب انسان تھے وحدانیت، اخلاقی زندگی، اور سماجی مساوات پر ان کا ایمان تھا۔ مسلمان بزرگوں اور صوفیا کی صحبت سے وہ کافی مستفید ہوئے تھے۔ اور پاک پٹن میں حضرت بابا فرید گنج شکر کے سجادہ نشینوں کی صحبت سے کافی فائدہ اٹھایا تھا اسلئے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ان کے خیالات اور نظریات بڑی حد تک حسن ظن پر مبنی تھے لیکن ان کے بعد ان کے جانشینوں کی حالت وہ نہ رہی۔

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور نے لکھا ہے۔

"بابا نانک انسانی دل کو سیاسی آزادی نہیں بلکہ روحانی آزادی دلانا چاہتے تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ان کے پیرو خود غرضی، مذہبی تعصب اور روحانی جمود سے آزاد ہوں۔ گرو گوبند نے ان کی روحانی طاقت کو مادی

کاموں میں لگا دیا۔ یہ ایک اچھی تحریک کا حسرتناک انجام تھا۔

یہ بالکل حقیقت ہے کہ سکھ تحریک جب تک مذہبی رہی، مسلمان بادشاہوں نے اس کے رہنماؤں کے ساتھ بڑی عزت اور احترام کا برتاؤ کیا۔ مشہور ہے کہ جب بابر ہندوستان آیا تو گرونانک کی خدمت میں عقیدتمندانہ حاضر ہوا گرونانک نے اسے ہندوستان کی فتح اور سات پشتوں تک اس کی نسل میں حکمرانی کی دعا دی۔[۱]

اکبر نے گرو امرداس وغیرہ کی بڑی عزت کی گرو ارجن کے متعلق تو یہاں تک مشہور ہو گیا تھا کہ اس کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ شہنشاہ تک اس کے آگے جھکتا ہے[۲]

جب اکبر چتوڑ پر حملہ آور ہوا تو بھگوان داس کو گرو امرداس کے پاس دعا کے لئے بھیجا ایکبار اکبر نے خود حاضر ہو کر ان سے بارہ دیہات قبول کرنے کی درخواست کی[۳]

اکبر نے سکھ راہنماؤں اور سکھ مت کے ساتھ بڑے احترام کا معاملہ کیا ایک بار گرنتھ پڑا کیا و[۵۱] اشرفیاں چڑھائیں[۴]۔ گرو ارجن کی سفارش پر ایک سال پنجاب کا لگان معاف کر دیا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اکبر ہی نے امرتسر سکھوں کو دیا تھا۔

لیکن سکھ تحریک نے جونہی سیاسی رنگ اختیار کیا، مغل بادشاہوں کے

۱؎ مشائخ چشت صفحہ ۲۱۴ ۲؎ ایضاً ۳؎ تاریخ ہند۔ مولوی ذکاء اللہ صفحہ ۴۹/۹

۴؎ مشائخ چشت صفحہ ۲۱۴

رویہ میں تبدیلی پیدا ہوئی، گرو ارجن نے ایک سیاسی نظام تیار کیا اور امرتسر کو اپنا عسکری مرکز بنا کر کابل سے ڈھاکہ تک جہاں جہاں سکھ بستے تھے ان سے خود محصول لینا شروع کر دیا۔

سکھوں کا سب سے پہلا جھگڑا جہانگیر سے ہوا گرو ارجن نے شہزادہ خسرو کو جس نے اپنے باپ سے بغاوت کی تھی پناہ دی۔ جہانگیر نے اس بات پر گرو کو دربار میں طلب کیا اور جرمانہ کیا۔ گرو نے جرمانہ کی ادائیگی سے انکار کیا تو جہانگیر نے قتل کا حکم دیدیا۔ اس قتل میں کوئی مذہبی جذبہ ہرگز کارفرما نہ تھا۔ بلکہ یہ سزا صرف سیاسی اسباب کی بنا پر دی گئی تھی۔ جو عموماً سیاسی مجرموں کو دی جاتی تھی لیکن اس واقعہ کے بعد شاہان مغلیہ کی جانب سے سکھوں کے دلوں میں ایک منافرت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ جو بعد میں عام مسلم بیزاری میں تبدیل ہو گیا۔

گرو ہررائے نے تخت نشینی کی جنگ میں داراشکوہ کو مدد دی، اور اورنگ زیب سے اپنے تعلقات خراب کر لئے پھر تیغ بہادر نے کشمیر کے ہندوؤں میں بغاوت پھیلانی شروع کی جس کی پاداش میں اورنگ زیب نے اسے سزائے قتل دی۔

لیکن جب زمام قیادت گرو گوبند کے ہاتھ آئی تو اس نے پورے طور پر مسلمانوں سے مقابلہ کی ٹھانی اس نے اپنے فرقہ کے منتشر اور پراگندہ افراد کو آہستہ آہستہ جمع کرنا شروع کیا۔ ہتھیار، گھوڑے اور دوسرے جنگی سامان بھی فراہم کر لئے اور ان کو سب میں تقسیم کر کے اپنے ہاتھ پیر نکالنے شروع کر دیئے اس نے اس بات کی پوری کوشش کی، کہ کسی طرح وہ اپنے سیاسی مقاصد حاصل کر لے لیکن اورنگ زیب کی بصیرت نے اسکو مہلت ہی نہ دی۔

گروگوبند کو، کو اپنے مقاصد میں پورے طور پر کامیابی نہ ہو سکی لیکن جب اس کا جانشین بندا نامی شخص گرو ہوا تو اس نے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے۔

بردیہات و آبادی اہل اسلام ہر جا دست او می رسید تاختہ از سکنہ آنجا ہر کرا می یافت ابقائی کرد ہر چند کہ اطفال صغیر السن باشند۔

اہل اسلام کی بستیوں اور آبادیوں پر جہاں کہیں قابو پاتا تھا چڑھ دوڑتا اور وہاں کے باشندوں میں جس کسی کو پاتا باقی نہ چھوڑتا تھا خواہ ننھے بچے ہی کیوں نہ ہوں۔

اور بعض مورخین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ یہ لوگ۔

زنہائے حاملہ را شکم دریدہ وجنین رابیروں کشیدہ می کشتند[۱]

حاملہ عورتوں کا پیٹ چاک کر کے بچہ کو باہر نکال کر مار ڈالتے تھے۔

مرزا حیرت نے ایک ہندو مصنف کی شہادت نقل کی ہے وہ لکھتے ہیں "مسلمانوں سے سکھوں کو بڑی دشمنی تھی۔ اذان با آواز بلند نہیں ہونے دیتے تھے مسجدوں کو اپنے تحت میں لے کے گرنتھ ان میں پڑھنا شروع کرتے اور اس کا نام مست گڑھ رکھتے تھے[۲]

---

۱ سیر المتاخرین ص۴۰۲

۲ حیات طیبہ ص۱۳۱

مرزا حیرت ہی کا یہ بیان بھی ہے کہ۔

"سکھوں کا دستور ہے کہ وہ ہولے کرکے کھاتے ہیں۔ دہلی میں ہولے سوکھے بوٹوں کو گھاس پھوس کی آگ میں مع شاخوں کے خستہ کرنے کو کہتے ہیں، مگر سکھوں میں انھیں ہولے نہیں کہتے۔ وہ ایک بڑے فولادی پنجرے میں، چیل، کوے، کبوتر، تیتر، مینائیں، طوطے غرض مختلف قسم کے جانور بند کرکے پنجرے کو کسی درخت میں لٹکا دیتے ہیں اور پھر نیچے آگ دیدیتے ہیں، وہ زندہ پرندہ پھڑپھڑا کے بھن کے کوئلہ ہو جاتے ہیں، پھر انھیں صاف کرکے یہ ناخداترس کھاتے ہیں"

اور پھر لکھتے ہیں کہ[1]

"اسی طرح بے گناہ مسلمانوں کے بھی ہولے کئے جاتے تھے اور یوں تڑپا تڑپا کر انھیں مارا جاتا تھا"

بندا کی ترکتازیوں نے پورے پنجاب میں قیامت بپا کردی تھی حتیٰ کہ اسکے مظالم سے تمام شمالی ہندوستان گھبرا اٹھا ۱۷۱۰ء میں جب سکھوں نے سرہند پر حملہ کیا تو بہت سے مسلمانوں نے ہندوؤں کے گھروں میں بھیس بدلکر پناہ لی ان کے مظالم زندوں ہی تک محدود نہ تھے۔ بلکہ مورخین کا بیان ہے کہ

"شاہ فیض قادریؒ کا مزار خود ان کی اولاد سے جبراً کھدوادیا سہارنپور میں عورتیں سکھوں کے ڈر سے کنوؤں میں ڈوب کر مرگئیں اور اسطور پر اپنی عزت و

---

[1] حیات طیبہ صفحہ ۱۳۰

آبرو کی حفاظت کی[1]

بندا نے اپنی بربریت اور ظلم و تعدی کے لئے مسلمانوں اور ان کی آبادیوں عبادت خانوں اور ان کے مقابر کا انتخاب کیا تھا اسکے دل میں تعصب کا الاؤ روشن تھا جو اسے کسی طرح چین سے نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔ طباطبائی نے تصریح کی ہے جس سے اسکی اس کیفیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

بندا ئے مذکور کمتر مقابل افواج بادشاہی می گشت۔ اکثر بطور چپاولی قطاع الطریقی در اطراف و جوانب دویدہ یک جائی آسو دہ ہر جا قابوی یافت در قتل و غارت و تخریب مساجد و نبش قبور مسلمانان قصور نمی نمود[2]

یہ بندا جسکا ذکر ہوا بادشاہی فوج کا بہت کم سامنا کرتا بلکہ زیادہ تر گوریلا دار کے طور پر چھپ چھپا کر حملے کرتا اور اطراف و جوانب میں رہزنی کرتے ہوئے پھرا کرتا ایک جگہ اپنا ٹھکانا بنا کر نہیں ٹھہرتا۔ جہاں کہیں موقع پاتا قتل و غارت لوٹ مار اور مسجدوں کی بربادی، مسلمانوں کے مقابر کو اکھاڑ پھینکنے میں کمی نہیں کرتا۔

فرخ سیر نے اپنے زمانہ میں سکھوں کی ان ظالمانہ چیرہ دستیوں کا پورے طور پر علاج کرنے کی کوشش کی اور اسکو اسمیں کامیابی بھی ہوئی۔ اس نے عبدالصمد خاں صوبہ دار کشمیر کو اس مہم پر مامور کیا۔ جس نے بڑی دلیری سے بندا اور اسکے ساتھیوں پر قابو حاصل کیا اور ان سب کو گرفتار کر کے دہلی فرخ سیر

---

[1] مشائخ چشت ص ۳۱۰ [2] طباطبائی ص ۲/۴۰

کے پاس روانہ کر دیا جہاں انھیں قتل کر دیا گیا۔ اس طور پر سکھوں کی طاقت اور ان کی مرکزیت کا کچھ دنوں کے لئے خاتمہ ہو گیا لیکن نادر شاہ کے حملہ کے بعد جب حکومت میں مزید ضعف لاحق ہوا تو پھر سکھوں نے مطلق العنانی شروع کر دی۔ بندا اور اسکے ساتھیوں کے مظالم کو حضرت شاہ صاحب نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھے آپ اسوقت دلی میں موجود تھے جبکہ فرخ سیر کے دربار میں ان کو گرفتار کر کے لایا گیا تھا۔

مرہٹہ تحریک

پنجاب سے سکھ تحریک کی آندھی اٹھی جس نے مغلیہ سلطنت کے مستقبل کو تاریک کر دیا تو جنوبی ہند سے مرہٹہ تحریک کا ایک عظیم طوفان اٹھا جسنے مغل حکومت کو زیر و زبر کر دیا۔ مرہٹہ تحریک کا وجود عالمگیرؒ کے زمانہ میں ہوا۔ انھوں نے تقریباً اپنی عمر عزیز کے ۲۶ سال دکن میں مرہٹہ گردی کے ختم کرنے میں صرف کئے ۲۵ رنومبر ۱۶۸۱ء کو وہ برہانپور پہونچے اور ۳۱ رمارچ ۱۷۰۷ء تک مرہٹوں سے جنگ کرتے رہے۔ حکومت کے اندرونی حالات کی بنا پر مرہٹوں کا مکمل خاتمہ ممکن نہ تھا لیکن اس کے باوجود عالمگیرؒ نے مرہٹوں کی مرکزی قوت کا خاتمہ کر دیا۔ مرہٹوں کی طاقت منتشر ہو گئی۔ اور عہد عالمگیر میں وہ اپنی طاقت کو مجتمع نہ کر سکے۔

اگر امراء عالمگیر کا پورے طور سے تعاون کرتے تو مرہٹہ تحریک کبھی کی صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو چکی ہوتی لیکن انھوں نے اپنی اغراض اور سستی کی وجہ سے ایسا نہ کیا کیونکہ مرہٹہ ہنگامہ آرائی کو ختم کرنا وہ اپنے مفاد کے خلاف سمجھتے تھے۔

سیر المتاخرین میں ہے کہ۔

"اما از تہاون بعض امرا در کاب کہ برائے اعزاض خود انفصال ہنگامۂ مرہٹہ نمی خواستند، استیصال مرہٹہ صورت نہ گرفت" [1]

لیکن شاہی رکاب میں جو امراء تھے انکی سستی اور کاہلی سے جس میں ان کے اعزاض پوشیدہ تھے۔ مرہٹوں کے ہنگامہ کو ختم کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے مرہٹوں کا پورے طور پر استیصال نہ ہو سکا۔

لیکن اورنگ زیب کے فولادی پنجہ کی گرفت دور ہو جانے کے بعد مرہٹوں کو نہ صرف دکن اور گجرات میں بلکہ سارے ہندوستان میں تاخت و تاراج کرنیکا کھلا میدان مل گیا۔

ادھر مرہٹوں کی قوت روز بروز بڑھتی تھی اور ادھر دکن اور گجرات کی صوبہ داری پر امراء باہم دست و گریباں تھے نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی قوت میں اتنا اضافہ ہو گیا کہ حکومت ان کا مقابلہ کرنے سے اپنے آپ کو عاجز سمجھتی تھی جب وہ شمالی ہند کی طرف رخ کرتے تو بجائے اس کے کہ ان کا مقابلہ کیا جاتا، حکومت کی طرف سے ان کو مراعات دیجاتی تھیں تاکہ وقتی طور پر ان کے طوفان کو روکا جا سکے۔

حکومت کے مراعات دینے اور مقابلہ کرنے سے پہلو تہی کرنیکی وجہ سے مرہٹوں کی ہمت اور بڑھ گئی تھی وہ بڑا نا مبارک وقت تھا جبکہ فرخ سیر اور سید برادران کی کش مکش کے نتیجہ میں سید حسین علی نے دکن میں مرہٹوں سے ساز باز کر لیا تھا۔

اس نے مرہٹوں کو اپنا ہمنوا اور مدد گار بنانے کی نیت سے بالاجی کو تمام دکن سے چوتھ وصول کرنے کا حق دیدیا جب بادشاہ یعنی فرخ سیر نے اس حق کو تسلیم کرنیسے انکار کردیا تو یہی حسین علی فروری ۱۷۱۹ء کو مرہٹوں کی فوج کے ساتھ دارالسلطنت دہلی پر حملہ آور ہوا۔ اور اس طرح سے مغلوں کے اقتدار کا گویا جنازہ نکل گیا۔

مرہٹوں کا دہلی پر حملہ آور ہونا غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے اسے مرہٹہ تحریک کے عروج کی بنیاد سمجھنا چاہیئے۔ حکومت کی طاقت اور اس کے اقتدار کا رہا سہا بھرم کھل گیا انھوں نے سمجھ لیا کہ حکومت میں وہ دم خم باقی نہیں رہے جس سے ان کا مقابلہ کرسکے۔

یہی وجہ ہے کہ بالاجی کے بعد اسکے بیٹے باجی راؤ نے نہ صرف دکن بلکہ مالوہ اور گجرات سے خراج وصول کیا۔ اور بندیلکھنڈ پر قبضہ کرلیا۔

۱۷۳۳ء اور ۱۷۳۴ء میں جبکہ حضرت شاہ صاحب کی عمر تقریباً تیس اکتیس سال کی تھی مرہٹوں کا یہ حال تھا کہ گوالیار سے اجمیر تک پورے ۲۲۰ میل کے فاصلے میں پھیل گئے تھے اور انھوں نے اپنے پیر اس طرح جمائے تھے کہ راجہ جے سنگھ جو دہلی دروازہ سے نربدا کے کنارہ تک کا حاکم تھا باوجود ۳۰ ہزار فوج رکھنے کے ان کا کچھ نہ کرسکتا تھا۔

شہنشاہ دہلی محمد شاہ بھی ان کا مقابلہ کرنے سے پہلو تہی میں اپنی عافیت سمجھتا تھا اسے جب کبھی مرہٹوں کے حملوں کی خبر پہونچتی تو راجہ جے سنگھ کی معرفت بلیس تیس لاکھ روپیہ دیکر صلح کرلینی غنیمت سمجھتا۔

محمد شاہ کے امراء کی خود غرضی کا یہ عالم تھا کہ جب گجرات یا مالوہ پر مرہٹوں کے حملوں کی خبر اسکے کانوں میں پڑتی اور اسے پریشانی لاحق ہوتی تو وہ اس کی پریشانی کو دور کرنے کے لئے اسے سیر و شکار کے لئے لے جاتے تاکہ اس کا دل بہل جائے۔

یہ واقعہ محمد شاہ ہی کے زمانہ کا ہے کہ جب ۱۷۳۷ء میں مرہٹوں نے دہلی پر حملہ کیا تو اس عیش پرست اور طاؤس و رباب سے کھیلنے والے بادشاہ نے دریا میں کشتیاں ڈلوا دی تھیں، تاکہ ضرورت پڑنے پر شاہی محل کی کھڑکی سے نکل کر راہِ فرار حاصل کر سکے۔

امراء کی خود غرضی اور بادشاہوں کی کمزوری سے مرہٹوں کی چیرہ دستیاں اور بڑھ گئیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

وبالجملہ مرہٹہ نامی قومے از کفار، کہ رئیسے دارند، در اقصائے دکن از چند گاہ سر بر آوردند و جمیع ولایت ہندوستان احاطہ کردند۔

کفار میں ایک قوم مرہٹہ نامی ہے ان کا ایک سردار ہے اس قوم نے کچھ عرصہ سے دکن میں سر اٹھایا ہے اور تمام ملک ہندوستان پر اثر انداز ہے۔

متاخران ملوک تیموریہ از جہتِ عدم دور اندیشی وکثرت غفلت و اختلافِ فکر بدستِ خود ملک گجرات بہ مرہٹہ ملوند باز بہ ہماں سست اندیشی و اسباب غفلت مالوہ بہ آنہا سپردند۔ و نام صوبہ داری آنجا نہادند۔

شاہان مغلیہ میں سے بعد کے بادشاہوں نے عدم دور اندیشی، غفلت اور اختلافِ فکر کی بنا پر ملک گجرات مرہٹوں کو دیدیا پھر اسی سست اندیشی اور غفلت کی وجہ سے ملک مالوہ بھی ان کے سپرد کر دیا۔ اور ان کو وہاں کا صوبہ دار بنا دیا

رفتہ رفتہ قوم مرہٹہ قوی تر شدند و
اکثر بلاد اسلام را متصرف گشتند
واز مسلماناں وہنود باج گرفتند و
آں را چوتھ نام نہادند[1]

رفتہ رفتہ قوم مرہٹہ قوی تر ہو گئی اور
اکثر بلاد اسلام ان کے قبضہ میں آگئے
مرہٹوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں
سے خراج لینا شروع کر دیا اور اس
کا نام انھوں نے چوتھ رکھا۔

مرہٹوں نے جب بنگال پر حملہ کیا ہے اور اس علاقہ میں جو انسانیت سوز سلوک برتا ہے اسکے متعلق بنگال کا مشہور شاعر گنگا رام لکھتا ہے۔

"برگیوں (مرہٹوں) نے دیہاتوں کو لوٹنا شروع کر دیا..... کچھ لوگوں کے انھوں نے ہاتھ ناک اور کان کاٹ لئے کچھ کو مار ڈالا، خوبصورت عورتوں کو وہ رسیوں میں باندھکر لے گئے جب ایک بارگی (مرہٹہ) زنا کر چکتا تھا تو دوسرا کرتا تھا عورتیں چیخیں مارتی تھیں..... انھوں نے گھروں کو آگ لگا دی اور ہر طرف لوٹ مار کرتے ہوئے گھومے"

بنگال کے ایک مشہور پنڈت دنیشور ودیاپتی نے ۱۷۴۲ء میں مرہٹوں کے ہنگاموں اور مظالم کا ذکر بڑے درد انگیز لہجے میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ

"شاہو راجہ کی فوجیں، حاملہ عورتوں، بچوں، برہمنوں اور غریبوں کو بڑی بیدردی کے ساتھ قتل کرتی تھیں وہ ہر طرح کے گناہ کرتے تھے جدھر سے گذر جاتے تھے ایک قیامت برپا ہو جاتی تھی"[2]

ان کی ان حیاسوز حرکتوں پر بنگالی مصنفوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں

---

[1] مکتوبات ص ۲۶۔۲۷ [2] زوال سلطنتِ مغلیہ ص ۴۳

دی تھیں[1]"

جنوبی ہند سے اٹھنے والے اس طوفان سے لوگ اتنے پریشان ہوگئے تھے کہ انکو اپنی زندگی وبال معلوم ہوتی تھی۔ یہ طوفان مذہب یا قوم کی بنیاد پر نہیں اٹھا تھا۔ بلکہ اس کے پیچھے صوبائی تعصب اور دولت اندوزی کی ہوس کارفرما تھی۔

مرہٹوں کا خطرہ ۱۱۵۴ھ تک تشویشناک حد تک بڑھ چکا تھا اس وقت حضرت شاہ صاحب کی عمر تقریباً ۴۰ برس تھی آپ نے مرہٹہ گردی کے سارے دلدوز اور جانکاہ واقعات اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمائے۔

---

[1] مکتوبات ص۱۶۸۔

جاٹ

جاٹ قوم دہلی اور آگرہ کے درمیان آباد تھی کاشتکاری ان کا پیشہ تھا رفتہ رفتہ اس قوم نے اپنی قوت بڑھائی اور شاہجہاں کے عہد میں زبردست شورش برپا کی۔ لیکن شاہجہاں نے ان کی بروقت گوشمالی کر کے ان کے خطرہ کو دور کر دیا۔

شاہجہاں کے زمانہ میں ان کو حکم تھا کہ گھوڑوں پر سوار نہوں، بندوق اپنے پاس نہ رکھیں اور اپنے لئے گڑھی نہ بنائیں۔ دراصل شاہجہاں کا یہ حکم اس کی دوراندیشی اور سیاسی سوجھ بوجھ پر مبنی تھا۔

لیکن بعد کے بادشاہوں نے جاٹوں کے حالات سے غفلت برتی تو انھوں نے فرصت کو غنیمت شمار کیا اور بہت سے قلعہ تعمیر کر لئے اپنے پاس بندوق رکھکر لوٹ مار کا طریقہ شروع کر دیا۔

چونکہ ان کی آبادی دلی اور آگرہ کے درمیان میں تھی اسلئے ان کی جانب سے غفلت برتنا کسی طرح قرینِ مصلحت نہ تھا۔

اورنگ زیب کے آخری عہد میں جاٹوں کو عروج حاصل ہوا۔ انھوں نے اپنے علاقہ میں اقتدار قائم کرنے کی سعیٔ بلیغ کی۔ انھوں نے تمام علاقہ میں لوٹ کھسوٹ شروع کر دی۔ ان کی شرانگیز طبیعتوں کی یہ اعلیٰ مثال ہے کہ شہنشاہِ اکبر کے مقبرے

میں سے اس کی ہڈیاں نکال کر انھوں نے جلادیں[۱]

جس وقت انھوں نے لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیا۔ اورنگ زیب قلعہ بیجاپور اور حیدرآباد کے فتح کرنے میں مصروف تھا اسنے دکن سے خود آنا اپنی مصالح کے خلاف سمجھا اور وہیں سے ایک فوج جاٹوں کی تادیب کے لئے روانہ کی اور اس کا سردار اپنے پوتے بیدار بخت کو بنایا جس کی عمر اس وقت کل سترہ سال تھی۔ لیکن راجپوتانہ کے امرا نے اس شہزادے کی مخالفت کی جس کی وجہ سے لشکر میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ اور جاٹوں کی تھوڑی عاجزی پر اکتفا کر کے شاہی فوج واپس ہوگئی۔

فرخ سیر کے زمانہ میں اس قوم کی شورش دوبارہ پھر اٹھی اور وزیر قطب الملک نے زبردست فوج اس کی طرف روانہ کی۔ جاٹ قوم کا سردار جس کا نام چورامن تھا جنگ کرنے کے بعد صلح پر رضامند ہوگیا۔ اسکو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور اس کی تقصیرات کو معاف کر دیا گیا۔

محمد شاہ کے زمانہ میں جاٹوں کی سرکشی حد سے تجاوز کر گئی اور چورامن کا چچازاد بھائی سورج مل ان کا سردار ہوا۔ اور اس نے بھی شورفساد کا راستہ اختیار کیا چنانچہ اسنے بعض اسلامی بستیوں پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو جبراً نہایت ذلت و خواری کے ساتھ وہاں سے نکال دیا۔

احمد شاہ کے زمانہ میں جب صفدر جنگ ایرانی نے خروج کیا تو سورج مل سے سازش کر کے دہلی پر حملہ آور ہوا۔ اور تمام باشندگان شہر کہنہ کو لوٹ لیا جاٹوں

---

[۱] مشائخ چشت صـ۲۲۳

کے مظالم سے دہلی اور اردگرد کے باشندے بہت پریشان تھے۔ ایک بار ان کی لوٹ مار سے گھبرا کر، نہایت پریشانی کے عالم میں گھروں سے نکل کھڑے ہوئے وہ دربدر، گلی گلی مارے مارے پھرتے تھے ان کی حالت بالکل ایسی ہوگئی تھی جیسے کوئی ٹوٹا ہوا جہاز ظالم موجوں کے رحم وکرم پر ہو۔ پاگلوں کی طرح ہر شخص پریشان حال اور گھبرایا نظر آتا تھا۔[1]

حضرت شاہ صاحبؒ حافظ جاراللہؒ کو جو اس وقت سفر حج میں تھے مطلع کرتے ہیں۔

وقد وقعت بالدہلی داہیۃ عظیمۃ۔ فنہب الکفار من قوم جت البلدۃ القدیمۃ من الدہلی وعجزت الدولۃ عن دفعہم فنہبت الاموال وانتہکت و حرقت البیوت ولکن اللہ تعالےٰ خلصنی مع جمیع اہلی ومالی وبیوتی من ایدیہم وکانت الواقعۃ فی اوائل رجب ۱۱۶۱ھ واستمرت الی اواخر شعبان

دہلی میں ایک عظیم حادثہ واقع ہوا ہے قوم جاٹ نے دہلی کے شہر کہنہ کو لوٹا اور حکومت اس فساد وشرارت کو دفع کرنے سے عاجز رہی انھوں نے مال لوٹے، عزت وناموس کو برباد کیا، اور مکانات کو آگ لگائی۔ اللہ تعالےٰ نے مجھے مع اہل وعیال ومال ومکانات کے انکے دست ستم سے محفوظ رکھا اور یہ لوٹ مار کا حادثہ اوائل رجب ۱۱۶۱ھ میں ہوا، اور آخر شعبان ۱۱۶۱ھ تک باقی رہا۔

---

[1] مشائخ چشت ص ۳۲۴

نادرشاہ درانی کا حملہ

۱۷۳۹ء میں نادرشاہ درانی نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ حملۂ نادری کے اسباب و محرکات کچھ بھی ہوں مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہمایوں نے اپنے دورِ حکومت میں اپنی لاشعوری سے ایرانی جراثیم کے لئے جو سوراخ پیدا کر دیا تھا، نادرشاہ درانی کے حملہ نے اس سوراخ کو نہایت وسیع کر دیا۔

اب تک ہندوستانی حکومت ایرانیوں کو بڑے عہدوں سے محض اسلئے سرفراز کرتی تھی کہ ہمایوں پران کے احسانات تھے۔ لیکن نادرشاہی کے بعد ہندوستانی حکومت اور اس کی رعایا کے دل میں جذبۂ منت شناشی کے بجائے مرعوبیت نے گھر کر لیا۔

ہندوستانی تہذیب و تمدن، ثقافت وسماج ایرانیت کے مسموم اثرات سے پورے طور پر متاثر ہوئے۔ اب ہندوستانی نظریات وہ تھے جن کی طرف ایران رہنمائی کرتا تھا۔ اس کی سیاست ایرانیت کے زیراثر تھی۔ اس کے قومی اور مذہبی رسوم پر ایرانیت کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔

نادرشاہ درانی کے ہاتھوں ہندوستان کو ایسی زبردست شکست ہوئی جس کی مثال تاریخ ہند میں نہیں ملتی۔ وہ دارالحکومت دہلی میں جس فاتحانہ انداز

میں داخل ہوا اور پھر محمد شاہ نے جس طرح اس کی شاہانہ مہمان نوازی کی ہے اسے پڑھکر تاریخ کا طالب علم حیران رہ جاتا ہے۔

محمد شاہ نے باضابطہ پورے اٹھاون دن تک مہمان نوازی کے فرائض انجام دئے اور عمدۃ الملک جیسا صاحب منصب و جلالت قہوہ پلانے کی خدمت پر مامور ہوا۔ اور اسی پربس نہوا بلکہ شاہجہاں کی پوتی، نادر شاہ کے لڑکے نصراللہ مرزا کے عقد نکاح میں دیدی گئی۔

نادر شاہ نے دلی میں جو آگ وخون کا ہنگامہ برپا کیا آج بھی اسکے تصور سے دل کانپ جاتا ہے انسانی خون کی اتنی ارزانی اسکے بعد سے ابتک دلی کے آسمان وزمین نے نہیں دیکھی گلی کوچوں میں انسانی لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے عہد اورنگ زیب کے امن اور چین دیکھے ہوئے لوگ بدحواس ہوگئے نادر ہی بربریت اور ظلم نے ان پر مایوسی، وحشت، کم ہمتی اور خود فراموشی کی کیفیت طاری کردی۔ جب انھوں نے باعزت اور شریفانہ زندگی گذارنے کی کوئی اور راہ نہ پائی تو انھوں نے آگ میں جل مرنے کا فیصلہ کرلیا[1]

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب قوم کی پست ہمتی کا یہ عالم دیکھا تو آپ نے لوگوں کو سمجھایا سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے واقعات کربلا سنائے اور انھیں صبر وضبط، توبہ واستغفار کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ انھوں نے اس برے ارادہ سے توبہ کی۔

نادر شاہ کا قتل عام مسلمانوں کے مصائب کی تمہید تھی اسکے بعد وہ انتشار

---

[1] ملفوظات

اور ابتری پیدا ہوئی کہ حضرت شاہ صاحب نے شیخ محمد عاشق پھلتی کو تحریر فرمایا جبکہ انھوں نے پھلت میں رمضان گزارنے کی آپ سے درخواست کی تھی

"اما اختلالِ حال شہر کہ روز فتنہ تازہ گل می کند و ترسے دیگر در خواطر مردم می نشیند، دریں حالت خانہ وکس وکوے راگذاشتن از آدابِ مصالح ظاہر دور می نماید[1]	دلی کے موجودہ ناسازگار حالات کے پیش نظر کہ یہاں نت نیا فتنہ کھڑا ہوتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں قسم قسم کا خوف لاحق ہوتا رہتا ہے" مناسب نہیں ہے کہ اپنا گھر بار اور اپنے متعلقین کو چھوڑ دیا جائے (اور پھلت کا سفر کیا جائے)

اسی زمانہ کے متعلق حضرت مرزا جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ دلگیر ہو کر فرماتے ہیں۔

"از تشویشات ہر روزہ دہلی تنگ آمدہ ام"[2]	دلی کی آئے دن کی پریشانیوں سے تنگ آگیا ہوں۔

نادر گردی کے بعد جو کیفیت پیدا ہوئی تھی اسکے متعلق بعض مورخین نے لکھا ہے کہ لوگوں پر دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی تھی[3]

---

[1] مکتوبات سیاسی ص۷۷ [2] مکتوبات ص۶۶ [3] مشائخ چشت ص۲۳۱

روہیلے

ہندوستان میں افغان قبائل جا بجا آباد تھے لیکن ان میں کوئی سیاسی تنظیم نہیں تھی اور اس کی وجہ صرف ان کی قلت تعداد ہی نہ تھی بلکہ اقتصادی طور پر بھی وہ اس لائق نہیں تھے کہ وہ اپنی تنظیم کر کے ہندوستانی سیاست پر اثر انداز ہوتے۔

نادر شاہ درانی نے جب قندھار اور کابل پر حملہ کیا اور وہاں کے قبائل نے اس کا مقابلہ کیا لیکن وہ قزلباشوں کی ضرب کی تاب نہ لا سکے۔ اس پر ہزیمت خوردہ قبائل نے اپنے علاقوں سے بھاگ کر ہندوستان میں پناہ لی۔ اور جہاں سمائے وہیں سکونت اختیار کر لی۔ مختلف علاقوں میں انھوں نے فوجی ملازمت بھی کر لی۔ چنانچہ صاحب سیر المتاخرین نے لکھا ہے۔

جمعے ازاں قوم پراگندہ بہ ہندوستان درآمدہ در ہر جا سکنیٰ واکثر در سرکارات ملازم شدہ داخل سپاہ گشتند[1]	اس پراگندا اور پریشان قوم کا ایک حصہ "ہندوستان" پہونچا اور ہر جگہ انھوں نے سکونت اختیار کی اور ان میں کے اکثر نے مختلف علاقوں میں فوجی ملازمت کی

[1] صفحہ ۴۰۰

ملک میں ایرانی اور تورانی دو طاقتوں کے علاوہ یہ ایک تیسری موثر طاقت تھی۔ یہ قبیلہ فطرتاً جری اور بہادر تھا۔ مذہبی عقائد میں نہایت سخت تھا۔ مسلک حنفی پر نہایت سختی سے عمل پیرا تھا۔ یہ لوگ فقہی جزئیات، اقوال فقہاء کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اس جدید طاقت کے اضافہ سے ایرانی مزاج میں نرمی پیدا ہوگئی۔

ان کی سختی کا یہ عالم تھا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے ایک روہیلہ پٹھان نے شیعوں کی تکفیر کے بارے میں فتویٰ پوچھا۔ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں حنفی فقہا میں جو اختلاف ہے اس کو بیان فرما دیا۔ پہلی دفعہ تو وہ خاموش رہا۔ اور قدرے توقف کے بعد پھر دریافت کیا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے پھر وہی اختلاف نقل کیا؛

چونکہ وہ روہیلہ شیعوں کو قطعی کافر سمجھتا تھا اسلئے شاہ صاحب کے اس بیان سے آگ بگولا ہوگیا۔ اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا کہ یہ (شاہ صاحب) شیعہ ہے۔

ہندوستان جب سیاسی اور اقتصادی زوال سے ہمکنار ہوا اور صوبوں پر مرکز کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تو روہیلوں نے اپنے عسکری نظام کی بدولت مختلف مرکز قائم کرلئے۔ بریلی، شاہجہان پور، آنولہ، سنبھل، مرادآباد وغیرہ میں محمد خان روہیلہ نے اعتماد الدولہ امین خاں کی نظر التفات سے سرفراز ہوکر روہیلکھنڈ کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس طرح روہیلوں کی جدید طاقت بھی ملک میں مسلم ہوگئی۔

یہی وجہ ہے کہ احمد شاہ ابدالی نے جب قوم مرہٹہ کا استیصال کیا اور

سلطنت دہلی کا جو نظام قائم کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ رہیلوں کو اتنا سیاسی اقتدار حاصل ہوگیا تھا جس سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں تھا۔

روہیلوں نے اتنی تیزی سے تنظیم کی کہ اٹھارویں صدی کی سیاست میں انھوں نے اپنے لئے ایک خاص مقام پیدا کر لیا۔ یہ عیش و عشرت کی زندگی سے بالکل محفوظ تھے۔ ان میں عسکری صلاحیت اور سیاسی بصیرت کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ وہ مہلک امراض جنھوں نے مغلیہ سلطنت کے جسم کو کھوکھلا کر دیا تھا، ان کو چھو کر بھی نہ گزرے تھے۔ وہ حکمران کی حیثیت سے بھی امتیازی شان رکھتے تھے اس معاملہ میں وہ مرہٹوں کے بالکل برعکس تھے۔ مرہٹے چوتھ وصول کرنے کے بعد کبھی یہ بھی نہ سوچتے تھے کہ ان علاقوں کی نگہداشت کی اخلاقی ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن روہیلوں نے جن علاقوں پر حکومت کی ان کے باشندوں کو اپنی انصاف پسندی سے فتح کر لیا۔ ان علاقوں میں ان کے نام کی بھی عزت کی جاتی تھی انھوں نے اپنے مفتوح علاقوں میں خوشحالی فارغ البالی کا دور دورا کر دیا[1]

اکثر روہیلے مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ اور بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت مرزاؒ نے روہیلکھنڈ کے متعدد اسفار بھی کئے جن سے اس علاقہ میں بڑا فائدہ پہونچا۔

---

[1] مشائخ چشت ص ۳۲۵

حضرت شاہ صاحب اور نواب نجیب[1] الدولہ والیٔ نجیب آباد کے تعلقات بہت گہرے تھے۔

---

[1] نواب نجیب الدولہ نے ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا کہ شاہ ولی اللہؒ صاحب کے طریقے کی تعلیم واشاعت ہو۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ص۴۷) شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نزد اوصد عالم بود ادنی پنج روپیہ و اعلیٰ پنج صد روپیہ می یافت اسکے پاس نو سو علماء تھے کم سے کم پانچ روپیہ اور زیادہ سے زیادہ پانچ سو روپیہ وظیفہ پانے والے تھے۔ (ملفوظات ص۱۰۱)

زوال کے اسباب

شاہ صاحبؒ کی نظر میں

حضرت شاہ صاحبؒ نے مسلمانوں اور مغلیہ حکومت کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس کے زوال و انحطاط کے اسباب الگ الگ متعین فرمائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے خیال میں عام مسلمانوں کے انحطاط کا سبب ان کی مذہبی امور سے بے اعتنائی اور علوم دینیہ سے عام غفلت و بے تعلقی تھی۔ اس زمانہ کی دینی حالت حد درجہ خراب تھی۔

سلطنتِ مغلیہ کے زوال کا سبب بادشاہوں کی غفلت شعاری ان کی عیش پسندی اور اقتصادی زبوں حالی کو قرار دیا آپ کے خیال میں اقتصادی انحطاط بدنظمیوں اور سیاسی انتشار کا باعث تھی۔ آپ نے بتایا کہ جس جگہ سوسائٹی میں اقتصادی توازن نہ ہو وہاں طرح طرح کے روگ پیدا ہو جاتے ہیں، نہ وہاں عدل و انصاف قائم ہو سکتا ہے نہ مذہب اپنا اچھا اثر ڈال سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ نے مسلم سوسائٹی کے ہر طبقہ سے خطاب فرمایا اور اسکی بے راہ روی پر اسکو پورے طور پر کھلکر متنبہ کیا۔ ایک ایک گروہ کا نام لے کر اسکے نقائص پر بھرپور تنقید فرمائی۔ اور شاہراہِ عمل کی راہنمائی فرمائی۔

ارباب حکومت اور سلاطین اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"اے بادشاہو! اس زمانے میں ملاء اعلیٰ کی مرضی اس امر پر مستقر ہو چکی ہے کہ تم تلواریں کھینچ لو اور اس وقت تک نیام میں داخل نہ کرو، جب تک مسلم، مشرک سے بالکلیہ جدا نہ ہو جائے اور اہل کفر و فسق کے سرکش لیڈر کمزوروں کے گروہ میں جا کر شامل نہ ہو جائیں اور یہ کہ ان کے قابو میں پھر کوئی ایسی بات نہ رہ جائے جس کی بدولت وہ آئندہ سر اٹھا سکیں۔ قَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (یعنی ان سے جنگ کرتے رہو تا آنکہ فتنہ فرو ہو جائے اور "دین" صرف اللہ کے لئے مخصوص ہو جائے) پھر جب کفر و اسلام کے درمیان ایسا نمایاں امتیاز پیدا ہو جائے تب تمہیں چاہئے۔ کہ ہر تین دن یا چار دن کی مسافت پر اپنا ایک حاکم مقرر کرو، ایسا حاکم جو عدل و انصاف کا مجسمہ ہو، قوی ہو جو ظالم سے مظلوم کا حق وصول کر سکتا ہو۔ اور اللہ کے حدود کو قائم کر سکتا ہو۔ اور اس میں سرگرم ہو کہ پھر لوگوں میں بغاوت و سرکشی کے جذبات پیدا نہ ہوں نہ وہ جنگ پر آمادہ ہوں۔ اور نہ دین سے مرتد ہونے کی کسی میں جرأت باقی رہے۔ نہ کسی گناہ کبیرہ کے ارتکاب میں کسی کو مجال ہو سکے اسلام کا کھلے بندوں اعلان ہو اور اس کے شعائر کا علانیہ اظہار کیا جائے ہر شخص اپنے متعلقہ فرائض کو صحیح طور پر ادا کرے۔ چاہئے کہ ہر شہر کا حاکم اپنے پاس

اتنی قوت رکھے جسکے ذریعہ سے اپنی آبادی کی اصلاح کرسکتا ہو مگر اسی کے ساتھ اسکو اتنی قوت فراہم کرنے کا موقع نہ دیا جائے کہ جس کے بل بوتے پر وہ خود اس سے نفع گیر ہونیکی تدبیریں سوچنے لگے۔ اور حکومت کے مقابلہ پر آمادہ ہو جائے۔

چاہیئے کہ اپنے متعلقہ علاقہ پر ایسے امیر مقرر کئے جائیں جو جنگی مہات کا بھی اختیار رکھتے ہوں۔ ایسے امیر کے ساتھ بارہ ہزار کی جمعیت رکھی جائے۔ لیکن وہ جمعیت ایسے آدمیوں کی ہو جنکے دل میں جہاد کا ولولہ ہو۔ اور راہِ خدا میں کسی کی ملامت سے خوفزدہ نہ ہوں۔ ہر سرکش و متمرد سے جنگ اور مقابلہ کی ان میں صلاحیت ہو اے بادشاہو! جب تم یہ کرلو گے تو اس کے بعد ملاءِ اعلےٰ کی رضامندی یہ چاہے گی کہ تم لوگوں کی منزلی اور عائلی زندگی کی طرف توجہ کرو۔ ان کے باہمی معاملات کو سلجھاؤ۔ اور ایسا کردو کہ پھر کوئی معاملہ ایسا نہ ہونے پائے جو شرعی قوانین کے مطابق نہ ہو۔ اسی کے بعد لوگ امن و امان کی صحیح مسرت سے فائز المرام ہوسکتے ہیں"

امراء جنھوں نے عیش و عشرت کو مقصد حیات بنالیا تھا۔ آپ نے ان کو بھی مخاطب فرمایا اور کتنے صاف و صریح الفاظ میں ملاحظہ ہو۔

"اے امیرو! دیکھو! کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ دنیا کی فانی لذتوں میں تم ڈوبے جارہے ہو۔ اور جن لوگوں کی نگرانی تمہارے

سپرد ہوئی ہے ،ان کو تمنے چھوڑ دیا ہے تاکہ ان میں بعض بعض
کو کھاتے اور نگلتے رہیں ـــــ کیا تم علانیہ شرابیں نہیں پیتے ؟
اور پھر اپنے اس فعل کو برا بھی نہیں سمجھتے۔ تم دیکھ نہیں رہے ہو
کہ بہت سے لوگوں نے اونچے اونچے محل اسلئے کھڑے کئے ہیں کہ
ان میں زنا کاری کی جائے۔ اور شرابیں لنڈھائی جائیں۔ جوا کھیلا
جائے۔ لیکن تم اس میں دخل نہیں دیتے اور اس حال کو نہیں
بدلتے۔

کیا حال ہے ان بڑے بڑے شہروں کا ؟ جن میں پچھتّر سال
سے کسی پر حد شرعی نہیں جاری ہوئی۔ جب کوئی کمزور مل جاتا ہے
تو اسے پکڑ لیتے ہو اور جب قوی ہوتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو۔ تمہاری
ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں
پکواتے رہو۔ اور نرم و گداز جسم والی عورتوں سے لطف اٹھاتے
رہو۔ اچھے کپڑوں اور اونچے مکانات کے سوا تمہاری توجہ اور کسی
طرف نہیں ہوتی۔ کیا تم نے اپنے سر کبھی اللہ پاک کے سامنے
جھکائے ؟ خدا کا نام تمہارے پاس صرف اسلئے رہ گیا ہے کہ
اپنے تذکروں اور قصے کہانیوں میں اس پاک نام کو استعمال کرو،
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے لفظ سے تمہاری مراد زمانہ کا انقلاب
ہے" کیونکہ تم اکثر بولتے ہو خدا قادر ہے کہ ایسا کردے یعنی زمانے
کے انقلاب کی یہ تعبیر ہے"۔

فوجی سپاہیوں کو اس طرح مخاطب فرماتے ہیں۔

" اے فوجیو! اور عسکریو! تمہیں خدا نے جہاد کے لئے پیدا فرمایا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اللہ کی بات اونچی ہوگی۔ اور خدا کا کلمہ بلند ہوگا۔ اور شرک اور اس کی جڑوں کو تم دنیا سے نکال پھینکو گے۔ لیکن جس کام کے لئے تم پیدا کئے گئے تھے اسے تم چھوڑ بیٹھے اب جو تم گھوڑے پالتے ہو، ہتھیار جمع کرتے ہو، اس کا مقصد صرف یہ رہ گیا ہے کہ محض اپنی دولت میں اضافہ کرو، اس سلسلہ میں جہاد کی نیت سے تم بالکل خالی الذہن رہتے ہو ـــــ تم شرابیں پیتے ہو، بھانگ کے پیالے چڑھاتے ہو۔ ڈاڑھیاں منڈواتے ہو اور مونچھیں بڑھاتے ہو عام لوگوں پر زیادتیاں اور ظلم کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ ان کا لے کر کھاتے ہو، اس کی قیمت ان تک نہیں پہنچتی ـــــ خدا کی قسم تم عنقریب اللہ کی طرف واپس کئے جاؤ گے پھر تمہیں وہ بتائے گا، جو کچھ تم کیا کرتے تھے ـــــ تمہارے ساتھ خدا کی یہ مرضی ہے کہ اچھے، پارسا، صالحین غازیوں کا لباس اور ان کی وضع اختیار کرو۔ چاہیئے کہ اپنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کتواؤ، پنجوقتہ نماز ادا کیا کرو، اور عام لوگوں کے مال سے بچتے رہو، جنگ اور مقابلہ کے میدان میں ڈٹے رہو، تمہیں چاہیئے کہ سفر اور جنگ وغیرہ کے موقع پر نماز میں جو آسانیاں اور رخصتیں رکھی گئی ہیں انھیں سیکھ لو۔ مثلاً قصر کرنا، جمع کرنا۔ سنتوں کے ترک

کرنے کی اجازت ہے اس سے واقف ہونا۔ تیمم کی اجازت سے مطلع ہونا۔ پھر اس کے بعد نماز کو خوب زور سے پکڑلو اور اپنی نیتوں کو درست کرلو۔ تو پھر اللہ پاک تمہارے جاہ ومنصب میں برکت دے گا اور دشمنوں پر تمہیں فتح عطا فرمائے گا۔"

عام پیشہ وروں کو خطاب فرماتے ہیں۔

"ارباب پیشہ! دیکھو! امانت کا جذبہ تمسے مفقود ہوگیا ہے تم اپنے رب کی عبادت سے خالی الذہن ہو چکے ہو اور تم اپنے فرضی اور بنائے ہوئے معبودوں پر قربانیاں پڑھاتے ہو، تم مدار صاحب اور سالار صاحب کا حج کرتے ہو، تم میں بعض لوگوں نے فال بازی اور ٹوٹکا اور گنڈے وغیرہ کا پیشہ اختیار کررکھاہے یہی ان کی دولت ہے اور یہی ان کا ہنر ہے۔ یہ لوگ خاص قسم کا لباس پہنتے ہیں۔ خاص طرح کے کھانے کھاتے ہیں۔ ان میں جن کی آمدنی کم ہوتی ہے وہ اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کے حقوق کی پرواہ نہیں کرتے۔ تم میں بعض شراب خوری کا پیشہ بنائے ہوئے ہیں اور تم ہی میں کچھ لوگ عورتوں کو کرایہ پر چلاکر پیٹ پالتے ہیں۔ یہ کیسا بدبخت آدمی ہے، اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کررہا ہے۔ حالانکہ حق تعالےٰ نے تمہارے لئے قسم قسم کے پیشے اور کمانے کھانے کے دروازے کھول رکھے ہیں جو تمہاری اور تمہارے متعلقین کی ضرورتوں کے لئے کافی ہوسکتے ہیں بشرطیکہ

تم اعتدال کی راہ اپنے خرچ میں اختیار کرو۔ اور محض اتنی روزی پر قناعت کرنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ جو تمہیں آسانی سے اخروی زندگی کے نتائج تک پہونچا دے۔ لیکن تم نے خدا کی ناشکری کی، اور رزق کے حاصل کرنے کے لئے غلط راہ اختیار کی۔ کیا تم جہنم کے عذاب سے نہیں ڈرتے جو بڑا برا بچھونا ہے۔

دیکھو! اپنی صبح و شام کو تم خدا کی یاد میں بسر کیا کرو، اور دن کے بڑے حصے کو اپنے پیشے میں صرف کیا کرو، اور رات اپنی عورتوں کے ساتھ گذارو، اپنے خرچ کو آمدنی سے ہمیشہ کم رکھا کرو، پھر جو بچ جایا کرے اس سے مسافروں اور مسکینوں کی مدد کیا کرو، اور کچھ اپنے اتفاقی مصائب اور وقتی ضرورتوں کے لئے پس انداز کیا کرو،

تم نے اگر اس راہ کو اختیار نہ کیا تو غلط راہ پر جا رہے ہو اور پھر تمہاری تدبیر درست نہ ہو گی"

اسی طرح سے زاہدوں، واعظوں عام طلبۂ علم، اور مشائخ کی اولاد کو مخاطب فرمایا۔ مشائخ کی اولاد کو نصیحت فرماتے ہیں کہ تحذب اور گروہ بندی سے باز آئیں۔ حکم شرع کے مقابلہ میں آباء و اجداد کی ڈالی ہوئی رسوم باطلہ کو ترک کریں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت سے تمسک کریں۔ فرماتے ہیں۔

"اے وہ لوگو! جو اپنے آباو اجداد کی رسوم کو بغیر کسی حق کے

پکڑے ہوئے ہو، یعنی گذشتہ بزرگان دین کی اولاد میں ہو میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ کو کیا ہوگیا ہے کہ ٹکڑیوں ٹکڑیوں، ٹولیوں ٹولیوں میں آپ لوگ بٹ گئے ہیں، ہر ایک الگ اپنا اپنا راگ الاپ رہا ہے اور جس طریقے کو اللہ نے اپنے رسول محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے نازل فرمایا تھا اور محض اپنے لطف و کرم سے جس طریقہ کی اللہ نے رہنمائی فرمائی تھی اسے چھوڑ کر تم میں کا ہر ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے اور لوگوں کو اسی طرف بلا رہا ہے اپنی جگہ اپنے کو راہ یافتہ اور راہنما ٹھہرائے ہوئے ہے۔ حالانکہ دراصل وہ خود گم کردہ راہ اور دوسروں کو بھٹکانے والا ہے ہم ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو لوگوں کو محض اسلئے مرید کرتے ہیں تاکہ ان سے ٹکے وصول کریں، وہ ایک شریف علم کو سیکھ کر دنیا بٹورتے ہیں۔ کیونکہ جب تک اہل دین کی شکل و شباہت اور طرز و انداز وہ نہ اختیار کریں گے دنیا حاصل نہیں ہو سکتی۔

اور نہ میں ان لوگوں سے راضی ہوں جو سوائے اللہ و رسول کے خود اپنی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں۔ اور اپنی مرضی کی پابندی کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں۔ یہ لوگ رہزن ہیں، راہ گیر ہیں، ان کا شمار دجالوں کذابوں، فتانوں، اور ان لوگوں میں ہے جو خود فتنہ اور آزمائش کا شکار ہیں۔

خبردار، خبردار ہرگز اسکی پیروی نہ کرنا، جو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو اور اپنی طرف بلاتا ہو، اور چاہیئے کہ زبانی جمع خرچ صوفیاء کرام کے اشاروں کے متعلق، عام مجلسوں میں نہ کیا جائے کیونکہ تصوف سے مقصد تو صرف یہ ہے کہ آدمی کو احسان کا مقام حاصل ہو جائے لوگو! دیکھو! کیا تمہارے لئے اللہ پاک کے ارشاد میں کوئی عبرت نہیں ہے،

اِنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا	یہ میری راہ ہے سیدھی، تو اس
فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ	پر چل پڑو اور مختلف راہوں
فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ	کے پیچھے نہ پڑو وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بچھڑا دیں گی،

طلباء، جو یونانی علوم میں سر کھپا کر سمجھ رہے تھے کہ بڑا کام انجام دے رہے ہیں، علوم شرع سے چشم پوشی کر رہے تھے انکو خطاب کرکے انھیں متنبہ فرماتے ہیں کہ یہ راستہ جو تم نے اختیار کر رکھا ہے وہ منزل تک نہیں پہونچا سکتا اصل علم، علم شرع ہے۔
فرماتے ہیں۔

" ارے بد عقلو! جنھوں نے اپنا نام "علماء" رکھ چھوڑا ہے تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو، اور صرف و نحو و معانی میں غرق ہو، اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے، یاد رکھو! علم تو قرآن کی

کسی آیت محکم کا نام ہے یا پھر سنت ثابتہ قائمہ کا۔

تمہیں چاہیئے کہ قرآن سیکھو! پہلے اسکے عزیب لغات کو حل کرو پھر سبب نزول کا پتہ چلاؤ اور اس کے مشکلات کو حل کرو، اسی طرح جو حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح ثابت ہو چکی ہے اسے محفوظ کرو، یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے، حضورؐ کے وضو کرنے کا کیا طریقہ تھا، اپنی ضرورت کے لئے کس طرح جاتے تھے۔ اور حج کیونکر ادا فرماتے تھے۔ آپ کے جہاد کا کیا طریقہ تھا۔ گفتگو کا کیا انداز تھا۔ اپنی زبان مبارک کی کس طرح حفاظت فرماتے تھے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے، چاہیئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پوری روش کی پیروی کرو۔ اور آپ کی سنت پر عمل کرو، مگر اس میں بھی اس کا خیال رہے کہ جو سنت ہے اسے سنت ہی سمجھو نہ کہ اسے فرض کا درجہ عطا کرو۔ اسی طرح چاہیئے کہ جو تم پر فرائض ہیں انھیں سیکھو مثلاً وضو کے ارکان کیا ہیں، نماز کے ارکان کیا ہیں زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے، قدر واجب کیا ہے، میت کے حصوں کی مقدار کیا ہے، پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عام سیرت کا مطالعہ کرو، جس سے آخرت کی رغبت پیدا ہو، صحابہ اور تابعین کے حالات پڑھو، اور یہ چیزیں فرائض سے فاضل اور زیادہ ہیں، لیکن ان دنوں جن چیزوں میں تم ابھی الجھے ہوئے ہو

اور جس میں سر کھپا رہے ہو اس کو آخرت کے علم سے کیا واسطہ یہ دنیا کے علوم ہیں۔"

"جن علوم کی حیثیت صرف ذرائع اور آلات کی ہے (مثلاً صرف و نحو وغیرہ) تو ان کی حیثیت آلہ اور ذریعہ ہی کی رہنے دو، نہ کہ خود ان ہی کو مستقل علم بنا بیٹھو، علم کا پڑھنا تو اسی وجہ سے واجب ہے کہ اس کو سیکھ کر مسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رواج دو، لیکن تم نے دینی شعائر اور اس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں اور لوگوں کو زائد از ضرورت باتوں کا مشورہ دیتے رہے ہو۔

تم نے اپنے حالات سے عام مسلمانوں کو یہ باور کرا دیا ہے، کہ علماء کی بڑی کثرت ہو چکی ہے۔ حالانکہ ابھی کتنے بڑے بڑے علاقے ہیں، جو علماء سے خالی ہیں، اور جہاں علماء پائے جاتے ہیں، وہاں بھی دینی شعائروں کو غلبہ حاصل نہیں ہے۔"

حضرت شاہ صاحب نے واعظوں اور زاہدوں، عابدوں کو دیکھا کہ وہ اپنے وساوس قلبی میں بری طرح مبتلا ہیں، اپنی نادانی سے انھیں دین بلکہ حاصل دین سمجھ بیٹھے ہیں حتیٰ کہ جو لوگ ان کے ان وسوسوں کے معیار پر پورے نہیں اترتے ان کو دین و مذہب ہی سے خارج شمار کرتے ہیں۔ اس لئے آپ نے ان کی غلط فہمیوں کی نشاندہی فرمائی۔ اور صحیح اور متوازن راہ کی طرف ہدایت فرمائی۔ فرماتے ہیں۔

"دین میں خشکی اور سختی کی راہ اختیار کرنیوالوں سے میں پوچھتا ہوں

اور عابدوں، زاہدوں اور ان گوشہ نشینوں سے سوال کرتا ہوں جو خانقاہوں میں بیٹھے ہیں ـــــ کہ بہ جبر اپنے اوپر دین کو عائد کرنیوالو! تمہارا کیا حال ہے، ہر بری بھلی بات ہر رطب ویابس پر تمہارا ایمان ہے لوگوں کو جعلی اور گڑھی ہوئی حدیثوں کا وعظ سناتے ہو اللہ کی مخلوق پر تمنے زندگی تنگ کردی ہے حالانکہ تم تو اسلئے پیدا ہوئے تھے کہ لوگوں کو آسانیاں بہم پہونچاؤ گے نہ کہ ان کو دشواریوں میں مبتلا کردو گے، تم ایسے لوگوں کی باتیں اپنے واسطے دلیل میں پیش کرتے ہو جو بیچارے مغلوب الحال تھے، اور عشق و محبت الٰہی میں عقل و حواس کھو بیٹھے تھے۔ حالانکہ اہل عشق کی باتیں وہیں کی وہیں لپیٹ کر رکھدی جاتی ہیں۔ نہ کہ ان کا پرچار کیا جاتا ہے۔

تم نے وسواس کو اپنے لئے گوارہ کرلیا ہے اور تم نے اس کا نام احتیاط رکھ چھوڑا ہے، حالانکہ تمہیں صرف یہ چاہیئے کہ اعتقاداً احسان کے مقام کے لئے جن امور کی ضرورت ہے، بس ان کو سیکھ لیتے، لیکن جو بیچارے اپنے خاص حال میں مغلوب تھے خواہ مخواہ ان کی باتوں کو خالص احسانی امور میں گڈمڈ کرنے کی حاجت نہ تھی۔ اور نہ ارباب کشف کی باتوں کو ان میں مخلوط کرنے کی ضرورت تھی

تمہیں چاہیئے کہ مقام احسان کی طرف لوگوں کو بلاؤ، پہلے خود اسے سیکھ لو پھر دوسروں کو اس کی طرف دعوت دو، کیا تم اتنا

بھی نہیں سمجھتے! کہ سب سے بڑی رحمت اور سب سے بڑا کرم اللہ کا وہ ہے جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پہونچایا ہے ہدایت صرف وہی ہے جو آپؐ کی ہدایت ہے پھر کیا تم بتا سکتے ہو کہ جن افعال کو تم کرتے ہو، وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام کیا کرتے تھے"؟

آخر میں حضرت شاہ صاحب نے عام مسلمانوں کو خطاب فرمایا ہے۔ کسی خاص طبقہ کی تخصیص نہیں فرمائی ہے ان کے دینی شعور کو بیدار کیا اور ان کی خود ساختہ رسوم باطلہ پر تنقید فرمائی۔ ان کے ان اعمال پر متنبہ کیا جنکا تعلق انکے اوہام اور وساوس شیطانی سے تھا۔

فرماتے ہیں۔

"میں مسلمانوں کی عام جماعت کی طرف اب مخاطب ہوں اور کہتا ہوں۔ اے آدم کے بیٹو! دیکھو! تمہارے اخلاق سوچکے ہیں تم پر بیجا حرص و آز کا بھوت سوار ہوگیا ہے۔ تم پر شیطان نے قابو پالیا ہے، عورتیں مردوں کے سر چڑھ گئی ہیں۔ اور مرد عورتوں کے حقوق برباد کر رہے ہیں، حرام کو تمنے اپنے لئے خوشگوار بنالیا ہے اور حلال تمہارے لئے بدمزہ ہوگیا ہے پھر قسم ہے اللہ پاک کی اللہ نے ہرگز کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے چاہیئے کہ تم اپنی نفسانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعہ پوری کرو، خواہ تمہیں ایک سے زائد نکاح کرنے پڑیں۔"

اور اپنے مصارف، وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو، اسی قدر خرچ کرو، جس کی تم میں سکت ہو، یاد رکھو! ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا، اور اپنے اوپر خواہ مخواہ تنگی سے کام نہ لو، اگر تم ایسا کروگے، تو تمہارے نفوس بالآخر فسق کی حدود تک پہونچ جائیں گے اللہ تعالےٰ اسکو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے اس کی آسانیوں سے نفع اٹھائیں۔ جیسا کہ یہ بھی اسی کو پسند ہے کہ جو چاہیں وہ اعلیٰ مدارج پر احکام کی پابندی بھی کرسکتے ہیں۔

اپنے شکم کی خواہشوں کی تکمیل کھانوں سے کرنی چاہیئے، اور تم اتنا کمانے کی کوشش کرو جس سے تمہاری ضرورتیں پوری ہوں دوسرے کے سینہ پر بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو، کہ ان سے مانگ مانگ کر کھایا کرو، تم ان سے مانگو اور وہ نہ دیں، اسی طرح بیچارے بادشاہوں اور حکام کے اوپر بھی بوجھ نہ بن جاؤ تمہارے لئے یہی پسندیدہ ہے کہ تم خود کما کر کھایا کرو، اگر تم ایسا کروگے تو خدا تمہیں معاش کی بھی راہ سجھائے گا جو تمہارے لئے کافی ہے۔

اے آدم کے بچو! جسے خدا نے ایک جائے سکونت دے رکھی ہو، جس میں وہ آرام کرے، اتنا پانی جس سے سیراب ہو، اتنا کھانا جس سے بسر ہو جائے، اتنا کپڑا جس سے بدن ڈھک جائے ایسی بیوی جو اس کی شرمگاہ کی حفاظت کرسکتی ہو، اور اس کے رہن سہن میں مدد دے سکتی ہو۔ تو یاد رکھو! اس شخص کو کامل طور

سے دنیا مل چکی ہے، چاہیئے کہ اس پر خدائے پاک کا شکر ادا کرے۔

بہرحال کوئی نہ کوئی کمائی کی راہ ضرور اختیار کرنی چاہیئے۔ اسی کے ساتھ قناعت کو اپنا دستور بنائے، اور رہنے سہنے میں اعتدال کی راہ اختیار کرے، اور اللہ کی یاد کے لئے جو فرصت بھی دستیاب ہو اسے غنیمت سمجھے۔ کم از کم تین وقتوں۔ صبح، شام اور پچھلی رات کے ذکر کا خاص طور سے خیال رکھے، حق تعالےٰ کی یاد، اس کی تسبیح و تہلیل اور قرآن پاک کی تلاوت کے ذریعہ سے کیا کرے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سننے اور ذکر اذکار کے حلقوں میں حاضر ہوا کرے۔"

"اے آدم کے بیٹو! تم نے ایسے خراب رسوم اختیار کر لئے ہیں جن سے دین کی اصلی صورت بگڑ گئی ہے، تم محرم کی دسویں تاریخ کو جھوٹی باتوں پر جمع ہوتے ہو، اسی طرح شب برات میں کھیل کود کرتے ہو اور مردوں کے لئے کھانے پکا پکا کر کھلانے کو اچھا خیال کرتے ہو اگر تم اپنے ان اعمال میں سچے ہو تو ان کی دلیل پیش کرو۔"

"اسی طرح اور بھی بہت سی رسمیں تم میں جاری ہیں جنھوں نے تم پر تمہاری زندگی تنگ کر دی ہے مثلاً شادی بیاہ کے موقعوں پر دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلف برتنا شروع

کر دیا ہے اسی طرح ایک بری رسم یہ بھی ہے کہ کچھ بھی ہو جائے لیکن طلاق کو گویا تم نے ناجائز ٹھہرا لیا ہے یوں ہی بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکے رکھتے ہو۔ ان رسوم میں تم اپنی دولت ضائع کرتے ہو۔ وقت برباد کرتے ہو، اور جو صحت بخش روش تھی اسے چھوڑ بیٹھے ہو۔

تم نے اپنی نمازیں برباد کر رکھی ہیں، تم میں کچھ لوگ ہیں جو دنیا کمانے میں اور اپنے دھندوں میں اتنے پھنس گئے ہیں کہ نماز کا انھیں وقت ہی نہیں ملتا، کچھ لوگ ہیں جو قصہ کہانی سننے میں وقت گنواتے ہیں، خیر پھر بھی اگر ایسی مجلسیں لوگ ایسے مقامات پر قائم کیا کرتے جو مسجدوں سے قریب ہوں تو شائد ان کی نمازیں ضائع نہ ہوتیں، تم نے زکوٰۃ کو چھوڑ دیا ہے، حالانکہ کوئی ایسا دولتمند نہیں ہے جس کے اقربا و اعزہ میں حاجتمند لوگ نہیں ہوتے۔ اگر ان لوگوں کی وہ مدد کیا کریں، ان کو کھلایا پلایا کریں اور زکوٰۃ کی نیت کر لیا کریں تو یہ بھی ان کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔

تم میں بعضوں نے روزے چھوڑ رکھے ہیں، خصوصاً جو فوجی ملازم ہیں کہتے ہیں کہ وہ روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہیں۔ یعنی جو محنت انھیں برداشت کرنی پڑتی ہے اس کے ساتھ روزے نہیں رکھ سکتے۔

تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ تم نے غلط راہ اختیار کر رکھی ہے

اور تم حکومت کے سینہ پر بوجھ بن گئے ہو، بادشاہ جب اپنے
خزانہ میں اتنی گنجائش نہیں پاتا جس سے تمہاری تنخواہ ادا کرسکے
تب وہ رعایا پر زندگی دشوار کرتا ہے، سپاہیو! یہ تمہاری کیسی
بری عادت ہے!

کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، جو روزے رکھتے ہیں، لیکن سحری نہیں
کرتے، اور رمضان میں ان سخت کاموں کو نہیں چھوڑتے جن کی
وجہ سے روزے ان پر گراں ہو جاتے ہیں[۱]۔

ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی مبصرانہ نظر، امت مسلمہ کی زندگی کے کن کن گوشوں تک پہونچتی ہے اور اس کی کمزوریوں کے اسباب کو کیسے مجرآمندانہ انداز میں کھول، کھول کر بیان فرماتے ہیں۔ اور جادۂ مستقیم پر گامزن کرنے کی کیسی کچھ سعیٔ بلیغ فرماتے ہیں۔ جن کو پڑھ کر حضرت شاہ صاحب کی تجدیدی شخصیت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ لیکن بانیہمہ ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ ان عبارات میں حضرت شاہ صاحب نے اپنے قلبی احساسات کو تمام وکمال بیان فرمادیا ہے بلکہ آپ کے دردمند اور فکرمند دل کی ایک آواز ہے جس کے پیچھے اضطراب و بے چینی کا ایک بحر ذخار پوشیدہ ہے۔

---

[۱] یہ سارے اقتباسات جو نقل کئے گئے ہیں شاہ صاحب کی معرکۃ الآرا تصنیف تفہیمات میں موجود ہیں۔ یہاں پر صرف انکا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

خود حضرت شاہ صاحب نے تفہیمات میں آگے چل کر ارشاد فرمایا ہے۔

"ملاء اعلیٰ کی طرف سے اصلاحی مطالبات کا اس زمانہ میں جن جن امور کے متعلق تقاضا ہو رہا ہے اس کا ایک طویل باب ہے لیکن کھڑکی سے آدمی بڑی نیکیوں کو جھانک سکتا ہے اور ڈھیر کیلئے اس کا نمونہ کافی ہے"

شاہ صاحبؒ کی جدوجہد

۱۷۰۷ء سے ۱۷۵۸ء تک تخت نشینی کی جنگ نے ملک کے سیاسی نظام کو درہم برہم کر دیا تھا لیکن بادشاہوں اور امراء کی کوتاہ اندیشیوں، عیش پسندیوں اور ان کی مسرفانہ عادتوں نے حالات کو بد سے بدتر کر دیا تھا ملک کے گوشہ گوشہ میں باغیانہ قوتوں نے سر ابھارا ہر طرف لوٹ کھسوٹ، قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو گیا۔ ان حالات میں حضرت شاہ صاحبؒ نے پھر بادشاہ کو اسکے گہوارۂ عیش و عشرت میں بیدار کرنے کی بے پناہ کوشش فرمائی۔ آپ نے بڑی ہمت و جرأت سے بادشاہ اور وزیروں امیروں کے نام دس کلمات کا اعلان جاری فرمایا۔ جو اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی پر مبنی تھے۔

(۱) اصل اصول جس پر حکومت کی بہتری اور ملت بیضار کی رونق موقوف ہے یہ ہے کہ خدا تعالےٰ اور اسکے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے یہ بات لازم کرلیں کہ جب فتحیابی نصیب ہو اور مخالف شکست یافتہ ہو تو سب سے پہلی چیز جسکے اجراء کا مضبوط ارادہ کریں جاٹوں کے علاقے اور ان کے قلعوں کے فتح کرنے کی جدوجہد ہو۔ اس کام میں دینی اور دنیاوی دونوں فائدے ہیں۔ منجملہ ان ضروری کاموں کے بدعاتوں

کی سرزنش کرنا بھی ہے تاکہ کوئی زمیندار اس قسم کی شوخی اور ریاکی کا خیال بھی نہ لائے۔

(۲) خالصہ[۱] کو کشادہ تر کرنا چاہیئے خصوصًا وہ علاقہ جو دہلی کے اردگرد ہے آگرہ۔ حصار۔ دریائے گنگ اور حدود سہرند تک کا سب علاقہ یا اس میں کا اکثر خالصہ ہو، کیونکہ امور سلطنت میں ضعف کا سبب خالصہ کی کمی اور خزانہ کی قلت ہوا کرتی ہے۔

(۳) جاگیر عطا کرنا بڑے بڑے امراء کے لئے مخصوص ہو چھوٹے چھوٹے منصب داروں کو نقد دینا چاہیئے جاگیر نہ دی جائے جیسا کہ شاہجہاں کے عہد میں قاعدہ تھا۔ اس لئے کہ چھوٹے منصب دار جاگیروں پر قابو نہیں پاتے اس لئے ٹھیکہ دینے کی احتیاج ہوتی ہے اسی وجہ سے وہ اکثر اوقات مفلس رہتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو کارہائے پادشاہی میں اچھی طرح مشغول نہیں کر پاتے

(۴) جو لوگ اس فتنہ میں دشمن کے ساتھی ہوئے ہیں ضروری ہے کہ ان کو جاگیر و منصب اور خدمت سے بیدخل کر دیں تاکہ ان کے لئے یہ چیز سزا کے قائمقام ہو جائے۔ اور دوسرے لوگ اس قسم کے مواقع

---

[۱] خالصہ سے وہ علاقہ مراد ہے جو براہ راست مرکزی حکومت یعنی بادشاہ کے تحت ہوتا تھا اسکے محاصل بادشاہ اپنے افسران کے ذریعہ وصول کرتا تھا۔ اس کے بالمقابل جاگیر کا علاقہ ہوتا تھا جس کے محاصل جاگیر دار وصول کرتے تھے اور مرکزی حکومت سے براہ راست اس کا کوئی تعلق نہ ہوتا تھا۔

پرحق نمک کی ادائیگی کے راستہ سے نہ بھٹکیں۔

(۵) شاہی فوج کی ترتیب عمدہ طریقہ سے کرنی چاہیئے۔ اور یہ ترتیب تین طریقوں سے ہوسکتی ہے۔

(۱) وہ داروغہ مقرر کیئے جائیں جو مندرجہ ذیل تین صفات سے متصف ہوں

(الف) نجیب ہوں۔

(ب) بہادر اور اپنے ساتھیوں پر شفیق ہوں۔

(ج) تہ دل سے بادشاہ کے خیر خواہ ہوں۔

(۲) جن لوگوں سے اس فتنہ میں بے عزتی اور نمک حرامی سرزد ہوئی ہے ان کو معزول کرکے دوسروں کو داخل رسالہ کیا جائے۔

(۳) ملازموں کی تنخواہیں بغیر تاخیر کے انکو ملنی چاہئیں۔ اس لئے کہ تاخیر کی صورت میں وہ لوگ سودی قرض لینے پر مجبور ہوتے ہیں اور ان کا اکثر مال ضائع ہوجاتا ہے۔

(۶) خالصہ سے ٹھیکہ دہندگی کی رسم موقوف کردیجائے۔ دیندار واقف کار امین ہر جگہ مقرر کردیئے جائیں۔ ٹھیکہ دینے میں ملک خراب ہوتا ہے اور رعیت پائمال و بدحال ہوجاتی ہے۔

(۷) قاضی و محتسب ایسے لوگوں کو بنایا جائے جو رشوت ستانی کی تہمت نہ لگائے گئے ہوں اور مذہب اہل سنت وجماعت رکھتے ہوں۔

(۸) ....

(۹) ائمہ مساجد کو اچھے طریقہ پر تنخواہ دیجائے۔ نماز باجماعت کی حاضری کی

تاکید اور ماہِ رمضان کی بے حرمتی کی ممانعت پورے طور پر کیجائے۔
(۱۰) بادشاہِ اسلام اور امراءِ عظام ناجائز عیش وعشرت میں مشغول نہوں۔ گزشتہ گناہوں سے سچے دل سے توبہ کریں۔ اور آئندہ گناہوں سے بچتے رہیں۔ سرِدست اگر ان دس کلمات پر عمل کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ بقاءِ سلطنت ، تائیدِ غیبی اور نصرت الٰہی میسر ہوگی وماتوفیقی الاباللہ علیہ توکلت والیہ انیب[1]۔

اس سے حضرت شاہ صاحبؒ کی خداداد سیاسی بصیرت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اگر مغلیہ حکومت شاہ صاحبؒ کے اس نسخۂ کیمیا پر عمل کرتی تو بہت ممکن تھا کہ اتنی جلدی زوال کے آخری حدود تک نہ پہونچتی۔ مگر مدرسہ وخانقاہ کی یہ آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ قلعہ معلی سے اس کا کوئی جواب نہ ملا نتیجہ یہ ہوا کہ زوال وانحطاط کی رفتار تیز سے تیز تر ہوگئی مرکزی حکومت کا ڈھانچہ بے روح ہوکر گرنے لگا۔ صوبائی گورنروں، جاگیرداروں امراء اور حکام سیاسی بدنظمی سے فائدہ اٹھاکر اپنی طاقت بڑھانے لگے اور وہ سلطنت مغلیہ جس کا اقتدار کبھی کشمیر سے دکن اور بنگال سے کابل وقندھار تک تسلیم کیا جاتا تھا سمٹ کر قلعہ معلیٰ کی چاردیواری میں آگئی۔

اسلام اور مسلمانوں کے دورِ نکبت ویاس کو حضرت شاہ صاحبؒ دیکھ رہے تھے۔ بادشاہوں اور امراء کی سرد مہری سے آپ مایوس نہ ہوئے

---

[1] سیاسی مکتوبات ص ۹۳

آپ برابر اس کوشش میں رہے کہ کسی طرح حکومت کے زوال کو روکا جا سکے۔

آپ کی بصیرت اور دور اندیشی نے بھانپ لیا کہ اگر بروقت کوشش نہ کی گئی تو سلطنتِ دہلی مرہٹوں کے ظالمانہ پنجوں میں پھنس جائے گی۔ اس صورت میں مذہب وملت کا جو حشر ہوتا اس سے آپ پورے طور پر آگاہ تھے۔

ان حالات میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی سیاسی بصیرت اور سوجھ بوجھ کی ایسی مثال پیش کی جس کی وجہ سے بڑی حد تک مذہب وملت سے وہ خطرات دور ہو گئے جو مرہٹوں کی جانب سے پیش آ سکتے تھے۔

ایک طرف آپ نے نجیب الدولہ کو اپنا ہمنوا بنا کر، ہمت وجرأت سے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار کیا اور دوسری طرف احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔

احمد شاہ ابدالی کے نام آپ نے جو خط تحریر فرمایا ہے اس میں ہندوستان کی پوری کیفیت لکھ بھیجی۔ اور اسلام اور خدا اور رسول کا واسطہ بھی دیا۔

شاہ صاحب کا خط ابدالی کے نام

بعد حمد وصلوٰۃ کے

یہ چند کلمات ہیں جن کے لکھے جانے کا باعث اسلامی حمیت ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کلمات کو گوش مبارک تک پہونچاوے۔

بادشاہان اسلام کا وجود اللہ تعالے کی ایک زبردست نعمت ہے معلوم ہو کہ ملک ہندوستان ایک وسیع ملک ہے قدیم اسلامی بادشاہوں نے بڑی مدت میں بڑی جد وجہد کے بعد کئی دفعہ میں اس ولایت کو فتح کیا۔ دہلی کے علاوہ ہر علاقے میں علیحدہ علیحدہ فرمانروا تھے۔ مثلاً گجرات، احمد آباد کا علاقہ ایک علیحدہ حکمراں سے تعلق رکھتا تھا ٹھٹہ کا دوسرا بادشاہ تھا۔ بنگالہ ایک اور حاکم کے زیر حکومت تھا۔ اور وہ جداً ایک شخص کے زیر اقتدار تھا جسکو سلطان المشرق یعنی پورب کا بادشاہ کہتے تھے۔ ملک دکھن پانچ حسب ذیل سلطنتوں کا مجموعہ تھا۔

(۱) برہانپور (۲) برار (۳) اورنگ آباد (۴) حیدر آباد (۵) بیجاپور ان پانچوں سلطنتوں میں سے ہر سلطنت کا ایک جداگانہ مستقل بادشاہ تھا۔

مالوہ کا بھی حکمراں علیحدہ تھا اور ان تمام مذکورہ علاقہ جات میں سے ہر ایک علاقہ کا بادشاہ مستقل طور پر صاحب فوج اور صاحب خزانہ ہوتا تھا۔

ہر ایک بادشاہ نے اپنی اپنی مملکت میں مسجدیں تعمیر کرائیں مدرسے قائم کئے، عرب وعجم کے مسلمان اپنے اپنے وطنوں سے منتقل ہو کر ان علاقوں میں آگئے اور یہاں اسلام کی ترویج واشاعت کا باعث بنے۔ اس وقت تک ان لوگوں کی اولاد اسلام کے طور طریقہ پر قائم ہے

ایک اور بھی ملک ہے جو کبھی بھی کسی بادشاہِ اسلام کے قبضہ میں نہیں آیا اور وہ اپنے خالص کفر پر باقی رہا۔ اتنا ضرور ہوا کہ بادشاہ ان راجاؤں سے جو ان کے حدود میں تھے خراج لیا کرتے تھے یہ ملک "راجپوتانہ" کا ہے۔ اس ملک کا طول حدود ٹھٹھ سے لیکر گجرات و اجین کی حد تک بیس منزل ہے یہی وہ باوسعت ملک ہے جو کبھی ملوک اسلامیہ کی نشستگاہ نہیں بنا۔ قصہ مختصر، بادشاہان مغلیہ نے راجپوتوں سے معاہدہ کرلیا۔ اور اس گروہ کو اپنا ماتحت قرار دے کر ان کی مخالفت سے مامون و محفوظ ہو گئے۔ اور جنگ سے دست کشی اختیار کرلی واقعات فن تاریخ تفصیلی طور پر، ان واقعات کو بیان کریں گے۔

غیر مسلموں میں ایک قوم مرہٹہ نامی ہے ان کا ایک سردار ہے اس قوم نے کچھ عرصہ سے دکن اور اس کے اطراف میں سر اٹھایا ہے اور تمام ملک ہندوستان پر اثر انداز ہے۔ شاہان مغلیہ میں سے بعد کے بادشاہوں نے عدم دور اندیشی غفلت اور اختلاف فکر کی بنا پر ملک گجرات مرہٹوں کو دیدیا پھر اسی سست اندیشی اور غفلت کی وجہ سے ملک مالوہ بھی ان کے سپرد کر دیا اور انکو وہاں کا صوبہ دار بنا دیا۔ رفتہ رفتہ قوم مرہٹہ قوی تر ہو گئی اور اکثر بلادِ اسلام ان کے قبضہ میں آ گئے۔ مرہٹوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں سے باج لینا شروع کر دیا۔ اور اس کا نام

چوتھ (یعنی آمدنی کا چوتھا حصہ) رکھا۔

دہلی اور نواح دہلی میں مرہٹوں کا تسلط اس وجہ سے نہ ہو سکا کہ دہلی کے رؤسا پادشاہانِ قدیم کی اور یہاں کے وزراء اور امراء، امرائے قدیم کی اولاد ہیں ناچار مرہٹوں نے ان لوگوں سے یک گو نہ مروت کا معاملہ رکھتے ہوئے عہد و پیمان کر لیا۔ اور رواداری کا سلسلہ جاری کر کے۔ طرح طرح کی چاپلوسی سے دہلی والوں کو اپنی طرف سے امن و امان دے کر چھوڑ دیا۔

دکھن پر بھی مرہٹوں کا قبضہ اس وجہ سے نہ ہو سکا کہ نظام الملک مرحوم کی اولاد نے بڑی بڑی تدبیریں کیں۔ کبھی خود مرہٹوں کے درمیان پھوٹ ڈلوا دی، کبھی انگریزوں کو اپنا رفیق بنا لیا۔ اور برہان پور، اورنگ آباد، بیجاپور جیسے بڑے بڑے شہروں پر نظام الملک کی اولاد قابض رہی۔ البتہ اطراف و نواحی کو مرہٹوں کے لئے چھوڑ دیا۔

المختصر، سوائے دہلی و دکھن کے خالص طور پر مرہٹوں کا تسلط ہے۔ قوم مرہٹہ کا شکست دینا آسان کام ہے بشرطیکہ غازیان اسلام کمرہمت باندھ لیں، حقیقت یہ ہے کہ قوم مرہٹہ خود قلیل ہیں، لیکن ایک کثیر گروہ ان کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ اس گروہ میں سے ایک صف کو بھی اگر درہم برہم کر دیا جائے تو یہ قوم منتشر ہو جائے گی، اور اصل قوم اسی شکست سے ضعیف ہو جائے گی

چونکہ یہ قوم قوی نہیں ہے اس لئے اس کا تمام تر سلیقہ ایسی کثیر فوج جمع کرنا ہے جو چونٹیوں اور ٹڈیوں سے بھی زیادہ ہو دلاوری اور سامان جنگ کی بہتات ان کے یہاں نہیں ہے۔

غرضکہ قوم مرہٹہ کا فتنہ ہندوستان کے اندر بہت بڑا فتنہ ہے۔ حق تعالیٰ بھلا کرے اس شخص کا جو اس فتنہ کو دبائے۔

کافروں کی ایک قوم جاٹ ہے جس کی بود و باش دہلی اور آگرہ کے درمیان ہے یہ دونوں شہر بادشاہوں کے لئے دو حویلیوں کے مانند رہے ہیں مغل بادشاہ کبھی آگرے میں رہتے تھے تاکہ ان کا دبدبہ اور رعب راجپوتانے تک پڑے۔ اور کبھی دہلی میں فروکش ہوتے تھے تاکہ ان کی شوکت وہیبت سہرند اور نواحی سہرند تک اثر ڈالے۔

دہلی اور آگرہ کے درمیان کے مواضعات میں قوم جاٹ کاشتکاری کرتی تھی زمانۂ شاہجہاں میں اس قوم کو حکم تھا کہ گھوڑوں پر سوار نہوں۔ بندوق اپنے پاس نہ رکھیں، اور اپنے لئے گڑھی نہ بنائیں بعد کے بادشاہوں نے رفتہ رفتہ ان کے حالات سے غفلت برتی اور اس قوم نے فرصت کو غنیمت جان کر بہت سے قلعہ تعمیر کرلئے اور اپنے پاس بندوق رکھ کر "بٹ ماری" کا طریقہ شروع کر دیا۔ اورنگ زیب اس وقت دکھن میں قلعۂ بیجاپور و حیدرآباد کے فتح کرنے میں مشغول تھا۔

دکھن ہی سے ایک فوج جاٹوں کی تادیب کے لئے اسنے روانہ کی اور اپنے پوتے کو فوج کا سردار بنایا۔ راجپوتانہ کے رئیسوں نے اس شاہزادے سے مخالفت کرلی۔ جس کی وجہ سے لشکر میں اختلاف واقع ہوا، جاٹوں کی تھوڑی سی عاجزی پر اکتفا کرکے شاہی فوج واپس ہوگئی۔

محمد فرخ سیر کے زمانہ میں اس جماعت کی شورش پھر جوش میں آئی۔ قطب الملک وزیر نے زبردست فوجیں ان کی طرف بھیجیں۔ چورامن جو اس قوم کا سردار تھا۔ بعد جنگ صلح پر راضی ہوگیا، اس کو بادشاہ کے سامنے لائے اور تقصیرات کی معافی دلوائی۔ یہ کام بھی خلاف مصلحت عمل میں آیا۔

پھر محمد شاہ کے عہد میں اس قوم کی سرکشی حد سے تجاوز کرگئی اور چورامن کا چچازاد بھائی سورج مل اس جماعت کا سردار ہوگیا اسنے فساد کا راستہ اختیار کیا چنانچہ شہر بیانہ جو کہ اسلام کا قدیم شہر تھا اور جہاں پر علماء و مشائخ سات سو سال سے اقامت پذیر تھے اس پر قہراً و جبراً قبضہ کرلیا اور مسلمانوں کو ذلت و خواری کے ساتھ وہاں سے نکال دیا۔ اس کے بعد سے سرکشی برابر بڑھتی گئی۔

بادشاہوں اور امیروں کے اختلافات و غفلت کی بنا پر کوئی بھی اس جانب متوجہ نہ ہوا۔ اگر بالفرض ایک امیر اس کی تنبیہ

کا قصد کرتے تو سورج مل کے کارکن دوسرے امرا کی جانب رجوع کرتے ہیں اور اس طرح بادشاہ کے مشورہ کو پلٹ دیتے ہیں۔

پسر محمد شاہ (یعنی احمد شاہ) کے عہد میں صفدر جنگ ایرانی نے خروج کیا اور سورج مل سے سازش کرکے پرانی دہلی پر حملہ کر دیا اور تمام باشندگان شہر کہنہ کو لوٹ لیا۔

پسر محمد شاہ نے شہر کے دروازے بند کرکے جنگِ توپ خانہ شروع کی محض خدا کے فضل سے صفدر جنگ اور سورج مل دو تین ماہ بعد ناکام واپس ہوئے اور صلح و موافقت کی داغ بیل ڈالی۔ چونکہ بادشاہ کے آدمی جنگ سے تھک چکے تھے اسلئے انھوں نے صلح کو غنیمت شمار کیا۔ اس کے بعد سے سورج مل کی شوکت ترقی کر گئی۔ دہلی سے دو کوس کے فاصلہ سے لے کر آگرہ کے آخر تک محلوں میں اور میوات کے حدود سے فیروز آباد و شکوہ آباد تک عرض میں سورج مل قابض ہو گیا کسی کی طاقت نہیں کہ وہاں اذان و نماز جاری کر سکے۔

ایک سال ہوا کہ قلعہ آلور جو کہ تمام میوات کی خبر گیری کے لئے ایک بلند جگہ تھی۔ سورج مل نے اس کو بھی اپنے قبضہ میں لے آیا ارکان سلطنت میں سے کسی کی مجال نہ ہوئی کہ وہ اس کام سے روک دیتا۔

ہندوستان کے محصولات سات آٹھ کروڑ سے کم نہیں ہیں بشرطیکہ غلبہ و شوکت موجود ہو ورنہ ایک کوڑی بھی ملنی مشکل ہے جیساکہ اس وقت دیکھا جا رہا ہے جس علاقہ پر جاٹ قابض ہیں وہ ایک کروڑ روپیہ محصول کی جگہ ہے راجپوتانہ کا علاقہ اپنی وسعت کے باعث دو کروڑ روپیہ سے کم آمدنی کا نہیں ہے بشرطیکہ ہر راجہ پر خراج مقرر کیا جائے۔

محمد شاہ کے زمانہ میں بنگالہ سے ہر سال ایک کروڑ روپیہ کی آمدنی تھی اور وہاں کا صوبیدار ہمیشہ بلاتوقف بھیجتا رہتا تھا اس رقم کی ادائیگی کے باوجود صوبیدار بنگالہ ہندوستان کے امرار میں انتہائی مالدار امیر تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی جبکہ بنگالہ میں بے انتظامی ہے اور وہاں ایک بے وقوف ناواقف کار نوجوان یعنی ناظم قدیم کا پوتا مسلط[۱] ہے پھر بھی وہ نوجوان سے بے شمار خزائن کا مالک ہے۔

سعادت خاں ایرانی اور اس کے بعد اس کا داماد صفدر جنگ صوبہ اودھ پر قابض تھے۔ دو کروڑ اس صوبہ سے وصول کرتے تھے ایک کروڑ خرچ کرتے تھے، اور ایک کروڑ جمع کرتے تھے۔ اسی مالداری نے صفدر جنگ کے اندر بادشاہ سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا کر دیا۔

۱ے سراج الدولہ کی طرف اشارہ ہے جو ۱۷۵۶ء میں علی وردی کے بعد صوبیدار ہوا تھا۔

جاٹ کی فوج کا درہم برہم کرنا بھی تدبیر کے نزدیک آسان کام ہے، انھوں نے جو علاقے اپنے قبضہ میں کر لئے ہیں وہ ان کے نہیں ہیں بلکہ غصب کئے ہوئے ہیں ان کے مواضع کے مالک ابھی تک زندہ ہیں اگر کوئی صاحب شوکت و عدالت بادشاہ مہربانی کا ہاتھ ان مالکوں کے سر پر رکھے تو وہ لوگ سورج مل کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہندوستان کے کفار کا حال تھا۔

رہا مسلمانوں کا حال وہ یہ ہے کہ نوکران بادشاہ جو کہ ایک لاکھ سے زاید تھے ان میں پیادہ، سوار بھی تھے، اہل نقدی و جاگیر دار بھی تھے بادشاہوں کی غفلت سے نوبت یہاں تک پہونچی کہ جاگیر دار اپنی جاگیروں پر عمل و دخل نہیں پاتے کوئی غور نہیں کرتا کہ اسکا باعث بے عملی ہے جب خزانہ بادشاہ نہیں رہا، نقدی بھی موقوف ہوگئی، آخر کار سب ملازمین تتر بتر ہوگئے اور کاسۂ گدائی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سلطنت کا بجز نام کے اور کچھ باقی نہ رہا جب بادشاہ کے ملازمین کا یہ برا حال ہے تو تمام دیگر اشخاص کے حال کو جو کہ وظیفہ خوار یا سوداگر یا اہل صنعت ہیں انھیں پر قیاس کر لینا چاہئے کہ کسقدر خراب ہو گیا ہو گا۔ طرح طرح کے ظلم اور بے روزگاری میں یہ لوگ گرفتار ہیں علاوہ اس تنگی و مفلسی کے جب سورج مل کی قوم نے اور صفدر جنگ

نے ملک دہلی کے پرانے شہر پر دھاوا بولا یہ غریب سب کے سب بے خانماں، پریشاں اور بے مایہ ہو گئے ــــــ پھر متواتر آسمان سے قحط نازل ہوا۔

غرضکہ جماعت مسلمین قابلِ رحم ہے اس وقت جو عمل و دخل بادشاہی سرکار میں باقی ہے وہ ہنود کے ہاتھ میں ہے کیونکہ متصدی اور رکارکن سوائے ان کے اور کوئی نہیں ہے۔ ہمہ قسم کی دولت و ثروت ان کے گھروں میں جمع ہے، افلاس و مصیبت کا بادل مسلمانوں پر چھا رہا ہے۔

بات طویل ہو گئی اور اختصار کے حدود سے باہر نکل گئی حاصل کلام یہ ہے کہ ملک ہندوستان میں غیر مسلموں کے غلبہ کی نوعیت یہ ہے جو معرضِ بیان میں آئی اور مسلمانوں کا ضعف اس حد تک پہونچ گیا ہے جو لکھا گیا۔

اس زمانہ میں ایسا بادشاہ جو صاحب اقتدار و شوکت ہو اور مخالفین کے لشکر کو شکست دے سکتا ہو، دور اندیش اور جنگ آزما ہو، سوائے آنجناب کے اور کوئی موجود نہیں ہے یقینی طور پر جناب عالی پر فرض عین ہے ہندوستان کا قصد کرنا، اور مرہٹوں کا تسلط توڑنا، اور ضعفائے مسلمین کو کفار کے پنجہ سے آزاد کرنا۔ اگر کفر کا غلبہ (معاذ اللہ) اسی انداز پر رہا تو مسلمان اسلام کو فراموش کر دیں گے اور تھوڑا زمانہ نہ گزرنے گا کہ یہ مسلم قوم ایسی

قوم بن جائے گی کہ اسلام اور غیر اسلام میں تمیز نہ ہو سکے گی۔ یہ بھی ایک بلائے عظیم ہے، اس بلائے عظیم کے دفع کرنے کی قدرت بفضل خداوندی جناب کے علاوہ کسی کو میسر نہیں ہے

ہم بندگان الٰہی حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو شفیع گردانتے ہیں اور خدائے عزوجل کے نام پر التماس کرتے ہیں کہ ہمت مبارک کو اس جانب متوجہ فرما کر مخالفین سے مقابلہ کریں۔ تاکہ خدا تعالے کے یہاں بڑا ثواب جناب کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے۔ اور مجاہدین فی سبیل اللہ کی فہرست میں نام درج ہو جائے۔ دنیا میں بے شمار غنیمتیں ملیں، اور مسلمان دست کفار سے خلاصی پا جائیں۔ خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ نادرشاہ کی طرح عمل ہو کہ وہ مسلمانوں کو زیروزبر کر گیا۔ اور مرہٹہ وجٹ کو سالم و غانم چھوڑ کر چلتا بنا۔ نادرشاہ کے بعد مخالفین قوت پکڑ گئے اور لشکر اسلام کا شیرازہ بکھر گیا اور دہلی کی سلطنت بچوں کا کھیل بن گئی۔ پناہ بخدا اگر قوم کفار اسی حال پر رہی اور مسلمان ضعیف ہو جائیں تو اسلام کا نام کہیں باقی نہ رہے گا۔

خدائے تعالے مجاہدین کی صفت میں فرماتا ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ الآیۃ یعنی وہ غیروں پر سخت دل ہیں اور اپنوں پر مہربان ہیں۔

اس جماعت کے وصف میں جو مرتدوں سے مقابلہ کرتی ہے

اللہ تعالٰے نے فرمایا ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰہُ بِقَوْمٍ ۔ الآیۃ یعنی خدا تعالٰے دوست رکھتا ہے ان کو اور وہ دوست رکھتے ہیں خدا تعالٰے کو، وہ مسلمانوں کے سامنے تواضع سے پیش آتے ہیں، اور غیروں پر سخت ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ فتح اسلام اس جماعت کو نصیب ہوتی ہے جس کی یہ شان ہو کہ اگر کسی جگہ مسلمان ہوں تو وہ اپنے بیٹوں اور سگے بھائیوں کی طرح رکھے۔ اور حربی کافر کے مقابلہ میں وہ شیر نر کے مانند ہو۔

پس واجب ہے کہ ان مجاہدات میں تقویت اسلام کی نیت کرلی جائے، جب افواج قاہرہ ایسے مقام پر پہونچیں جہاں پر مسلمان اور غیر مسلمان دونوں رہتے ہوں چاہیے کہ منتظمین خاص طور پر ایسے مقام پر متعین ہوں اور ان کو تاکید کی جائے کہ جو ضعیف مسلمان دیہاتوں میں رہتے ہیں ان کو قصبوں اور شہروں میں لے آئیں پھر کچھ منتظمین قصبوں اور شہروں پر مقرر کئے جائیں جو اس بات کی کامل نگرانی کریں کہ کسی مسلمان کا مال نہ لوٹا جائے اور کسی مسلمان کی عزت میں فرق نہ آنے پائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "اللہ کے نزدیک تمام دنیا کا زوال قتل مسلم کے مقابلہ میں ہیچ ہے" حضرت سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم بقصد عمرہ جب حدیبیہ تشریف

لے گئے، اور کفار قریش نے مکہ میں داخل ہونے سے روکا آخرالامر
کفار مکہ سے صلح ہوگئی۔ اگرچہ بعض بڑے صحابہ میں سے ایسے تھے
جنکی حمیت دینی جوش میں آئی اور اس صلح پر راضی نہیں ہوتے تھے
لیکن حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے قول پر التفات
نہیں فرمایا اور صلح کرلی۔ جب اس سفر سے آنحضورؐ واپس ہوئے
سورۂ انا فتحنا نازل ہوئی اللہ تعالے نے اس سورہ میں صلح کی
حکمت اور تاخیر فتح کی وجہ ظاہر فرمائی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے
ولولا رجال مومنون ونساء مومنات لم تعلموھم تا عذابا
الیما ؕ یعنی اگر نہوتے (مکہ میں) کئی مرد ایمان والے اور کئی عورتیں
ایمان والیاں جنکو تم نہیں جانتے اور یہ خطرہ نہوتا کہ تم ان کو بیں
ڈالوگے پس اس کے نتیجہ میں تم کو گناہ ہوتا بغیر دانست کے (تو تصدیق
خواب بالفعل ہوجاتی اور جلد فتح میسر ہوتی) (خدا نے فتح کو موخر
کیا) تاکہ داخل کردے جسکو چاہے اپنی رحمت کے سایہ میں اگر
ہردو فریق لیک دوسرے سے جدا ہوجاتے تو ہم منکروں پر
(فی الفور) آفت ڈالدیتے۔

یعنی چونکہ مسلمانوں کو مضرت پہونچ جانے کا اندیشہ تھا حکمت
الٰہی نے تقاضہ کیا کہ اس مقصد کو مہلت کے ساتھ انجام دیا جائے
تاکہ منکرین کسی نہ کسی طرح قبول اسلام کرلیں اور مسلمان مجاہدین
کے غلبہ سے محفوظ رہیں چنانچہ صلح حدیبیہ کے دو سال بعد مکہ فتح

ہوا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار اشخاص کے ساتھ ۵ھ مکہ کے قریب پہونچے، اور اہل مکہ بہر طور داخل اسلام ہوئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔

واقعۂ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ میں بادشاہان دور اندیش کو حکمت کی عجیب وغریب تعلیم دی گئی اور وہ یہ ہے کہ مسلم وغیر مسلم کے اختلاط کے مقام پر صلح کا معاملہ کرنا چاہیئے۔ پہلے مخالفین اسلام کو جو مسلمانوں پر تسلط جمائے ہوئے ہوں، متفرق کریں، بعد ازاں ملک خود بخود بادشاہ عادل وو دور اندیش کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیں گے۔[1]

نجیب الدولہ کو حضرت شاہ صاحبؒ اپنے مکتوبات میں راس المجاہدین اور رئیس الغزاۃ کہہ کر پکارتے ہیں۔ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اللہ تعالےٰ آں راس المجاہدین، رئیس الغزاۃ، امیر الامراء کو مسند عزت پر برقرار رکھے اور طرح طرح کی بھلائیاں ظہور میں لائے۔ فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے بعد سلام محبت التزام کے واضح ہو کہ ـــــ جو کچھ معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ اس دور میں تائید ملت اسلامیہ وامت مرحومہ آپ (جو کہ مصدر خیر ہیں) کے پردے میں ظہور کر رہی ہے کسی قسم کا وسوسہ قلب گرامی میں نہ آنے پائے تمام کام انشاء اللہ تعالےٰ دوستوں کی مراد کے مطابق ہوں گے

---

[1] سیاسی مکتوبات۔ مکتوب ۲۷ مرتبہ خلیق احمد نظامی

اور تمام دشمن غلبۂ قہر الٰہی سے پامال ہو جائیں گے۔

ایک خط میں نجیب الدولہ کو لکھتے ہیں۔

"پردۂ غیب میں مرہٹہ اور جٹ کا استیصال مقرر ہو چکا ہے بس وقت پر موقوف ہے۔ جونہی اللہ کے بندے کمر ہمت باندھیں گے طلسم باطل پاش پاش ہو جائے گا"[۱]

ایک خط میں ایسے لکھتے ہیں۔

"جب جنگ کے لئے گھر سے روانہ ہونا تو فقیر کو اطلاع کر دینا تاکہ وہ خدا کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق دعا کرتا رہے۔

جب صفدر جنگ نے جاٹوں سے ساز باز کر لیا تو نجیب الدولہ نے گھبرا کر شاہ صاحب کو خط لکھا شاہ صاحب نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

"عزیز من! جاٹوں کی شکست عالم بالا میں طے ہو چکی ہے تمہیں بالکل گھبرانا نہ چاہیئے۔ اگر مسلمانوں کی ایک جماعت ان کی شریک ہو گئی ہے تو ناامیدی کی کوئی وجہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ انکے ہاتھوں کو روک دے گا۔ اور جنگ نہ کر سکیں گے۔

شجاع الدولہ نے جب مرہٹوں کا مقابلہ کرنے کے لئے نجیب الدولہ اور احمد شاہ ابدالی کا ساتھ دینے کا مصمم عزم کیا۔ تو مرہٹوں نے اس کو رام کرنے کی بیحد کوشش کی۔ چنانچہ انھوں نے اپنا ایک

---

[۱] سیاسی مکتوبات ص۱۱۷

خاص آدمی (جو علامہ غلام علی بلگرامی کا شاگرد تھا) شجاع الدولہ کے پاس بھیجا تاکہ اسے ابدالی کے ساتھ عدم تعاون پر تیار کرے لیکن شجاع الدولہ نے جواب دیا۔

"مردم از دست شاں بجاں آمدہ برائے پاس ناموس و ابروئے خود ورفاہ عالمے شاہ ابدالی را منت از ولایت طلبداشتہ وصدمات اوراپہ نسبت ایذائے مرہٹہ سہل انگاشتہ یعنی لوگوں کا مرہٹوں کے ہاتھوں ناک میں دم آگیا ہے، اپنی عزت و آبرو اور دنیا کی آسائش وآرام کے لئے، ابدالی کو خوشامد برآمد کرکے ولایت سے بلایا گیا ہے، ابدالی سے جو نقصانات پہونچینگے انھیں مرہٹوں کی مصیبت سے آسان سمجھ کر ایسا اقدام کیا گیا ہے۔

حضرت سیدنا شاہ ولی اللہ صاحب کی بالغ نظری اور سیاسی بصیرت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ انھوں نے دو ایسی عظیم شخصیتوں کو ایک ہی نقطۂ فکر پر جمع کر دیا جن کو اٹھارہویں صدی کی سب سے قابل شخصیتیں تصور کیا جاتا ہے اور جن کے ذریعہ مفسدانہ عناصر کی صحیح معنوں میں سرکوبی ممکن تھی۔

حضرت شاہ صاحب کی تحریک پر احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۵۹ء کو پنجاب پر حملہ کیا اور وہاں از سر نو اقتدار قائم کرکے عازم دہلی ہوا۔

تھا نیسر کے مقام پر داتا جی سندھیا نے اپنی پوری قوت سے مقابلہ کیا لیکن اسکو شکست ہوئی۔ دہلی سے تقریباً دس میل کے فاصلہ پر براری گھاٹ پر داتا جی کا خاتمہ ہوا۔ ملہار راؤ ہولکر اور جن کوجی سندھیا نے احمد شاہ ابدالی کی فوجوں کو روکنے کی ناکام کوشش کی۔ پیشوا کو جب ان حالات کی اطلاع ہوئی تو اس نے سداشیو راؤ بھاؤ کو جو نہایت بہادر اور جنگ جو سمجھا جاتا تھا۔ اور جس کی بہادری کے افسانوں سے سرزمین دکن گونج رہی تھی، احمد شاہ ابدالی کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ بھاؤ نے ۳ر اگست ۱۷۶۰ء کی صبح کو دہلی پر قبضہ کر لیا اور پھر شمالی ہند کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ۲۹ر اکتوبر ۱۷۶۰ء کو اس کا بے پناہ لشکر پانی پت کے میدان میں کھڑا تھا۔

احمد شاہ ابدالی یکم نومبر ۱۷۶۰ء کو پانی پت کے میدان میں پہونچا اور خیمہ زن ہو گیا۔ میدان کارزار میں مسلسل ڈھائی مہینے تک افغانوں اور مرہٹوں میں جنگ جاری رہی جس ہمت و جرات کا مظاہرہ مرہٹوں نے اس جنگ میں کیا اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن ۱۴ر جنوری ۱۷۶۱ء کو مرہٹوں کو شکست فاش ہو گئی۔ سداشیو راؤ بھاؤ اور پیشوا کا بیٹا وشواس راؤ لڑتے ہوئے میدان کارزار میں کام آئے مرہٹوں کی طاقت چشم زدن میں کافور ہو گئی مرہٹہ قوم کا کوئی قابلِ ذکر سردار باقی نہ بچا

کہ ان کی دوبارہ تنظیم کرسکتا۔ مہاراشٹر میں کوئی گھر ایسا نہ تھا۔ جس میں صفِ ماتم نہ بچھ گئی ہو۔

اس جنگ سے سلطنتِ مغلیہ اگر فائدہ اٹھانا چاہتی تو آئندہ صدیوں کے لئے اپنا اقتدار پھر قائم کرسکتی تھی مگر اس میں اتنی کمزوری لاحق ہو چکی تھی کہ اس کی ہمت بھی اس کے اندر نہ باقی رہی تھی لیکن اس کے باوجود پانی پت کی جنگ تاریخ میں ایک خاص مقام رکھتی ہے اس نے ہندوستان کی سیاست کا رخ بدل دیا اور مرہٹوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا۔

احمد شاہ ابدالی کو اس جنگ میں جو مالِ غنیمت ہاتھ آیا اس کی تفصیل صاحب سیر المتاخرین نے یہ بتائی ہے۔

"دو ہزار غلام اور لونڈیاں جن میں سے اکثر بڑے اور اوسط درجہ کے لوگوں کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں ابدالی کے لشکر میں تقسیم ہوئیں۔ اور جواہر و نقد روپیہ، اور دوسری قسم کی چیزیں توپخانہ وغیرہ کے قسم کے بے شمار مالِ غنیمت میں ہاتھ آئے پچاس ہزار گھوڑے دو لاکھ بیل، اور کئی ہزار اونٹ پانچسو کوہ پیکر ہاتھی کامیاب اور فتحمند فوج کے قبضہ میں آ گئے۔"

57

اقتصادی حالت

تقریباً چوتھائی صدی تک حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ نے بعض باغیانہ اور مفسدانہ قوتوں کی سرکوبی کے لئے دکن میں صرف کئے۔ یہ حقیقت ہے کہ انھوں نے تمام ذرائع آمدنی کا رخ اسی طرف کر دیا تھا۔ ان لڑائیوں اور جنگوں میں کروڑوں روپیہ صرف ہوا تھا۔ مگر ان کے خداداد تدبر، معاملہ فہمی، حسن انتظام اور بے پناہ سیاسی بصیرت نے ہندوستان کو اقتصادی زبوں حالی سے بچا لیا تھا۔ دکن میں حد سے زیادہ بڑھے ہوئے اخراجات کے باوجود انھوں نے آگرہ کے قلعہ میں چوبیس کروڑ روپیہ چھوڑا تھا لیکن عالمگیرؒ کے نااہل جانشینوں نے اس روپیہ کو بغیر کسی تامل اندیشی کے خوب صرف کیا۔

عالمگیرؒ کی وفات کے بعد ہی ملک جن گوناگوں حالات کا شکار رہا ان کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ملک کے ذرائع محدود سے محدود تر ہوتے گئے، کسی بادشاہ یا امیر و وزیر نے اس جانب توجہ نہیں کی۔ رفتہ رفتہ سارا اقتصادی نظام درہم برہم ہو گیا جسکے نتیجہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کے خیال میں سیاسی اور سماجی انحطاط رونما ہوا۔

بہادر شاہ اول (اورنگ زیبؒ کا جانشین) کا ہاتھ فیاضی میں اتنا کھلا ہوا

تھا کہ سلطنت کی مالی حالت تباہ ہوگئی پھر معز الدین جہاندار کی عیش کوشیوں نے تباہی میں اوراضافہ کردیا کہتے ہیں کہ صرف اس کی محبوبہ لعل کنور پر دو کروڑ روپیہ سالانہ خرچ ہوتے تھے۔ روزانہ عیش و طرب کی محفلیں سجتی تھیں اور ان میں اس کثرت سے چراغاں کیا جاتا تھا کہ دلی میں تیل کا نرخ کافی بڑھ گیا تھا۔ کیونکہ تیل کی قلت ہوگئی تھی۔ اس زمانہ میں بعض دیگر اشیاء کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگی تھیں۔ گیہوں سات سیر فی روپیہ بکنے لگا تھا جبکہ اورنگ زیب اور اس کے پہلے زمانہ میں منوں کے حساب سے بکتا تھا[1]

معز الدین جہاندار کے بعد فرخ سیر جب بادشاہ ہوا تو ان حالات میں اصلاح کے بجائے مزید خرابی پیدا ہوگئی اس کو گھوڑوں کا بڑا شوق تھا۔ اس کے اس شوق نے خزانۂ شاہی پر ناقابل برداشت بوجھ ڈالدیا۔ ہزاروں کی تعداد میں گھوڑے بیکار اس کے اصطبل میں بندھے رہتے تھے اور ہزاروں روپیہ یومیہ ان پر خرچ ہوتا تھا۔

محمد شاہ کی عیش پسندیوں کی داستانیں آج تک گونج رہی ہیں اسباب و علل کچھ بھی ہوں لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ شاہی قلعہ، دربار عام دربار خاص محمد شاہ کی عیش پرستیوں کے طفیل عشرت کدہ بنے ہوئے تھے۔ عیش و طرب کی محفلوں اور رقص و سرود کی مجلسوں نے اسے کبھی اتنی بھی مہلت نہ دی کہ اپنے عزیز اوقات کا کچھ حصہ مآل اندیشی پر صرف کرتا۔ وہ حسن فریبیوں میں ایسا مبتلا ہوا کہ اپنی ساری صلاحیتیں کھو بیٹھا۔ اس طرح سے مالی نظام گرتا ہی رہا۔

---

[1] ملاحظہ ہو نقش حیات جلد اول۔

نادر شاہ درانی کے حملے[1] نے اس گرتے ہوئے مالی نظام کی کمر ہی توڑ دی اسطرح وہ مغلیہ حکومت جس کا آغاز شمشیر و سنان سے ہوا تھا اس کا یہ عبرت ناک انجام طاؤس و رباب پر جاکر ہوا۔

نادر شاہ، نہ صرف یہ کہ بیس ہزار مظلوموں کے قتل کا بوجھ اپنی گردن پر لے گیا، بلکہ دیکھا گیا کہ ستر کروڑ سے زائد روپیہ اپنے ہمراہ لے گیا جس کے بعد شاہی خزانے اور امراء کے محلات خالی نظر آنے لگے۔

احمد شاہ پسر محمد شاہ کے زمانہ میں حالات قابو سے باہر ہو چکے تھے صرف شاہی ملازمین کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی۔ شاہی خزانہ کی تہی مائیگی کا یہ عالم تھا کہ مسلسل "دو" "ڈھائی ڈھائی" سال تک ان کو تنخواہیں نہیں ملتی تھیں حضرت شاہ صاحب نے ابدالی کو لکھا تھا کہ

"ایک لاکھ سے زاید بادشاہ کے نوکر تھے۔ ان میں پیادہ و سوار بھی تھے، اہل نقدی اور جاگیر دار بھی، بادشاہوں کی غفلت سے نوبت یہاں تک پہونچی کہ جاگیر دار اپنی جاگیر پر عمل دخل نہیں پاتے۔ کوئی غور نہیں کرتا کہ اس کا باعث بے عملی ہے۔ جب بادشاہ کا خزانہ نہیں رہا تو نقدی بھی موقوف ہو گئی آخر کار سب ملازمین تتر بتر ہو گئے۔ اور کاسۂ گدائی اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سلطنت

---

[1] نادر شاہ کا قتل عام ۱۱ مارچ ۱۷۳۹ء (بروز اتوار) ۹ بجے صبح سے شروع ہوا اور دو بجے دوپہر تک جاری رہا۔ تقریباً بیس ہزار افراد مقتول ہوئے۔

کا بجز نام کے اور کچھ باقی نہیں رہا[1]

ان حالات سے تنگ آکر سپاہیوں نے شورش بپا کی۔ محلوں کے دروازے روک کر کھڑے ہوگئے۔

ایک امیر کا جنازہ چار روز تک محض اسلئے پڑا رہا کہ فوجیوں نے اسے دفن سے روک رکھا تھا۔ کیونکہ اس امیر نے تنخواہیں نہیں ادا کی تھیں۔

شاہی محلات کے ساز و سامان کی فہرست بنا کر دکانداروں کو دی گئی تھی تاکہ اسکو فروخت کرکے سپاہیوں اور نوکروں کی تنخواہیں ادا کردی جائیں[2]

بادشاہ کی ساکھ اتنی گر گئی تھی کہ مہاجن اور ساہوکار قرض دینے سے جان چراتے تھے۔ شاہی محلات میں، شہزادیوں کے تین تین دن فاقہ کشی کے عبرت انگیز واقعات کو مورخین نے بیان کیا ہے[3]

> عالمگیر ثانی کے زمانہ میں نوبت بانیجا رسید کہ بادشاہ کے دسترخوان کے لئے بھی روپیہ نہ رہا۔ بیگمات بہت سے اخراجات اپنی جیب خاص سے ادا کرتی تھیں۔ فوجیوں نے افلاس سے تنگ آکر گھوڑے بیچدیئے پیدل فوج کے پاس دردیاں تک نہ رہی تھیں جانوروں کو چارہ نہ ملتا تھا۔ اس وجہ سے وہ مرنے لگے تھے۔ فوجی اپنے گھروں سے باہر نہ نکلتے تھے اور بعض اوقات شاہی

---

[1] مکتوب بنام ابدالی [2] سیاسی مکتوبات بحوالہ تذکرہ شاکر خان پانی پتی (قلمی) ص ۲۲

[3] ملاحظہ ہو مشائخ چشت ص ۳۳۴

سواری کی ہمراہی میں بھی نہ ہوتے تھے۔

غلہ کی گرانی کا یہ حال تھا کہ ستمبر و اکتوبر ۱۷۵۷ء میں گیہوں روپیہ کا ۹ سیر مونگ کی دال روپیہ کی ۱/۲ سیر ماش کی دال روپیہ کی پانچ سیر ملتی تھی دواؤں کی مہنگائی سے اہل دہلی پریشان ہو گئے تھے[1]۔

شاہِ عالم کے عہد میں خالصہ کا علاقہ دہلی سے پالم تک رہ گیا تھا۔ مشہور تھا۔

"سلطنتِ شاہ عالم
از دہلی تا پالم"

لیکن یہ بھی رسم ٹھیکہ داری سے محفوظ نہ رہ سکی۔

سر سید احمد خاں نے لکھا ہے کہ

"اکبر شاہ ثانی اگرچہ تخت نشین ہوئے مگر اخراجات کی تنگی کا وہی عالم تھا جو شاہِ عالم کے وقت میں تھا۔

"شاہ عالم کے وقت میں اخراجات کی نہایت تنگی تھی۔ تمام کارخانے ابتر ہو گئے تھے۔ شاہزادوں کو جو قلعے کے نو محلوں میں رہتے تھے، ماہواری روپیہ نہیں ملتا تھا اور چھتوں پر چڑھ کے چلاتے تھے کہ بھوکے مرتے ہیں۔ بھوکے مرتے ہیں[2]"

اور کمال یہ تھا کہ ان شہزادوں کو بھوکے مرنے دیا جاتا تھا لیکن ملازمت

---

[1] سیاسی مکتوبات ص۱۷ بحوالہ زوال مغل امپائر ص۱۵۴

[2] سیرت فریدیہ ص۲۴-۲۳

یا مزدوری کی اجازت نہ دی جاتی تھی اسلئے کہ مزدوری اور ملازمت کرنا اُنکی شان اور مرتبہ سے فروتر بات تھی۔

یہ حالات تو وہ تھے جن کا تعلق براہ رست بادشاہ یا اسکے محلات سے تھا۔ امراء سلطنت کا حال اسراف وفضول خرچی میں بادشاہوں سے ملتا جلتا تھا بادشاہوں کی نقل کرنا ہمیشہ اس طبقہ کا شعار رہا ہے۔ ان کی فضول خرچیوں کی داستانیں تاریخ کے اوراق میں بکھری ہوئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسراف وفضول خرچی میں کتنے بڑھے ہوئے تھے اور ضرورت مند کو ایک حبہ دینے میں کتنا بار محسوس کرتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب نے سلطنت مغلیہ کے زوال کے اسباب کا جب تجزیہ فرمایا تو اقتصادی بدحالی کو سب سے زیادہ اہمیت دی چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"اس زمانہ میں ملک کی تباہی اور بربادی کے زیادہ تر دو سبب ہیں۔ ایک بیت المال یعنی ملک کے خزانہ پر تنگی۔ وہ اس طرح کہ لوگوں کو یہ عادت پڑگئی ہے کہ کسی محنت کے بغیر خزانہ سے روپیہ اس دعوے سے حاصل کریں کہ وہ سپاہی ہیں، یا عالم ہیں جن کا حق اس خزانہ کی آمدنی میں ہے یا ان لوگوں میں سے ہیں جن کو بادشاہ خود انعام واکرام دیا کرتے ہیں۔ جیسے زہد پیشہ صوفی اور شاعر اور دوسرے طریقوں میں سے جو ملک وسلطنت کے کسی کام کے بغیر کسی نہ کسی ایسے طریقے سے روزی حاصل

کرتے ہیں جو محنت کے بغیر ان کو ملتی ہے یہ لوگ ان کے اور دوسرے لوگوں کے ذرائع آمدنی کم کر دیتے ہیں اور ملک پر بوجھ بن جاتے ہیں[۱]

دوسرا سبب کاشتکاروں، بیوپاریوں، اور پیشہ وروں پر بھاری ٹیکس لگانا اور ان پر اس بارے میں سختی کرنا ہے یہاں تک کہ جو بیچارے حکومت کے مطیع اور اس کے حکم کو مانتے ہیں۔ وہ تباہ ہو رہے ہیں اور جو سرکش اور نادہند ہیں۔ وہ اور سرکش ہو رہے ہیں اور حکومت کے محصول ادا نہیں کرتے حالانکہ ملک اور سلطنت کی آبادی سستے محصول اور فوج اور عہدیداروں کے بقدر ضرورت تقرر پر ہے۔ چاہیئے کہ اس زمانے کے لوگ ہوشیار ہو کر سیاست کے اس راز کو سمجھیں[۱]"

آپ نے اس بات کی تصریح کر دی کہ اسلام کا معاشی نظام ایک لمحہ کے لئے بھی یہ برداشت نہیں کرتا کہ اسکی قلمرو میں تجارت، صنعت و حرفت اور دیگر معاشی وسائل میں کسی قسم کا اضمحلال پیدا ہو جائے اور مملکت کی آبادی مفت خوری پر زندگی بسر کرنے لگے۔

چنانچہ قابل ملامت تعیش پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایسے ملک کے باشندے معاش کے اُن اصولی وسائل کو چھوڑ بیٹھتے ہیں جن پر نظام عالم کی بنیاد قائم ہے۔ فرماتے ہیں[۲]

"اور باشندوں کی اکثریت خلیفہ کی عیال بن جاتی ہے اور

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ۔ باب سیاسۃ المدینہ۔ [۲] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۰۶

بیت المال پر بار ہو جاتی ہے کبھی وہ یہ کہہ کر وظیفہ حاصل کرتے ہیں
کہ وہ "غازی" ہیں اور ملک کے "سیاسی رہنما" ہیں اس وظیفہ طلبی
میں ضروری حاجات کا دفع کرنا مقصد نہیں رہتا بلکہ باپ دادا کی
رسم کو قائم رکھکر مفت خوری مقصد ہو جاتی ہے اور کبھی وہ یہ کہکر
وصول کرتے ہیں کہ وہ درباری شاعر ہیں۔ اور بادشاہوں کی جانب
سے شعراء پر داد و دہش ہوا ہی کرتی ہے اور کبھی یہ کہکر حاصل کرتے
ہیں کہ وہ صوفی اور درویش ہیں اور بادشاہ ان کے حالات کی تفتیش
معیوب سمجھنے لگتا ہے۔ اس طرح سے وہ ایک دوسرے کی ضیق
اور تنگی کا باعث بنجاتے ہیں اور ان کا معاشی کسب واکتساب
صرف بادشاہوں کی مصاحبت ان کی خوشامد اور رسمی حضوری اور
ان کی مدح میں چرب زبانی پر رہجاتا ہے اور آخر کار یہ ایسا فن
بنجاتا ہے کہ ان کے تمام افکار اور دماغی خیالات اس بدترین فن پر
صرف ہونے لگتے ہیں اور وقت کی تباہی کا باعث بن جاتے ہیں
بہر حال جب کسی قوم میں یہ اشغال بڑھ جاتے ہیں تو لوگوں کے
نفوس میں ادنیٰ اور ذلیل افکار و خیالات رونما ہونے لگتے ہیں
اور پست خیالی اور دناءت ان کو اخلاق صالحہ سے باز رکھتی ہے"

آپ کے نزدیک وارثان تخت وتاج اور امرائے مملکت کی کوتاہ اندیشی
ان کی مسرفانہ عادات نے سلطنت کے اقتصادی نظام کو درہم برہم کیا تھا مثال
میں آپ نے سلطنتِ روما کے زوال کو پیش کیا اور اس کا سب سے بڑا سبب

یہ قرار دیا کہ رومیوں نے لذات دنیا میں گم ہونا اور اسباب عیش فراہم کرنا ہی اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ان کی پشتینی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ رومیوں کی زندگی کے اس خاص گوشہ کو آپ نے نہایت تفصیل سے بیان فرما کر متنبہ کیا کہ۔

"موجودہ زمانہ کے ہندوستانی حکمراں کسی طرح رومیوں سے کم نہیں ہیں"

زوال روما کی نشاندہی کرنے کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر زندگی کی راہوں کو بروقت تبدیل نہ کیا گیا تو ایک ایسا انقلاب آنا ضروری ہے جس سے رومی حکومت دوچار ہوئی تھی[1]

آپ نے اس بات کی بڑی کوشش فرمائی کہ حکومت مغلیہ کی اقتصادی حالت درست ہو اس سلسلے میں آپ نے ارباب حکومت کو یہ مشورہ دیا کہ خالصہ کے علاقہ کو زیادہ سے زیادہ وسیع کیا جائے۔ اور اجارہ داری، جاگیرداری کی مذموم رسموں کو ختم کیا جائے۔

فرماتے ہیں۔

"خالصہ را کشادہ تر باید ساخت"

یعنی خالصہ کو زیادہ سے زیادہ کشادہ کرنا چاہیئے۔

کیونکہ امور سلطنت میں ضعف کا سبب خالصہ کی کمی اور خزانہ کی قلت ہوا کرتی ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ، باب اقامۃ الارتفاقات۔

فرماتے ہیں۔

"کہ موجب ضعف امور سلطنت کمی خالصہ وقلت خزانہ است"[۵۱]

جاگیرداری سے مرکزی حکومت میں کمزوری لاحق ہوجاتی ہے سلطنت کے نظم وضبط میں اعلیٰ معیار کے قائم رکھنے میں بڑی مشکلات پیش آتی ہیں اور مرکزی حکومت جاگیرداروں کے رحم وکرم پر ہوجاتی ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جتنی جاگیریں زیادہ ہوں گی اتنی ہی حکومت کمزور اور کاشتکار پریشان ہونگے لہذا آپ نے فرمایا کہ

"رسم اجارہ از خالصہ باید انداخت"

خالصہ سے اجارہ داری کی رسم موقوف کردی جائے۔

کیونکہ

"دراجارہ دادن ملک خراب شود ورعیت پائمال وبدحال"[۵۲]

اجارہ داری سے ملک خراب ہوتا ہے اور رعایہ پائمال وبدحال ہوجاتی ہے

چونکہ آپ کی دوررس نگاہوں نے اندازہ کرلیا تھا کہ جاگیرداری اگرچہ حکومت کے لئے نہایت نقصان دہ ہے لیکن موجودہ حالات میں اسکو بالکلیہ ختم کرنا مزید خطرات کا باعث ہوسکتا ہے۔ اس لئے اس سلسلہ میں آپ نے حکومت کو یہ مشورہ دیا کہ۔

جاگیرداروں مخصوص بامرائے کبار باشد ومنصب داران ریزہ را نقد بالمداد"

جاگیر صرف بڑے امراء کو عطا کی جائیں اور چھوٹے منصب داروں کو نقد

---

۵۱ سیاسی مکتوبات ص۴۲ ۵۲ ایضاً ص۴۳

دینا چاہیئے"

کیونکہ چھوٹے منصب دار جاگیروں پر قابو نہیں پاتے اسلئے انھیں اجارہ پر دینے کی ضرورت پیش آتی ہے اسی وجہ سے اکثر اوقات وہ مفلس رہتے ہیں اور اپنے آپ کو پورے طور پر حکومت کے کاموں میں مشغول نہیں کر پاتے۔

نجیب الدولہ کو ایک خط میں مسلمانوں کی معاشی پریشانی سے مطلع فرماتے ہیں اور یہ درخواست کرتے ہیں کہ جب وہ فوج کشی کریں تو مسلمانوں کے اموال کا خاص طور پر خیال رکھیں

"مقدمہ مہم تر آن است کہ مسلمانان ہندوستان چہ دہلی و چہ غیر آں چندیں صدمات دیدہ اند و چند بار نہب و غارت آزمودہ، کارد بہ استخواں رسیدہ است جائے ترحم است، برائے خدا و برائے رسول خدا تاکید بلیغ باید کرد کہ معترض مال مسلمانے نشود"[1]

"ایک اہم بات یہ ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں نے خواہ وہ دہلی کے ہوں خواہ اسکے علاوہ کسی اور جگہ کے کئی صدمات دیکھے ہیں اور چند بار لوٹ مار کا شکار ہوئے ہیں۔ "چاقو ہڈی تک پہنچ گیا ہے" رحم کا مقام ہے۔ خدا کا اور اسکے رسول کا واسطہ دیتا ہوں کہ کسی مسلمان کے مال کے درپے نہ ہوں"

۱۷۵۷ء میں جب غلہ کی گرانی کی وجہ سے عام رعایا پریشان ہو گئی تو آپ نے اس بات کی بڑی کوشش فرمائی کہ مہنگائی کم ہو اور ملک میں فارغ البالی

---

[1] سیاسی مکتوبات ص ۹۳

عام ہو۔ ایک خط میں آصف جاہ اول کو جہاں مرہٹوں کے مقابلہ میں ان کی بعض کوتاہیوں پر متنبہ کرتے ہیں اور انھیں اپنے مفید مشوروں سے مطلع فرماتے ہیں وہیں یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"اینقدر خود البتہ گذارش میشود کہ ہر چند مقدور باشد برانداختن گرانی غلا سعی فرمایند[1]"

اتنی البتہ گذارش ہے کہ فی الحال جس قدر طاقت ہو غلہ کی گرانی دور کرنے میں سعی بلیغ فرمائیں۔"

ان مساعی جمیلہ کے علاوہ حضرت شاہ صاحبؒ نے کتاب وسنت کی روشنی میں اقتصادیات پر مستقل مفصل بحث کی ہے جس کے نتیجہ میں اسلام کا فلسفۂ اقتصاد دنیا کے سامنے نہایت واضح صورت میں آیا۔ جس کے مطالعہ کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ اس خاص فن میں آپ کی نظر کتنی گہری تھی اور آپ اسکو کتنا ضروری تصور کرتے تھے۔

---

[1] سیاسی مکتوبات صہ۲۴

شاعری

حجۃ اللہ البالغہ کے مصنف کے بارے میں یہ بات بڑے تعجب سے سنی جائے گی کہ وہ جس طرح نثر نگاری پر قادر تھے اسی طرح نظم لکھنے میں وہ ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ لیکن جن کو یہ بات معلوم ہے کہ دلی کی شاعری تصوف کی آغوش میں پروان چڑھی ہے ان کے لئے کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔

ولی کے ابتدائی شعراء جو طبقات شاعری میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں اگر غور سے دیکھا جائے تو ان میں ہر ایک صاحب ارادت پاک باز اور صوفی منش نظر آئے گا۔

کائنات اردو کے آدم شمس ولی اللہ شاہ سعد اللہ گلشن کے مرید اور شاگرد تھے۔ ان کے بعد جنکو دوسرا درجہ حاصل ہے وہ مبارک شاہ آبرو، ہیں یہ شاہ محمد غوث" گوالیاری کی اولاد میں تھے اور اپنے زمانہ میں دلی میں تصوف کے چشم و چراغ تھے۔ شاہ حاتم مشاہیر فقراء میں سے تھے حضرت مرزا جان جاناں جن کی ذات کے انتساب سے اردو شاعری کو فروغ ہے خانوادۂ مجددی کے مرشد کامل اور شیخ وقت تھے۔ خواجہ میر درد کو اردو شاعری میں جو مقام حاصل

ہے وہ محتاج تعارف نہیں بجا طور پر انکو اردو کے عناصر اربعہ میں شمار کیا گیا ہے، خواجہ بہاء الدین نقشبند کے سلسلۂ نسب میں داخل تھے اور فقر و تصوف میں ایک مقام خاص پر رونق افروز تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ دلی کے گلی کوچے شاعری سے گونج رہے تھے۔ اس زمانہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں فارسی کے ساتھ اردو میں بھی مشق سخن کا رواج ہو چکا تھا۔ اور جن شعراء کا ہم نے تذکرہ کیا ہے ان میں سے ہر ایک فارسی کے ساتھ اردو کی زمین کا مالک تھا۔

حضرت شاہ صاحب کے علمی ذوق اور صوفیانہ طرز فکر سے جو لوگ آگاہ ہیں ان کو یہ بات تسلیم کرنے میں کوئی دقت نہ ہوگی کہ شاہ صاحب کے روابط اور تعلقات ان حضرات سے ضرور رہوں گے اگرچہ اس بارے میں تاریخی ثبوت اب تک دستیاب نہ ہو سکا۔ لیکن حضرت مرزا جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ سے آپکے گہرے تعلقات تھے حضرت مرزا رحمۃ اللہ علیہ کے نام آپ کے خطوط کلمات طیبات میں ملاحظہ کرنے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ آپ کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔

حضرت شاہ صاحب کے بارے میں مرزا لطف علی نے گلشن ہند میں لکھا ہے کہ آپ کا تخلص اشتیاق تھا۔ فارسی میں کم اردو میں زیادہ کہتے تھے۔ کچھ اردو کے اشعار بھی پیش کئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کو ولی اللہ سرہندی کے نام سے اشتباہ ہوا ہے حضرت شاہ صاحب کا اردو کلام موجود نہیں ہے اور نہ ان کا تخلص اشتیاق تھا۔

آپ فارسی اشعار میں زیادہ تر مسائل تصوف بیان فرماتے تھے۔ آپ کے

شاگردوں میں خواجہ محمد امین کشمیری ہیں ان کے اصرار پر آپ نے تصوف کے باریک اور مشکل مسائل کو نظم کا لباس پہنایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

سابق شوق برادرم خواجہ محمد امین باعث	پہلے برادرم خواجہ محمد امین اس کے
آں شد کہ بعض معارف غامضہ درنیکو	باعث ہوئے کہ چند مشکل معارف بہترین
ترین لباس کہ لباس نظم است بیان کردہ شود	لباس میں کہ وہ نظم ہے بیان کیا جائے
الحال شوق ایشاں تقاضائے آن	اور اب ان کا شوق تقاضا کر رہا ہے کہ
کند کہ زیر ہر بیتے اشارۂ لطیف کردہ	معرفت کے جو مسائل اشعار میں پوشیدہ
شود بآں معرفت کہ دراں مودع است[۱]	ہیں ان کی جانب اشارہ کردیا جائے۔

عربی نظم میں "اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم" کے نام سے حضرت نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح ونعت میں ایک بسیط قصیدہ ہے اس کے علاوہ تین اور قصیدے ہیں۔ دیوان عربی" کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جس کو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے جمع کیا تھا اور شاہ رفیع الدین نے مرتب کیا تھا۔[۲]

ہم یہاں پر آپ کے دو عربی قصائد پیش کرتے ہیں۔[۳]

الا کل شیئ ما خلا اللہ زائل	وکل وجود دون مجلاہ باطل
ولیس نظام الرشد دون ظہورہ	یتم ولا انظم التحقق کامل
تجلے علی الساعیر وتارۃ	علی الطور تم العین فی العرب آئل
اری کل تنویر بنورہ کانہ	سماء من الارشاد للخلق شامل

---

[۱] کلمات طیبات۔ مکتوب بست وسوم۔ [۲] نزہۃ الخواطر جلد ششم ص۳۹۵-۴۱۵ (حیدرآباد دکن ۱۹۵۶ء) [۳] تفہیمات ص۱۷۴ و ۱۷۵ ج۲

اذا ما يحاذى الشمس راسك في الضحى　　فقد قرت بالمقصود والكل حاصل
يظل به العبد الضعيف مصلحا　　ويصبح بحر العلم من هو جاهل
كثوب على شكل البيوت نسيجه　　يصول كما صال الهوى المتداخل
فان ذهب الشيء الدخيل بوجهه　　فلا ثم حيوان ولا ثم صائل
ولست ارى ركن الركانة دونه　　وما ثم من امر تجشم عامل
حيا ناهدى نورا على العين قائما　　لاسرار الا متن النسيمة حامل
ولا بد هذا النور ثلجا وفسحة　　وشرح وافصاح وبالعلم نازل
ولا بد ارهاص لمعناه شارح　　وللحق تفسير عن الحيف مائل
ومن بعده يأتى المسيح فانه　　الى سره يهدى بما قال قائل
اتانا وهنأنا العلوم صنوفها　　هنيئا لكم قيدت اليكم جلائل
فثلث اطوادا العلوم بساحتى　　رسوخ وتاويل وعلم عنائل
علمنا بتنجيم وعلم عرافة　　وسر من الاسرار للكل داخل
فهمنا لسان الناس فى كل طبقة　　اذا دار فيما بين قوم مسائل
رحلنا وخلفنا العلوم بغربة　　تنوح كما ناحت نساء ثواكل
تخلصت جدا من تخاليط ذا الورى　　وسرت الى الرحمن والجود هاطل
ذهبنا الى اقصى الوجود اعمه　　تغور به كالفاعلات القوابل
هو البحر لا قعر ولا ساحل له　　احطت به خبيرا بما نال نائل
شهدت تداوير الوجود جميعها　　تدور كما دار الرحى المتمائل
نظرت الى الشخص الكبير كانه　　اذا قيس للشخص الصغير مشاكل

قوی ثم افعال تکون بحسبها — تحول ایاها القوی والهیاکل
رایت نظاما لیس یعصم سالکہ — وان قال بالافصاح والخرق قائل
فشا فتہا ان العروج متمم — فلا باس ان کانت ستور وحائل
ترىبصنا ودار بنا الانام لوضعهم — فطابت مراقینا وطاب الشمائل
وقال لنا انا لطهرنا بمظهر — فمن لم یطعنا فیہ ما هو عادل
نقوم علی عهد القویم وان نوت — من القلب افزاع ونادت وصائل
وعندی علوم لا یکاد یقلها — سماء ولا بر وبحر وساحل
ویرجو ولی الله رحمۃ ربہ
وفضلا لانواع العطا هو شامل

الا انما هو للسلوب لطائف[1] — ومنهم اخا نین الوجود مبائن
وان انت فتشت المقام وجدتهم — الی السلب سیقوا ثم جاء السکائن
ویالیت شعری هل بسلب هویۃ — تعاط وهل للنفی عین تعاین
تخوضت قاموس الوجود مکررا — وتوجهت تیجانا وقید الخزائن
وکنا غضیض العیش والبصر داهم — قبیح النوی لما اسیط الضغائن
ادیرت کووس الصحو فانما بقی — هنالک بہ الاصون وصائن
دنونا وهبنا فی الدنو مهابۃ — وفی العلم اجلال وذو الجهل خائن

---

[1] تفہیمات ص ١٦٣ ج ٢

اذا راق فی الاکوان شیئ لعاشق ‏ ‏ ‏ اذا غاب من یھواہ لیس بصادق
ومذ ند منا من نـد ید یجماله ‏ ‏ ‏ کعنقاء ما الراوق کان برائق
وما انفکت الایام حربا فتیة ‏ ‏ ‏ بتنقیص مشتاق مواف موافق
کان السحاب السود خافت فتحها ‏ ‏ ‏ احدت علی خضر القدود الشائق
ومن نقض میثاق الربیع تفرست ‏ ‏ ‏ فناحت علی الاوراد ثم الشقائق
وما الدین هل تدرید غیر نصیحة ‏ ‏ ‏ وما الغل الامن ضاف موافق

اشم عرف الرضا من نسمة السحر ‏ ‏ ‏ لعلها کسیت من نشرہ العطر
اری نعومة وجه الورد تجذبنی ‏ ‏ ‏ سری به سرہ یوما من العمر
والورق ینشدن ورق الهوی غزلا ‏ ‏ ‏ فهل محاسنه انبتہ عن خبر
والبان بان به وجد برحم ‏ ‏ ‏ علی هواہ له کاسا من الخمر
علی هواہ یود الناس کل هوی ‏ ‏ ‏ من الملاح ومن شمس ومن قمر

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ حضرت شاہ صاحبؒ فارسی نظم میں معارف سلوک بیان کرتے تھے ۔ ہمارے خیال میں حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام کو بس اسی نظر سے دیکھنا چاہیئے ۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ آپ کا کلام قواعد وضوابط شاعری سے خالی اور فنی باریکیوں سے معریٰ ہے ۔ دراصل آپ کے کلام میں فن شاعری کی وہ تمام رعائتیں

تفہیمات صـ ۱۵۹/۲۶

موجود ہیں جو ایک کہنہ مشق اور قادر الکلام شاعر کے کلام میں ہونی چاہئیں۔

ہم آپ کا فارسی کلام کلمات طیبات اور حیات ولی وغیرہ کتب سے منتخب کر کے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام ۔۔۔ عاشق شوریدہ ام یا عشق با جانانہ ام
مبتلائے حیرتم جاں گو یمت با جان جان ۔۔۔ اصطلاح شوق بسیار ست و من دیوانہ ام
با جمال ذاتیش حسن دگر درکار شد ۔۔۔ چشم او را سرمہ ام یا زلف او را شانہ ام
میل ہر عنصر بود سوئے مقر اصلیش ۔۔۔ جذبہ اصل است ہر سر شورش مستانہ ام
غافل از خود ماند از صورت چوں پر شد آئینہ ۔۔۔ تا ترا بشناختم جانا، ز خود بیگانہ ام

اے آمین برستیم نام تجدد تہمت است
در ازل پیش از زماں تعمیر شد میخانہ ام

دوائے دردِ من بر جمیع اضداد تو می نازم ۔۔۔ نمک ریز دل مجروح من ہستی و مرہم ہم
جہان و جاں فدائے وضع شوخ شہر آشوبت ۔۔۔ قیامت می نمائی و دم عیسےٰ و مرہم ہم
توئی اول توئی آخر توئی ظاہر توئی باطن ۔۔۔ توئی مقصود اہل دل توئی مشتاق و ہمدم ہم
زیک منبع دریں جا مختلف فوارہ می جوشد ۔۔۔ مزاج حرص قارون زہد ابراہیم ادہم ہم
بخارے از زمیں خیز د بباد جو در آمیزد ۔۔۔ گہے باران ریزاں و ست گاہے برف و شبنم ہم

کدامی طرفۂ نیرنگئے کاشانہ سرداری
کہ عالم پائے کوب از دست عشقت گشت و آدم ہم

عراقی کی غزل پر کس حسن سے تضمین فرمائی ہے۔

نخستیں بادہ کاندر جام کردند　　مرا جش عکس آں گلفام کردند
ہویدا شد در امکاں صورت حق　　باں صورت جہاں را رام کردند
ہمیں بایست تفصیلی ازاں روئی　　مکارم را بجا اتمام کردند
شراب وحدت از خمخانہ غیب　　مرا صبح ازل در کام کردند
چوں غلطیدم زمستیہا بہر سو　　حریفاں مستی از من وام کردند
حقیقت راکہ مستور از نظر بود　　بما مشہور خاص و عام کردند
پس آنگہ موج دریا باز گردید　　باتمام فنا اکرام کردند

ایں رمزے دقیقے با تو گویم
بخو و آغاز و نیز انجام کردند

بزلف پیچ در پیچ کسے گم کردہ ام خود را　　خروش درد دل شبہا نمی کردم چہ می کردم
دلے پر درد جاں فگار یار تند خو دارم　　جہاں را پر زیار یہا نمی کردم چہ می کردم
غم تحصیل و بار شغل و درد عزل می بینم　　جنون ترک منصبہا نمی کردم چہ می کردم
کسے بامل ہمی سازد کسے باگل ہمی بازد　　اگر من یاد آں بہا نمی کردم چہ می کردم
مئے تحقیق را از خم مشربہا بروں دیدم　　خروج از قید مشربہا نمی کردم چہ می کردم

حجاب وصل مطلوب است دل بستن بمطلبہا
ایں گر ترک مطلبہا نمی کردم چہ می کردم

ناگزیر تو منم اے بے نظیر　　رو مگرداں بعد ازیں از ناگزیر
من ترا اشفق ترم از صد پدر　　در من آویز و مرا محکم بگیر
غیر من گر با تو بابستر بود　　آں وبال ست و عذاب است و سعیر

جانِ من در ہجرِ یار خود بسوخت   من عذاب الہجر اجرنی یا مجیر
بے قرارم روز و شب بے روی یار   باز بنما روئے یارم یا قدیر
اندرونم بے جمالش تار شد   کے شود یارب بوصلش مستنیر

اے برادر باز از یں ہشیار باش
فرق می کن درمیان شیر و شیر

ساقی کرمے کن کز ہوشِ خود افتم   من بارِ خود از دوشِ خود افتم
مثلِ مئے جوشاں کز خم بدر افتد   جوشے زدہ بر خود از جوشِ خود افتم
از ہر بنِ مویم جوشد مئے دیگر   از فرطِ تمائل ز آغوشِ خود افتم
زیں تیز زبانے آزردہ دلم من   خوش آنکہ زبانے خاموشِ خود افتم

تا بکے محنتِ مہجوری و دوری بکشم   تا زمینِ وطنم سوئے وطن باز روم
تا بکے ہمدمی سنگ بود شیوۂ من   گوہر از عدنم سوئے عدن باز روم
تا بکے بستۂ زنجیرِ تعلق باشم   آہوے از ختنم سوئے ختن باز روم
اے جاں میرسد از بادِ یمن بوئے جہاں   شاہِ ملکِ یمنم سوئے یمن باز روم

دلے دارم ز خود خالی جمالش می تواں گفتن   ور دیکیفیتے جوشِ شرابش می تواں گفتن
دہد و سے بے نمودے معنیٔ ما دیدنی دلبود   دریں نیرنگہا بوئے گلابش می تواں گفتن
سویدا و دل ما یابی اندر پیچ و تاب او   نقوشِ عالمِ ام الکتابش می تواں گفتن
فرو پاشید از ہم کثرتِ موہوم چوں شبنم   ز فیضِ معنیٔ ما آفتابش می تواں گفتن

رباعیات

علمے کہ نہ ماخوذ زمشکوٰۃ نبی ست — واللہ کہ سیرابی ازاں تشنہ لبی ست
جائیکہ بود جلوۂ حق حاکم وقت — تابع شدن حکم خرد بولہبی ست

دانی کہ چہ بود نہج قدیم اے دلدار — شغلِ دل تو ظاہر و باطن بایار
ایں راشوی از درس عوارف عارف — واں فن دگر یار بگیر از احرار

در مذہب ماہست ز اسباب غرور — ذکرے کہ بود عاطل از انوار حضور
در حاشیۂ نفیِ شو از خلق نفور — در جانبِ اثبات برو سوئے غفور

مستی و دل شرطِ طریق افتادست — بے مست شدن کار کسے نکشادست
در ذکر خفی جہر تخیل کردن — شرط ست و زاستاد طریقم یادست

خواہی کہ مئے محبت نوشی — باید کہ بتقلیل علائق کوشی
دل راز خیالات جہاں صرف کنی — چشم از صورِ جملۂ عالم پوشی

درعشقِ تو از جملہ جہاں بگذشتم　　　وز ہر چہ بجز یاد تو، زاں بگذشتم
مقصود من بندہ بجز وصل تو نیست　　　اندر طلبت از دل و جاں بگذشتم

دائم دلِ من پیش تو حاضر باشد　　　چشمم بر رخ خوب تو ناظر باشد
در مذہب ما شرک جلی ست و صریح　　　گر سوئے وگر خطرۂ خاطر باشد

آں ذات کہ از قید جہت بیروں است　　　از حیطۂ اسمائے صفت بیروں است
ہر مرتبہ زاں ذات نشانے دارد　　　ہر چند ز تعینِ سمتش بیروں است

ہر مدرکِ شد مظہرِ آں یارِ عجیب　　　ظاہر شدہ از صور تش آثار عجیب
درلوحِ دل ار ثبت کنی صورتے او　　　پیدا شود از لوح دل اسرار عجیب

فراغت یافتم از حج و عمرہ　　　چو احرام سر کوئے تو بستم
چو دیدم روئے زیبائے تو جانا　　　ز تشویش وجود خویش رستم
بیا ساقی بدہ جام شرابے　　　کہ مخمور صبوحی الستم

محبت نام جوش و میل حظ نفس گر باشد　　　سر اہل محبت در دو عالم گاو سر باشد
ز نازک طبع غیر از خود نمائیہا نمی آید　　　درختِ بید را دیدیم دائم بے ثمر باشد
بوسعت مشرباں رنگ تعلق در نمی گیرد　　　اگر نقشے زنی بر روئے دریا بے اثر باشد

مزاجِ صاف طبعاں را بجز عزت نمی سازد   مکدر گردد آب صاف چوں یکجا وطن گیرد

صفا با خبث باطن نیز گاہے جمع می گردد   برو بالوعہ را چوں در دو بنشیند تماشا کن

وصایا

وصیت ۱ پہلی وصیت اس فقیر کی یہ ہے کہ کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے موافق اعتقاد اور عمل ہو۔ اور روزانہ دونوں کو کسی قدر پڑھتا رہے۔ اگر خود پڑھنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو کسی صاحبِ علم سے ورق دو ورق ان کا ترجمہ سنا کرے۔ عقائد میں متقدمین اہلِ سنت کا مذہب اختیار کرلے اور جس کی تفصیل و تفتیش کے وہ لوگ درپے نہیں ہوئے ان سے غرض نہ رکھے۔ منطقیوں کے بیہودہ شک وشبہ ڈالنے میں نہ آئے۔ اور فروعی مسائل میں ایسے محدثین علما، کی پیروی کرے جو فقہ اور حدیث دونوں کو خوب جانتے ہوں۔ فقہ کے مسئلے کلام اللہ اور حدیثِ رسول اللہ سے منطبق کرتا رہے جو موافق ہو اس کو قبول کرلے، جو خلاف ہو اس کو ترک کرے۔ امت کو قیاسی مسائل کو کلام اللہ اور حدیث پاک سے ملاتے رہنے سے مفر نہیں اور ایسے فقہا کی بات نہ سنی جائے جو کسی ایک عالم کی تقلید کو دستاویز سمجھتے ہوں اور سنت کو ترک کردیتے ہوں۔ ایسے لوگوں سے دور رہنے میں خدا کا تقرب سمجھیں۔

وصیت ۲ امر بالمعروف کے باب میں خدائے پاک نے جو میرے دل میں ڈالا ہے وہ یہ ہے کہ فرض امور اور شعائرِ اسلام کے واسطے

سختی ہو امر معروف کرے۔ اور گناہ کبیرہ کو سختی سے منع کرے۔ جو لوگ اس میں سستی کریں ان سے صحبت نہ رکھے۔ بلکہ ان کا مخالف ہو جائے ان کے سوا جو امور ہیں ان میں بہت زیادہ سختی نہ کرنی چاہیئے فقط آگاہ کر دینا چاہیئے خصوصًا ان باتوں میں جن میں پہلوں یا پچھلوں کا اختلاف ہو سختی اچھی نہیں

وصیت ۳

موجودہ زمانے کے مشائخ کا ہرگز مرید نہ ہو۔ ان کے مریدوں کی کثرت اور کرامتوں کی ہیبات دیکھ کر ہرگز فریب میں نہ آئے مریدوں کی کثرت رسم کے سبب سے ہے اور رسم کا کچھ اعتبار نہیں اس زمانہ کی کرامتیں اکثر چالیں اور شعبدہ بازیاں ہیں۔ لوگوں نے نادانی سے انھیں کرامت سمجھ لیا ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آج کل بڑی کرامت دل کا حال معلوم کرنا یا آئندہ ہونے والی بات بتانی ہے حالانکہ اس قسم کی دریافت کے بہت سے طریقے ہیں چنانچہ ان میں سے ایک طریقہ علم نجوم اور رمل بھی ہے۔ اور یہ خیال کہ نجوم میں جب تک ستاروں کے شمار نہ لکھیں یا رمل میں جب تک زائچہ نہ ہو اس وقت تک کچھ نہیں معلوم ہو سکتا صحیح نہیں ہے کیونکہ ہمنے اس کا تجربہ کیا ہے کہ نجومی نے جب خیال کیا کہ اس وقت کون سی ساعت ہے، فورًا ذہن میں سب ستاروں کا شمار آگیا۔ اور نقشہ تصور میں بندھ گیا۔

اسی طرح رمال نے جب کسی انگلی کو لحیان دل میں قرار دے لیا اور کسی انگلی کو عقلہ، ذہن میں زائچہ موجود ہو گیا۔ دوسرا طریقہ کہانت ہے اس کا تعلق جنوں کی حاضرات وغیرہ سے ہے تیسرا طریقہ

طلسم ہے۔ کہ قوائے کواکب کو کسی صورت میں بند کرکے مختلف قسم کی معلومات حاصل کرتے ہیں۔ اور کبھی بعضے اعمالِ جوگیہ سے بھی کشف ہو جاتا ہے چنانچہ جس کا جی چاہے ان فنون کی کتابوں میں دیکھ لے۔

اور کسی کام پر ہمت کرنی اور پھر ہولناک شکل بن جانا، طالب کو مسخر کر لینا یہ سب فنِ نیرنگ سے متعلق ہے۔ سعادت اور شقاوت مقبول و مردود میں یہاں کچھ فرق نہیں ہے ـــ اور اسی طرح وجد و شوق، اہل مجلس میں پیدا کر دینا، قوتِ بہیمیہ کی حدت سے متعلق ہے۔ چنانچہ جس میں قوتِ بہیمیہ زیادہ ہوتی ہے اس کا وجد زیادہ ہوتا ہے۔ ہاں بعض نیک بختوں سے جو یہ امر کسی نیک نیت سے ہوتا ہے وہ کچھ کرامت نہیں۔ اکثر بیوقوفوں کو دیکھا ہے کہ پیر سے جو یہ شغل حاصل کیا تو اس کو کرامت سمجھ بیٹھے۔

لازم یوں ہے کہ حدیث پاک کی کتابیں مثلاً بخاری شریف اور مسلم شریف اور سنن ابو داؤد، اور ترمذی، اور حنفی اور شافعی فقہ کی کتابیں پڑھے اور عمل ظاہر سنت پر کرے۔ اگر اللہ پاک اس کے دل میں شوقِ صادق عطا کرے اور اس راہ کی طلب زیادہ ہو تو کتاب عوارف کے آداب نماز و روزہ اور ذکر و معموری اوقات کو اختیار کرے۔ اور نقشبندیہ کے رسالے، طریق یادداشت اور دوام کے حاصل کرنے کو دیکھے اِن بزرگوں نے یہ دونوں باتیں ایسے روشن بیان سے لکھی ہیں کہ کسی مرشد کی تلقین کی چنداں ضرورت نہیں جب عبادت کا نور اور یادداشت کی نسبت حاصل ہو جائے تو اس پر مستقیم رہے۔ اس عرصہ میں اگر کوئی بزرگ ملجائے جس کی صحبت حال

ہو اور اس کی صحبت سے لوگوں میں اثر ہوتا ہو، تو اس کی صحبت اختیار کرے کہ یادداشت ودوام حضور کا ملکہ ہو جائے۔ پھر ایک گوشہ میں بیٹھ جائے۔ اور اس ملکہ میں مشغول رہے۔

اس زمانہ میں کوئی بھہ وجوہ صاحبِ کمال نہیں۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ اگر ایک وجہ سے کامل ہے تو دوسری وجہ سے خالی ہے۔ اس سے وہی کمال حاصل کرے اور دوسری وجہ سے غرض نہ رکھے۔ یعنی صاف کو لے لے اور گندے کو چھوڑ دے۔

صوفیوں کی نسبتیں تو بہت بڑی غنیمت ہیں۔ مگر رسمیں کچھ کام کی نہیں میرا یہ کہنا بہت سے لوگوں کو ناگوار معلوم ہوگا۔ لیکن مجھے جو حکم کیا گیا ہے اسی کے موافق کہنا چاہیئے۔ زید وعمر و کے کہنے سے کج روی نہ اختیار کرنی چاہیئے۔

وصیّت جاننا چاہیئے کہ ہم میں اور اہل زمانہ میں اختلاف ہے اسلئے کہ صوفی منش تو یہ کہتے ہیں کہ اصل مطلب فنا و بقا اور استہلاک ہے اور شرع میں جو رعایت معاش وعبادتِ بدنیہ وارد ہوئی ہے اس لئے ہے کہ فنا و بقا ہر ایک سے ادا نہیں ہوسکتی۔

اور متکلمین یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ شریعت میں وارد ہوا ہے وہی مطلوب ہے اور ہم کہتے ہیں کہ انسان کی صورتِ نوعیہ کے اعتبار سے شریعت ہی مطلوب ہے۔ اور شارع نے، خاص وعام کے لئے اس کی اصل بیان فرمائی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نوعِ انسان قوتِ ملکیہ اور بہیمیہ دونوں کی جامع ہے اور اس کی سعادت، قوتِ ملکیہ حاصل کرنے میں ہے اور شقاوت بہیمیت کی تقویت میں ہے اور اس کا نفس اخلاق و اعمال کے رنگ قبول کرلیتا ہے۔ اور اپنے میں ملالیتا ہے اور مرنے کے بعد اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ جیسے کہ اس کا بدن غذا کی کیفیت کو قبول کرلیتا ہے اور اپنے ہمراہ کرلیتا ہے اس بہت سے تخمہ اور بخار جیسے امراض میں مبتلا ہوتا ہے۔

اور نفسِ انسان ایسا مخلوق ہوا ہے کہ حظیرۃ القدس سے جا ملے، اور وہاں سے الہام اور جو الہام کے حکم میں سرور و بہجت ہے حاصل کرے اگر مقام ملائکہ سے مناسبت رکھتا ہے، اور اگر نسبتِ منافرت ہے تو تنگی اور وحشت!

غرض اگر نوعِ انسان کو یوں ہی چھوڑ دیتے تو، امراض نفسانیہ اسکو بہت الم پہونچاتے۔ حق تعالےٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس کی کارسازی کی اور نجات کا راستہ دکھایا۔ اور زبانِ غیب کے ترجمان یعنی حضرات انبیاء کو بھیجا تاکہ نعمت پوری ہو اور شان ربوبیت جو پیدا کرنے کی مقتضی تھی پھر ان کی دستگیری کرے۔

انسان کی صورت نوعیہ نے زبان حال سے مبدا فیاض سے شرع کو مانگا۔ پس شرع کا حکم تمام افراد پر لازم ہے ان سب میں صورتِ نوعیہ کے سریان کے سبب خاص و عام سب پر شرع کا حکم ضروری ہے کسی فرد کی خصوصیت کو دخل نہیں۔ اور فنا و بقا اور استہلاک وغیرہ افراد کی خصوصیت

کے اعتبار سے مطلوب ہیں۔ کیونکہ بعض افراد نہایت علو و تجرد میں مخلوق ہوتے ہیں اور خدائے پاک ان کو ان کی راہ دکھا دیتا ہے۔ وہ حکم شرع نہیں بلکہ ان کی زبان حال بنے خصوصیت اور فردیت کے سبب سے اس کا تقاضا کیا ہے۔ شارع کا کلام ہرگز ان معانی پر محمول نہیں نہ صریحاً نہ اشارۃً۔

ہاں مگر کچھ لوگوں نے شارع کے کلام سے یہ مطالب سمجھ لئے ہیں جیسے کوئی لیلےٰ مجنوں کا قصہ سنے اور اس کو اپنی سرگزشت خیال کرے۔ ان کے عرف میں اسے اعتبار کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ فنا و بقا و استہلاک کے مقامات میں افراط کرنا اور ہر کس و ناکس کا اس میں مشغول ہونا ملتِ مصطفوی میں ایک سخت ترین مرض ہے۔ خدائے تعالےٰ اس پر رحم کرے جو اس مرض کے دور کرنے میں کوشش کرے۔ گو بعض استعدادات کے اعتبار سے کوئی اصل بھی ہو۔

ہر چند یہ بات اس زمانہ کے اکثر صوفیوں کو ناگوار ہوگی لیکن مجھے جس کام کا حکم دیا گیا ہے میں اس کے مطابق کہتا ہوں مجھے زید و عمر و کسی کی پرواہ نہیں۔

وصیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کے بارے میں اچھا اعتقاد رکھے ان کی تعریف و ثنا کے سواء زبان سے کچھ نہ نکالے۔ اس مسئلہ میں دو گروہوں نے خطا کی ہے۔

ایک کا گمان ہے کہ سب اصحاب آپس میں سینہ صاف تھے ان میں کبھی کچھ جھگڑا نہیں ہوا۔ یہ صرف وہم ہے۔

دوسرے گروہ نے ان کے مشاجرات کو دیکھا اور لعن وطعن کرنا اپنا شیوہ بنایا۔ اور ہلاکت میں جا پڑے۔

اِس فقیر کے دل میں یوں ڈالا گیا ہے کہ اگرچہ اصحاب معصوم نہ تھے اور ممکن ہے کہ بعضے عوام سے ایسا کچھ ہوا ہو کہ اگر اور کوئی کرتا تو مورد لعن طعن ہوتا۔ مگر ہمکو حکم ہے کہ ان کی برائی زبان پر نہ لائیں اور بے ادبی سے پیش نہ آئیں اور اس میں یہ مصلحت ہے کہ اگر ان پر ہم جرح کرنے لگیں گے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت منقطع ہو جائے گی۔ اور روایت کے منقطع ہونے سے اصل دین میں خرابی لاحق ہو جائے گی۔ اور جب ہر صحابی سے روایت لی جائے گی تو اکثر احادیث مستفیض ہوں گی۔ اور امت کے لئے حجت قائم ہوگی اس میں بعض کی جرح سے نقل میں خلل نہیں ہونے کا۔

اس فقیر نے آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی روح پر فتوح سے سوال کیا کہ شیعہ اہل بیت کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اور صحابۂ کرام کو برا کہتے ہیں ان کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کلام روحانی کے ذریعہ القا فرمایا کہ ان کا مذہب باطل ہے اور یہ لفظ امام سے معلوم ہوتا ہے جب فقیر کو اس حالت سے افاقہ ہوا تو لفظ "امام" میں غور و فکر کی یہ معلوم ہوا کہ ان کی اصطلاح میں "امام" اسے کہتے ہیں جو معصوم، مفروض الطاعت، منصوب للخلق، ہو۔ نیز امام کے لئے وحی باطنی تجویز کرتے ہیں پس حقیقت میں یہ لوگ ختم نبوت کے منکر ہیں۔ اگرچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو زبان سے

خاتم الانبیاء کہتے ہیں۔

اور جیسا کہ اصحاب رسول علیہ السلام سے نیک اعتقاد رکھے ایسا ہی اہل بیت کے ساتھ نیک اعتقاد رکھے۔ ان میں جو صالحین ہوں ان کی بہت تعظیم کرے۔ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْئٍ قَدْرًا۔

اس فقیر کو معلوم ہوا کہ بارہ امام ایک نسبت کے قطب ہوئے ہیں اور ان کی رحلت کی قربت سے تصوف کا رواج ہوا ہے۔ لیکن عقیدہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے لیا جائے گا۔ اماموں کی قطبیت ایک باطنی امر ہے تکلیفِ شرعی سے اسے کچھ علاقہ نہیں۔ اور ہر ایک کا نص واشارہ اپنے متاخر پر اسی قطبیت سے ہے اور امور امامت بھی اسی طرف راجع ہیں کہ اپنے بعض خاص یاروں کو اس پر مطلع کیا ہے بعد ایک زمانے کے کچھ لوگوں نے غور کیا اور ان کے کلام کو دوسرے طور پر بیان کیا۔

وصیّت تعلیم کا طریقہ تجربے سے ایسا ثابت ہوا ہے کہ پہلے صرف و نحو کے تین تین چار چار مختصر رسالے (جیسا طالب علم کا ذہن ہو) پڑھا دے۔ اس کے بعد کوئی کتاب تاریخ یا حکمت عملی کی جو عربی زبان میں پڑھائے اور جب عربی زبان پر قدرت ہو جائے تو موطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ مصمودی پڑھا دیں اسے ہرگز نہ چھوڑیں کہ علم حدیث کی اصل ہے اس کے پڑھنے میں بہت فیض ہے اور ہیں اس کا سماع مسلسل ہے۔

پھر قرآن مجید اسطرح پڑھائیں کہ صرف ترجمہ بغیر تفسیر کے مگر جہاں شان نزول یا قاعدۂ نحویہ کی کوئی مشکل ہو وہاں ٹھہر جائیں۔ اور بحث کریں

بعد اس کے تفسیر جلالین بقدر درس پڑھائیں۔ اس طریقہ میں بہت فیض ہے۔

اس کے بعد ایک وقت کتب حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ پڑھی جائیں اور کتب فقہ اور عقائد و سلوک دوسرے وقت کتب دانشمندی مثلاً شرح ملا جامی و قطبی وغیرہ الی ماشاء اللہ اور اگر ہو سکے تو ایک روز مشکوٰۃ دوسرے روز شرح طیبی اسی قدر پڑھیں تو بہت نفع ہوگا۔

وصیت ہم لوگ مسافر ہیں کہ ہمارے آباء ہندوستان میں مسافرانہ آئے۔

عربی نسب، عربی زبان، دونوں پر ہمکو فخر ہے کیونکہ ہمارے لئے سیدالاولین والآخرین افضل انبیاء و مرسلین کے تقرب کا سبب ہیں۔ اس نعمت عظمیٰ کا یہ شکر ہے کہ اول حتی الامکان عرب کے عادات ورسم نہ ترک کریں اور عجم کی رسم اور ہنود کی عادتیں ہرگز اختیار نہ کریں کیونکہ یہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا منشا رہیں۔

جب عرب جہاد کی واسطے عجم میں آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کو خوف ہوا کہ مبادا عرب لوگ عجم کی رسم اختیار کریں اور عرب کے دستور ترک کردیں۔ اسلئے آپنے ان کو یہ لکھا کہ تہہ بند باندھو، اور چادر اوڑھو، اور نعلین پہنو۔ موزے چھوڑ دو۔ اور پاجامہ نہ پہنو۔ اپنے باپ اسمٰعیل علیہ السلام کا لباس اختیار کرو اور ناز و نعمت اور ہیئت عجم سے دور رہو۔ دھوپ میں بیٹھا کرو کہ آفتاب عرب کا حمام ہے اور قوم معد کی رسم پر رہو (معد آنحضرت

صلے اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ہیں) موٹا کپڑا اور سخت گزران اور پرانا کپڑا پہننا اختیار کرو اور اونٹوں کو پکڑ کر اپنا تابعدار کیا کرو۔ یعنی ان پر سوار ہوا کرو اور گھوڑوں پر اچھل کر سوار ہوا کرو۔

ہندوؤں کی ایک بری عادت یہ بھی ہے کہ بیوہ کی شادی نہیں کرتے یہ بری عادت عرب میں نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے تھی، نہ آپ کے زمانے میں نہ آپ کے بعد۔ جو شخص اس بری عادت کو مٹائے خدائے تعالےٰ اس پر رحمت کرے۔

اگر اوروں سے نہ چھڑا سکے تو اپنی قوم سے دور کرے نہیں تو اپنے کنبے میں عرب کی عادت جاری کرے۔ اگر مجبوری یہ بھی نہ کر سکے تو اس عادت کو بہت برا جانے۔ اور دل سے اس کا دشمن ہو۔ کیونکہ نہی منکر کا یہ ادنیٰ درجہ ہے۔

وصیت ۸ ہم لوگوں کی ایک بری عادت یہ ہے کہ مہر بہت زیادہ باندھتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جن پر ہمارے دین و دنیا کا شرف منتہی ہوتا ہے اہل بیت کا مہر بارہ اوقیہ مقرر فرمایا جسکے پانچ سو درہم ہوتے ہیں۔

وصیت ۹ اور ہماری ایک بری عادت یہ ہے کہ خوشی میں اسراف بہت کرتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دو شادیاں مقرر فرمائی ہیں ایک ولیمہ اور دوسرا عقیقہ۔ ان دونوں کو اختیار کرے اور ان کے سوا کو نہ کرے۔ یا ان کو اپنے اوپر لازم نہ سمجھ لے اور اس کا اہتمام نہ کرے۔

وصیت ۱۰

اور ہم لوگوں کی ایک بری عادت یہ ہے کہ غمی میں اسراف کرتے ہیں۔ تیجہ چالیسواں، ششماہی اور برسی کا فاتحہ کرتے ہیں۔ یہ رسم عرب میں کبھی نہ تھی۔

مصلحت یہ ہے کہ میت کے وارثوں کی تین روز تک تعزیت کرے اور ایک دن ایک رات انکو کھانا دیوے۔ تین دن کے بعد کنبے کی عورتیں جمع ہوں اور میت کے کنبے کی عورتوں کے کپڑوں میں خوشبو لگائیں۔ اگر میت کی بیوی ہے تو عدت کے بعد سوگ ترک کرے۔

ہم میں نیک بخت وہ شخص ہے کہ عربی زبان، اور صرف و نحو، وکتب ادب سے مناسبت پیدا کرے۔ اور حدیث و قرآن حاصل کرے۔ اس کے علاوہ کتب فارسیہ، اور ہندیہ، اور علم شعر و علم معقول وغیرہ اور بادشاہوں کی تاریخیں اور صحابہ کے مشاجرات، اِن کا دیکھنا گمراہی در گمراہی ہے اور اگر اقتضائے زمانہ کی وجہ سے دیکھے تو اتنا خیال رکھنا ضروری ہے کہ "یہ علم دنیا ہے" اس سے نفرت کرے اور استغفار و پشیمانی۔

اور ہم کو ضروری ہے کہ حرمین محترمین میں حاضر ہوں۔ اور ان آستانوں پر اپنا منہ ملیں۔ ہماری سعادت اسی میں ہے اور شقاوت اس سے روگردانی میں۔

وصیت ۱۱

حدیث شریف میں آیا ہے۔

"من ادرک منکم عیسیٰ بن مریم فلیقرأ منی السلام" یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تم میں عیسیٰ ابن مریم کو پائے تو اسے چاہیئے کہ میرا اسلام ان تک پہونچا دے۔

اس فقیر کو بڑی آرزو ہے کہ اگر روح اللہ (یعنی حضرت عیسیٰ) کا زمانہ پائے، تو سب سے پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سلام پہونچائے۔ اور اگر مجھکو وہ زمانہ نصیب نہ ہو تو میری اولاد اور میرے متبعین میں سے جو شخص اس زمانہ میں ہو تو وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سلام بڑی آرزو سے پہونچائے تاکہ لشکر ہائے محمدیہ کے آخر ہم ہوں۔